مہارانی کالج میسور کا علمی و ادبی مجلہ

ریاستِ میسور میں اردو

جلد اول

حصہ اول و دوم

مرتبہ

ڈاکٹر آمنہ خاتون
ایم اے - پی ایچ - ڈی -
مہارانی کالج میسور

محمد خان
لکچرار جامعہ میسور

طبع اول ۲۵۰ جلدیں   ستمبر ۱۹۶۰ء   برقی کوثر پریس بنگلور

ملنے کا پتہ

ڈاکٹر آمنہ خاتون

نمبر ۴۵۲۳ "این"

سیواجی روڈ، نرسمہاراج محلہ

میسور

قیمت

دس روپے

شکر اور شکریہ

شکر اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے ہمیں ریاست میسور میں اردو کی دامے، درمے، قلمے اور قدمے خدمت کی توفیق عطا فرمائی اور شکریہ ان محترم اور شفیق بزرگوں کا جنہوں نے اس مجلے کے لیے حیدرآباد کے کتب خانوں سے مواد فراہم کرنے کے سلسلے میں ہماری اعانت فرمائی اور ہمیں سہولتیں بہم پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا۔

مخدومی پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے ہمارے قیام کا انتظام فرمایا اور اسٹیٹ لائبریری کے کیوریٹر ڈاکٹر راحت اللہ صاحب اور نواب سالار جنگ اسٹیٹ کمیٹی کے معتمد مولوی عبدالوہاب صاحب سے ہمارا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر راحت اللہ صاحب کو [illegible] وہ اسم بامسمیٰ تھے۔ انہوں نے سنہ ۱۹۵۷ء میں اپریل سے جون تک ہم دونوں کو اور ستمبر سنہ ۱۹۵۸ء میں میرے خاوند محمد خان صاحب کو اسٹیٹ لائبریری میں مخطوطات کے مطالعے اور ان کی نقلیں لینے میں ایسی ایسی خصوصی رعایتیں بہم پہنچائیں کہ ہم مرحوم ڈاکٹر صاحب کی قدرشناسی پر ہمیشہ فخر محسوس کرتے رہیں گے۔ محسن و شفیق مولوی عبدالوہاب صاحب نے ہمیں عالیجناب نواب مہدی نواز جنگ بہادر صدر نشین سالار جنگ اسٹیٹ کمیٹی کے حضور میں باریاب کیا۔ نواب صاحب موصوف نے ہم پر جو نوازشیں فرمائیں انکی تفصیل میرے مضمون "نواب مہدی نواز جنگ بہادر کی ادب نوازی" میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ نواب صاحب موصوف اس وقت گجرات کی گورنری پر فائز ہیں۔ (اللھم زد فزد)۔

میرے قدیم محسن اور قدرشناس پروفیسر سید محی الدین قادری زور صاحب بانی و صدر ادارۂ ادبیات اردو و پرنسپل چادرگھاٹ کالج حیدرآباد نے ہمیں مخطوطات کے مطالعے میں ہر طرح کا آرام بہم پہنچایا اور عزیزانہ ہماری خبرگیری فرمائی۔ محترم پروفیسر سید محمد صاحب شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ اور آپ کی اہلیہ محترمہ نے ہم سے اپنے عزیزوں کا سا سلوک کیا۔ آپ کا یہ حسن سلوک ہمارے دلوں پر منقش ہے۔ ہم نے آپ کے نادر کتب خانے سے بھی استفادہ کیا ہے۔

جناب غوث محی الدین صاحب (گلگشت، سوجی گوڑہ، حیدرآباد) ابن احسان اللہ بھکری تخلص شباب شاگرد رشید نسیم دہلوی نے محمد خان صاحب کو شباب کی تصویر عنایت فرمائی۔ آپ کے حالات مجلے کے صفحہ ۱۵۰ درج ہیں۔

لغات عجائب ہند پر محمد خان صاحب کا تبصرہ اس مجلے میں شامل ہے۔ یہ لغات غوث محی الدین بھکری عرف امیر پاشا صاحب نے مورخ محمود خان مرحوم سے خرید لیا تھا۔ بھکری صاحب کی عنایت سے اس لغات پر تبصرے کا محمد خان صاحب کو موقع ملا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مجھے شہادت جنگ سلطانی پر تبصرے اور حضرت عاصی ملونگلی کے مراثی شایع کرنے کی ازراہ کرم اجازت دی ہے۔ اس کی تفصیل قارئین کو "شہادت جنگ سلطانی کی اشاعت کے اسباب" کے ذیل میں ملتی ہے۔

ذیل کی تمہید میں محمد خان صاحب نے ان مراحل کا ذکر کیا ہے جن سے یہ مجلہ گذرا ہے اور اس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ اس مجلے کی اشاعت سے ریاست میسور میں اردو کے سرمایے میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ فقط

مورخہ ۲ ستمبر سنہ ۱۹۶۰ء

آمنہ خاتون

میسور

تمہید

پانچ برس سے پیش نظر مجلے کی اشاعت کا اہتمام ہو رہا تھا پہلے ایک قابل کاتب نے جو اس وقت شہر میسور میں تھے اس کے تین جز لکھے پھر وہ ایسے غائب ہوئے کہ دوسرے کاتب کی تلاش ہوئی، مضامین کی نوعیت ایسی ہے کہ ہمارا خیال تھا کہ کتابت جب تک ہمارے سامنے نہ ہو کاپیاں صحیح نہ لکھی جا سکیں گی چنانچہ ہم نے کاتب عبدالعزیز صاحب مالک برقی کوثر پریس بنگلور سے استدعا کی کہ وہ کسی اچھے کاتب کو میسور روانہ کریں، ایک مدت کے بعد انہوں نے کوثر پریس کے مشہور کاتب عبدالصمد صاحب کو میسور بھیجا اور وہ ۱۹۵۸ء میں دسمبر کے تیسرے عشرے میں میسور آئے اور ہمارے مہمان رہے، کاتب کو نئے اصول اور تحقیقی مضامین نقل کرنے کی دشواریوں سے مانوس ہونے میں دو ہفتے لگ گئے ابھی انہوں نے تین چار جز ہی لکھے تھے کہ ڈاکٹر صاحبہ دفعتاً بیمار ہو گئیں اور جنوری ۱۹۵۹ء کی ساتویں کو اسپتال میں داخل ہوئیں۔ آپ وہاں ڈیڑھ مہینہ رہیں، ڈاکٹر صاحبہ کے غیاب میں آپ کے مضامین کی کتابت حسب دلخواہ نہ ہو سکی، ابھی ڈاکٹر صاحبہ اسپتال ہی میں تھیں کہ کاتب صمد صاحب کا بچہ بنگلور میں سخت بیمار ہو گیا اور وہ بنگلور چلے گئے اب مجلے کی کتابت کا کام کوثر پریس بنگلور میں ہوتا رہا اور جوں توں کر کے اگست ۱۹۵۹ء تک اس کے ڈھائی سو صفحے چھپ کر میسور آ گئے، پھر طباعت کا کام تقریباً ایک برس تک ملتوی رہا وجہ یہ تھی کہ ڈھائی سو صفحوں کے مضامین کی فراہمی اور طباعت پر کوئی ہزار روپے خرچ ہو گئے، لیکن صرف پانچ سو روپیوں کے قریب بعض اردو کے معاونین اور مہارانی کالج کی طالبات نے پیشگی دئے، اب ایک سال کے بعد بقیہ چار جز کی طباعت کے لوازم فراہم ہو سکے اس رسالے کے صرف مضمون چھپ چکے ہیں، تصویروں کی چھپائی اور مجلے کے ساڑھے چار سو نسخوں کی جلد بندی کے لئے اور پانسات سو روپیوں کی ضرورت ہے، ہم اگر چاہتے تو پہلے ہی مجلے کی طباعت کی یہ پوری رقم اردو کے ایسے فدائیوں سے جنہیں ہم پر اعتماد ہے وصول کر سکتے تھے لیکن ہماری غیرت نے گوارا نہ کیا کہ ہمارے معتمدین میں سے اتفاقی طور پر کسی کو خیانت کے شبہے کا موقع فراہم کریں، جس کی طرف اس مہنگائی کے زمانے میں ذہن بڑی آسانی سے منتقل ہو سکتا یا منتقل کیا جا سکتا ہے، میں نے دو ایک خوش حال اصحاب سے پیشگی چندہ مانگا بھی تو اس اصول پر کہ ؎

چو رسی بطور ہمت ارنی بگو و بگذر　　　کہ نیرزد این تمنا بہ جواب لن ترانی

میں نے گذشتہ پچیس تیس سال کے عرصے میں ریاست میسور میں اردو کا جو ذخیرہ فراہم کیا ہے،

وہ نہ کوئی اور فراہم کر سکتے ہیں اور نہ اس کا فراہم کرنا اب ممکن ہے۔ مدتوں ہمارا یہ خیال رہا کہ ایک ضخیم تذکرہ "سخنوران میسور" شایع کیا جائے، جس میں ریاست میسور کے عربی، فارسی اور اردو کے ادیب اور شاعروں کے حالات اور تحریریں شایع کی جائیں، لیکن اس کے لئے سرمایہ فراہم کرنا فی الحال ممکن نہیں۔ اس لئے ہم نے تجویز کی کہ ریاست میسور میں اردو کا جو ذخیرہ ہمارے پاس ہے اس کو پانچ سات جلدوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر جلد تین سوا تین سو صفحوں سے زیادہ کی نہ ہو، سو یہ پہلی جلد ہے جو آپ کے پیش نظر ہے ہمارا اندازہ ہے کہ ساڑھے چار سو نسخے ہم کم از کم ساڑھے چار ہزار روپیوں میں فروخت کر سکیں گے اور اخراجات منہا کر کے جو رقم بچے گی اس کی نصف رقم جو ڈیڑھ ہزار سے کم نہ ہو گی صرف ان طالبات میں بطور وظیفہ تقسیم کی جائے گی جو بی اے میں اردو کو میجر سبجکٹ کے طور پر پڑھتی ہیں۔ اور بقیہ رقم اس مجلے کی دوسری اشاعت میں صرف ہو گی وعلی ہذالقیاس، اس طرح ہم نے اپنی ساری عمر کی ادبی کمائی اردو کی طالبات کے لئے وقف کر دی ہے اور عنقریب ہم ایک کمیٹی قائم کریں گے جو آمد و خرچ کا جائزہ لیتی اور وظیفے تقسیم کرتی رہے گی۔ اس مجلے کی اہمیت اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جو مضامین شایع ہوئے ہیں وہ پہلی مرتبہ شائع ہوے ہیں اور ہر مضمون میں اس کے موضوع کے بارے میں وہ سارے معلومات فراہم کر دئے گئے ہیں جو انتہائی کد و کاوش کے بعد فراہم ہو سکے ہیں، خصوصاً ڈاکٹر صاحبہ کے دو مضمون ۱ شہادت جنگ سلطانی اور ۲ ریاست میسور میں مسلمان، تاریخی تحقیق اور تدقیق کا نادر نمونہ اور برسوں کے ریاض کا نتیجہ ہیں، یہ دونوں مضمون اپنے موضوعات پر ایسے انکشافات پیش کرتے ہیں جو ان سے پہلے اردو زبان میں پیش نہیں ہوے تھے اور کسی زبان کی کتاب میں یکجا نہیں ملتے، ڈاکٹر صاحبہ "علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر جلد دوم" کے لئے اپنا مقالہ "میسور میں اردو سوا سو سال پہلے" ڈائرکٹر علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو بھیج چکی ہیں۔ "ریاست میسور میں مسلمان" اسی مقالے "میسور میں اردو" کا پیش خیمہ ہے۔ پہلے آپ نے اس امر کا جائزہ لیا ہے کہ تاریخی طور پر میسور میں مسلمان کب سے آباد تھے اور اس مستند جائزے کی بنا پر اپنے مقالے میں اس روایتی اور عام خیال کی تردید اور تغلیط کی ہے کہ ملک کافور اور محمد بن تغلق کے زمانے میں مسلمان دلی سے دکن میں آئے اور اردوے قدیم اپنے ساتھ لائے بلکہ اردوے قدیم یعنی دکھنی زبان مہاراشٹرا کی سرزمین میں مرہٹی زبان میں عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش سے وجود میں آئی ہے اور ڈاکٹر صاحبہ نے اپنے اس جدید نظریے کو نہایت واضح اور مدلل طور پر اپنے مقالے میں ثابت کیا ہے کہ ملک کافور کے دکن آنے کے سات سو سال پہلے سے دکن میں مسلمان لاکھوں کی تعداد میں بستے تھے اور اس عرصے میں دکھنی زبان کی ابتدا اور اس کی ادبی درجے تک نشو و نما ہو چکی تھی

ہم نے اس مجلے میں تین مخطوطے ۱ شہادت جنگ سلطانی ۲ مفرح القلوب ۳ اور رسالہ احکام النکاح شایع کر دئے ہیں۔ اور ہمارا ارادہ ہے کہ آئندہ جلدوں میں ہمارے پاس جو نادر مخطوطے یا ان

نواب مہدی نواز جنگ بہادر کی ادب نوازی — از ڈاکٹر آمنہ خاتون — ۲۰۷ تا ۲۲۱

کتب خانۂ نواب سالار جنگ مرحوم کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست (صفحہ ۲۱)

شاہ صدرالدین اور ان کی تصانیف — از ڈاکٹر آمنہ خاتون — ۲۲۲ تا ۲۳۸

نواب دلاور خان (۲۳۲) شاہ صاحب کے مزید حالات (۲۳۷)

مراثی محمد سعید مہکری المتخلص بہ عاصی نلونگلی — از ڈاکٹر آمنہ خاتون — ۲۳۹ تا ۲۴۰

عاصی کے حالات زندگی صفحہ (۲۵۸)

نسیم میسوری — از ڈاکٹر آمنہ خاتون — ۲۴۱ تا ۲۵۸

حالات نسیم مرتبہ محمد علی خاں میانہ (۲۴۸) بنگی نواب محمد رضا علی خاں شہید کی قبر پر کا کتبہ (۲۵۶)

مشاعرہ محبوبیہ شہر میسور میں مشاعرے کی افتتاح (۲۵۷) محمد احسان اللہ خاں مہکری شباب (۲۵۸)

جماعتی قوم اور زبان — از ڈاکٹر آمنہ خاتون — ۲۶۱ تا ۲۶۷

حصۂ دوم (طالبات)

خانم کے بارے میں بعض مصنفوں اور صحیفوں کے قول — از خورشید بیگم بی ایس سی — ۲۷۴

کتب خانہ — از راحت نسیم سکینڈ ایر بی اے — ۲۷۵

ٹیپو سلطان کے عہد میں فن طبابت اور حکمت — از رحمت النساء بیگم بنت کمال شریف انٹرمیڈیٹ — ۲۷۸

عورتوں کا حسن وزیور و سنگار — رفیعہ بیگم سکینڈ ایر بی اے — ۲۸۱

محمد کبیر تحصیل کا ایک خط — از زبیدہ بیگم سکینڈ ایر بی اے — ۲۸۳

اردو زبان کا ایک نکتہ — از زیب النساء سکینڈ ایر بی اے — ۲۸۶

خواجہ حالی کا خط — از طاہرہ بیگم، سینیر بی اے — ۲۸۷

چودھویں صدی — از فرحت یاسمین پری یونیورسٹی — ۲۸۹

مقابلہ — از محمودہ خانم مکی تھرڈ ایر بی اے — ۲۹۰

حیدر آباد میں مسٹر شاکر علی — از نورافزا بیگم سکنڈ ایر بی اے — ۲۹۳

غلط نامہ ریاست میسور میں اردو جلد اول

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	شہادتِ	شہادتُ
″	۱۹	زمان خاریش	فرماں برداریش
۲	۱۴	شمشیر بازوے قوت آن	شمشیر قوت بازوے آن
۳	۲۱	بر تسم	بر فرقم
۵	۳	۱۲۲۶	۱۲۳۶
″	۷	جولا کے	جوان کے
″	۱۸	انچہ خواستم	انچہ کہ خواستم
۷	۹	۱۰ر شوال	۲۰ر شوال
″	۱۷	تمہید	بہ تمہید
۸	۱۴	لکھی گئی بلکہ الخ	لکھی گئی حالانکہ یہ کتاب ۵ر نومبر ۱۸۰۲ء یعنی سلطان کی شہادت کے ساڑھے تین سال بعد لکھی گئی بلکہ الخ
۹	۱۲	دفیل خانہ	دخیل خانہ
۱۰	۹	نسخہ جس میں	نسخہ ملے جس میں
″	۱۰	اس طرح	اسی طرح
″	۱۷	دو ستخط	واز دستخط
۱۱	۴	خاص" حاکم	خاصِ حاکم
۱۱	۸	یہ نقل دوم ہے یہ نقل دوم ہے	یہ نقل دوم ہے
۱۱	۸	یہ نقل چہارم	یہ نقل چہارم ہے
۱۱	۱۶	عبارت حاشیے	عبارت صفحہ کے حاشیے پر
۱۳	۱۸	کارروائی	کاروانی
۱۶	۱۷	بڑے باپور	بڑے بالاپور

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷	۱۷	پہنچ گیا یعنے عامل	پہنچ گیا یعنے عاملوں
۱۸	۱۶	جَ زُ	جُ زَ
۱۹	۱۰	چھوڑ آپ	چھوڑ کے آپ
۲۰	۲۰	اور اعمال	اور عمال
۲۲	۲۲	جنگیں بھی ظہور	جنگیں بھی ان سے ظہور
″	۲۳	برافروختہ کیا کہ	برافروختہ کیا کہ سلطان کو اس قوم سے بغاوت کا اندیشہ پیدا ہو گیا اور حکم دیا کہ
۲۴	۱۳	دھونڈجی آگیہ	دھونڈھ جی داگیہ
۲۷	۱۴	تباہی اور دستی	تباہی اور بے دولتی
۲۸	۱۱	کر کے	کر لے
۳۰	۱۵	ہلے دڑی... مغربی	ہلے دوڑی..... مغربی
۳۱	۲۲	منصوبوں	منصبوں
۳۲	۴	اس کے کارخانے	اس کارخانے
″	۷	نام طور	عام طور
۳۴	۷	دی کی	دی کہ
″	۱۶	غوثی کا	غوثی کے باپ کا
۳۶	۳	جھازوں	جہازوں
″	۵	دے	دئے
۴۱	۸	۳ر مئی	۴ر مئی
۴۸	۱۳	قلعے کے شمالی جہت	قلعے کی شمالی جہت
۴۹	۱۷	کسی زمانے کا	کسی راز کا
۵۰	۱۷	صفا کی	سفاکی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۱	۱۱	حبس فی زائد	حبس کی صفت زاید
۵۲	۸	۱۷۸۰-۷۸	۱۷۸۷-۸۸
"	۲۲	نظر غایت	نظر عنایت
۵۳	۱۳	کیا نہیں ہو... کیتیں	کیا نہیں ہو...... کتیں
۶۷	۴	وار جیب	واز جیب
"	۱۲	بیوبکیتی	مبوپکیتی
۷۴	۴	بان	باند
۷۷	۱۶	کولڈ	کولی (رگولے)
۸۷	۲۳	۱۷۸۳	۱۷۸۲
۹۰	۲۱	تالیف سے	تالیف ہے
۹۲	۱۷	بیتاں	بتیاں
۹۳	۲۰	اڑا	آڑا
۹۴	۶	بنی	بنچی
۹۵	۶	بونچی	پونچی
"	۷	بٹا	پیٹیلا
"	۸	پیلا	پیلا
۹۸	۸	کھری	کھڑی
"	۱۸	گاروڑتی	گارڈوڑی
۱۰۰	۹	دادن	وادان
۱۰۳	۱۰	چوکی تھا	چوکی تھی
۱۰۵	۵	باپ کے	باپ کی
۱۰۶	۲۳	اس قدر	اسی قدر
۱۰۹	۲۰	کیے بارے	کے بارے میں
۱۱۰	۹	دیوی گیری	دیو گیری
۱۱۱	۱۱	ملک کافور	ملک کافور نے
۱۱۵	۲۰	مذکورہ گورنر	مذکور گورنر
۱۱۸	۶	ساہوں	شاہوں
۱۲۱	۱۲	مرحوم	دوم
۱۳۳	۱۸،۷	گھوڑ گھوڑوں کی	گھوڑے کی
۱۲۵	۲۲	ان پر... تو	ان پر حملہ کیا تو
۱۲۶	۱	آلیبا	آلیبا (اے بی ا)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۶	۳	کھو	ملو
"	۲۲	نادر شاہ	مادر شاہ
"	"	شاہ کو جو الخ	شاہ کو طلب کیا لیکن تو وہ لانے سے اسبتا زیادہ روپے بھیج کر عادل شاہ کو جو الخ
۱۳۰	۳	رام رایا تعلق	رام رایا کا تعلق
۱۳۵	۷	اپنے پورے	پورے
۱۳۶	۲	کا..... گیا	کی..... گئی
۱۳۷	۶	اس نے آزادی	اس نے اپنی آزادی
"	۱۲	تائید کررہا	تائید کرتا رہا
۱۴۰	۱۲	حاگیر	جاگیر
۱۴۱	۱۲	اس کے	اس نے
۱۴۳	۱۷	جس وجہ	جس کی وجہ
"	۱۹	ظاہر ہوئی	ظاہر ہوئے
۱۶۶	۱۵	فلک وارے پند	فلک وارے سپند
۱۷۸	۲۰	جب فضا ٹھہر	جب فضا ٹھہری
۱۸۸	۷	نغر	نغز
۱۸۹	۷	ملک کے سیر	ملک کی سیر
۱۹۴	۱۲	قسطنطنیہ کو جس	قسطنطنیہ کو جس کو
۲۰۲		تیسرا شعر حذف ہوگیا ہے:	جب اٹھ گئے سے بیٹھے با شرع زندگی آج کس کو خوشتر ہے
۲۰۸	۴	آپ کے تنقید	آپ کی تنقید
۲۳۲		ساتویں سطر حذف ہوگئی ہے"	۱۳ بارھویں رسالے کا آغاز ہے میں بن بوجھ نزدیکی جان عروجیت کا سفو بیان
۲۳۷	۱۷	مہاجاں	مہا جناں
۲۴۹	۱۲	اس بیان واضح	اس بیان سے واضح
"	۱۶	عازم لقا ہوے	عازم عازم لقا ہوے

شہادتِ جنگِ سُلطانی

سلطان سے انگریزوں کی آخری جنگ کے بارے میں میر احسن اللہ کے فرزند غونی چنگل پیٹی (مدراس) کی اردو مثنوی جو ماہ رجب ۱۲۱۶ھ میں مرتب ہوئی۔

میسور کے گزیٹیر کے مرتب سی۔ ہیووِن راؤ جلد دوم تاریخی حصۂ اول مطبوعہ سنہ ۱۹۳۰ء میں لکھتے ہیں:-

"کرمانی پہلے حیدر کا پھر ٹیپو کا میر منشی اور وقائع نگار تھا، وہ اپنے شاہوں کے روزانہ معاملات کا روزنامچہ لکھتا تھا، ٹیپو کی وفات کے بعد اس نے اپنی ان یادداشتوں کو مفید بنایا یعنے انھیں حیدر اور ٹیپو کی سوانح عمریوں کا اساس بنایا" صفحہ ۲۴۹

تاریخ سلطنتِ خداداد میسور مصنفہ محمود خان محمود کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا ہے۔ دیباچہ طبع ثانی میں لکھا ہے کہ "اب قریبًا چار سال کے بعد کتاب کا دوسرا ایڈیشن ملک کے آگے پیش کیا جارہا ہے" اس لحاظ سے پہلا ایڈیشن تقریبًا ۳۶-۱۹۳۵ء میں شائع ہوا تھا۔ میرے پیشِ نظر دوسرا ایڈیشن ہے، اس کے صفحہ ۳۹ پر 'ماخذ' کے تحت لکھا ہے:-

"۶۔ نشانِ حیدری[1]' از مؤرخہ (کذا) میر حسن علی (کذا) کرمانی۔ تصنیف سنہ ۱۸۰۶ء بمقام کلکتہ تاریخ نشان حیدری شہادتِ ٹیپو سلطان کے سات سال بعد کلکتے میں جہاں شہزادگانِ ٹیپو سلطان مقیم تھے، مورخ دربارِ سلطانی سے لکھائی گئی۔"

---

[1] "سبب تالیف کتاب" امابعد بر کشور کشایان اقلیم معانی و دانش پژوہان محفل سخندانی پوشیدہ نماند چونکہ او خالق بیچون در ہر دہر و ہر زمان میخواہد کہ افراد خلائق یعنی بندگان خود را در مہد آرام و امنیت پرورش سازد، پس سعادتمندی ذی ہمت را مقبول و مقصول خود کردہ غاشیۂ اطاعت و فرمان برفا یش بر دوش نہادہ دنیا یاں می گذارد و عالمی را چراز ادانی و اقاصی بہ پناہ رافت و دولتش کامیاب و بہرہ مند میدارد۔ (باقی)

تاریخ ٹیپو سلطان از محب الحسن خان کلکتہ 1951' میں ہے :-

"کرمانی ٹیپو کا درباری تھا، اس نے حیدر کی ملازمت بھی کی تھی، سرنگاپٹم مفتوح ہونے کے بعد انگریزوں نے اس کو پنشن دی، اور اس نے ان کی سرپرستی میں کلکتے میں یہ کتاب لکھی صفحہ ۳۹۶

مہاراجہ کالج میسور کے سالنامہ مخزن بابت 1956-57 میں مصنفِ "تاریخ سلطنتِ خداداد میسور" لکھتے ہیں :-

"اب تک یہی خیال کیا جاتا ہے کہ "نشانِ حیدری" جو فارسی زبان میں ہے سلطان کے

(بقیہ) ومصداق این مقال احوال سعادت اشتمال شمس الملک امیر الدولہ نواب حیدر علی خان بہادر حیدر جنگ وعمدۃ الملک مبارک الدولہ ٹیپو سلطان علی خان بہادر ہژبر جنگ است کہ من ابتدائے سن یک ہزار و یک صد و شصت و ہفت ہجری لغایت سال یک ہزار و دو صد و سیزدہ ہجری ہر دو سعادتمندان والا شان کام بخشی و فرماں روائی نمودہ عالمی را بغور رو پرداخت و داد و دہش پرورش می ساختند و تمامی خطۂ بالاگھاٹ و برخی از پائین گھاٹ کہ تفصیلش بیشتر واضح خواہد گشت بقبضۂ تصرف خود داشتند و چند فلک دوار چو چاکران معتمد علیہ کمر خدمت آں صاحب شوکتان برمیان جان بستہ مستعد و سرگرم کار و خدمت بودہ و زمانہ معدود الایام در پیش دریا اقبال منظر ایشان پنج نوبت مبارکبا و افضال خداداد می نواخت و یاوری طالع آن صاحب دولتان سرکفار سرکشان این صوبہ را بہ تیغ سیاست در انداخت و بیم شمشیر بازوے قوت آن شیر صولتان فتنہ انگیزان و روباہ بازان خطۂ بالاگھاٹ را سپر انداز و وندال نما ساختہ غرض در آخر زمان آن بیدار بختان ملاذ بے سروسامان و ملجا طوائف عالمیان و پناہ خاص و عام ارباب پیشہ و اہل حرفہ بود و خطبۂ دلاوری و سپاہ پروری آں فرلیۂ بیکسان در دو زبان ہندو دکن گشتہ و توصیف داد و دہش آں فیض بختان والا دانش در اکناف عالم و اصناف امم شائع شدہ اما مفصل ذکر سلطنت خدا بخش آں والا فطرتان ذی شوکت احدی بہ یک کاغذ نہ نوشتہ و تشریح کماہی احوال آں بخت آوران کہ فروغ صدق داشتہ باشد کسی بر یک وجہ بیان نساختہ لہذا این درس خوان دبستان ہیچ نشناسی کہ موسوم بمیر حسین علی ولد سید عبد القادر کرمانی است و چندی در ظل دولت این ہمایوں منزلتان بعلاقۂ نوکری بسر بردہ چنانچہ تا انقضای مدت پنج سال از ابتدای سن یک ہزار یک صد و نود و شش ۱۱۹۹ ہجری تا آخر سن یکہزار و دو صد و یک ۱۲۰۱ ہجری بعہدۂ خدمت حضور سلطان جنت آشیان سرفراز شدہ بود کہ بالفعل تفصیلش ضرور نیست (باقی)

حالات میں پہلی کتاب ہے، نشانِ حیدری کلکتے میں کیپٹن فریزر کی نگرانی میں مورخ کرمانی نے لکھی تھی جو سلطان کی ملازمت میں تھا، اور سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کا ملازم ہوگیا، اس نے یہ کتاب سلطان کی شہادت کے تقریباً آٹھ سال بعد لکھی تھی، لیکن اب جس کتاب کا ذکر میں کر رہا ہوں وہ سلطان کی شہادت کے ڈھائی سال بعد لکھی گئی ہے! اس کتاب "شہادتِ جنگ سلطانی" کو

(بقیہ) بعد دو سہ سال مفصل حقیقت از اجداد و آبائے دولتمندان موصوف بہ تجسس و تلاش بسیار دریافتہ قلم بند ساخت و نسخہ علیحدہ بتفصیل سال و ماہ ترقیم کردہ مسمّیٰ بہ نشانِ حیدری بر جریدۂ روزگار یادگار گذاشت و چناں جہد بلیغ و احتیاط بکار بردہ کہ سوای مضمون صدق و سداد مندرج نشد بعضے کوائف روداد آنچہ کہ بچشم خود مشاہدہ کرد بغایلہ تکلف و شائبہ ریب کما حقہٗ برنگاشتہ و برائے انضباط شیرازہ این نسخہ تازہ ایجاد صفحۂ سال و ماہ و اوراق روز و شب در نوردیدہ چمن اوراق و اجزا را بہ بستہ الفاظ معنی ہا آب و رنگ صدق و صفا در داد۔

نظم

نشانِ حیدری را فکر کردم   کماہی واقعاتش ذکر کردم
کشیدم لعل و گوہر ہائی تبیان   بسلک لفظ و معنی ہای شایان
لب پیمانۂ سرشار ذکرم   دل آئینہ بہ نور فکرم
طلب سرمایۂ بازار شوقم   طلب پیرایۂ گلزار ذوقم
توکل توشہ و محنت سبیلم   قناعت پیشہ و ہمت دلیلم
زتار رشتہ ہاے فکر انور   پئے ایں نسخہ کردم راست مسطر
چمن را آبرو از جدول او   سمن را رنگ و بو از سنبل او
دلی چشم صلا از کس ندارم   بلے بے مزد و منت مے نگارم
مگر ہاں زادہاے شاہ مغفور   چو بنوازند کے گردد زحق دور
چہ کم باشد ز دو مشت سیم و زرہا   دیاریزند بہر قسم گہرہا
کشند ار شانہ زلف الیجارا   کشاینداین عقود مدعارا
کہ ہر یک مردم چشم تمیزاند   بمصر انجمن یہا عزیزاند

سلطان کے حالات پر اولین کتاب کہا جا سکتا ہے۔ صفحہ ۳۳

ظاہر ہے کہ محمود خان نے کرمانی کے بارے میں کچھ ہیٹون راؤ کے بیان پر اعتماد کیا ہے اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے اور محب الحسن خان نے محمود خان کا تتبع کیا ہے اور ان تینوں نے نشانِ حیدری کا، سببِ تالیف، اور خاتمۂ کتاب نظر انداز کر دیا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ محمود خان کے یہ اقوال کرمانی اور نشانِ حیدری کے بارے میں صریحاً غلط ہو گئے :-

غلط	صحیح
۱۔ نشانِ حیدری کلکتے میں لکھی گئی۔	یہ کتاب ویلور میں لکھی گئی)
۲۔ یہ کیپٹن فریزر کی نگرانی میں لکھی گئی،	"یہ کسی کی فرمائش پر یا کسی کی نگرانی میں نہیں لکھی گئی تھی بلکہ کرمانی نے حیدر اور ٹیپو کی نمک حلالی کیلئے بطور خود لکھی تھی
۳۔ کرمانی سلطان کی ملازمت میں انکی شہادت (۱۷۹۹) تک تھا	کرمانی صرف ۱۷۸۲ سے ۱۷۸۶ تک سلطان کی ملازمت میں تھا
۴۔ سلطان کی شہادت کے بعد وہ انگریزوں کا ملازم ہو گیا	کرمانی یا انگریزوں نے اس ملازمت کا ذکر نہیں کیا اور محمود خان نے اپنا ماخذ نہیں لکھا۔
۵۔ سلطان کی شہادت کے آٹھ سال بعد (1807) نشانِ حیدری لکھی گئی۔	"یہ کتاب ۵ نومبر ۱۸۰۲ میں سلطان کی شہادت کے ساڑھے تین سال بعد بلکہ ۱۵ نومبر ۱۸۰۱ میں سلطان کی شہادت کے دو سال چھ مہینے گیارہ دن بعد لکھی گئی
۶۔ شہادتِ جنگ سلطانی سلطان کے حالات پر اولین کتاب ہے۔	اولین کتاب نشانِ حیدری ہے۔

نشانِ حیدری کا سنہ تصنیف

نشانِ حیدری بمبئی کے مطبع فتح الکریم میں ۱۳۰۷ھ ۱۸۹۰ء میں چھپی ہے، اس میں صفحہ ۲ سے ۵ تک سببِ تالیف کتاب، ہے پھر صفحہ ۶ سے ۲۵۸ تک نواب بہادر کے حالات اور صفحہ ۲۵۸ سے ۴۰۰ تک ٹیپو سلطان کے حالات ہیں۔

(بقیہ) سحاب جود شاں مطلب فشاں است — کف شاں غارت دریا و کان است

اگرچہ نسخہ طبق قاعدہ ارباب تحریر و تقریر کہ ہر آغازی را انجامی است باتمام رسید اما نزد راقم سطور ناتمام چوں صاحباں والا فطرت و منشیاں پاک طینت و مورخاں دانشور و دانا یالہ مزید برقد باقی)

پھر صفحہ ۴۰۱-۴۰۲ پر خاتمۂ کتاب از مصنف علیہ الرحمۃ ہے جو ۔

سالِ تاریخِ ختمِ آں خردم — بے سرِ کذب گفت ذکرِ دو شاہ

پر ختم ہوتا ہے۔ ۱۸۰۱ م ۱۲۱۶ = ۲۰ - ۱۲۳۶

کرنل ڈبلیو میلس نے اتنی ہی کتاب کا دو حصوں میں ترجمہ کر کے ملکۂ وکٹوریہ کے نام پر معنون کیا ہے اور لنڈن سے ۱۸۴۲ اور ۱۸۴۴ میں شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ نشانِ حیدری کے اس اصل مخطوطے کا ہے جو ملکہ کے کتب خانہ میں ہے، علاوہ مترجم کو پروفیسر فوربس (Forbes) اور مسٹر بلانڈ (Bland) نے بھی نشانِ حیدری کی نقلیں جو ان کے پاس تھیں دی تھیں۔

(بقیہ) بنظرِ اصلاح و چشمِ غور معاینہ کنند کہ چہ قدر محنتِ شاقہ بر خود گوارا داشتہ اوقاتِ عزیز خود را بیہودہ ضائع نگذاشتہ شاہدِ اذکارِ منتشر را لباسِ اجتماع پوشانیدہ بر سریرِ صفحۂ رنگین ادا جلوہ گر ساختہ بہت بعینِ انصاف بپسندند تا نسخۂ مقبول و مختوم گردد چشم است از والا دانشان عیب پوش آنکہ اگر احیاناً گاہی اتفاقِ مطالعۂ این نسخہ افتد نظر ایرادے بے بندوبستِ عبارات و فقرات نگمارند و باحسانِ اصلاح منت بر ذمۂ من مستعدِ خدمت گذارند نظم

ای عزیزانِ صاحبِ افہام — وی نمایندگانِ حسنِ کلام
گر خطائی بحرفِ من یابید — از دقیقہ زمام بر تابید
خطِ اصلاح بر خطا زنید — عیب پوشی خوش است میدانید
بہرِ اصلاح از شما است نگاہ — از من اینک دعا جزاک اللہ

خاتمۂ کتاب از مصنف رح : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والمنۃ انچہ خواستم بخدا شد میسرم ہر گاہ حکمِ جہاں مطاعِ خورشید شعاع فلک ارتفاع لازم الاتباع حضرت دل صفا منزل نسبت باین ریزہ چینِ خوانِ فضلِ اہلِ کمال شرفِ نفاذ یافت کہ واقعاتِ صدق آیاتِ سلطنت و فرمانروائی و جمیع احوالِ ملک گیری و کشور کشائی دولتمندانِ خطۂ بالاگھاٹ را بنجامۂ راست بیان در قیدِ کتابت و حیزِ تحریر برکہ سلاستِ تمام داشتہ باشد در آرد ہر چند بعضی علایق و عوایق و قلتِ بضاعتِ این صناعت و کثرتِ مشاغلِ وجہِ معیشت و محنتِ مسافرت مانعِ این امرِ خطیر می شد و سنگِ تفرقہ بر شیشۂ جمعیتِ دل می انداخت و خاطرِ نکتہ یاب (باقی)

انگریزی ترجمے اور بمبئی کے ایڈیشن میں دو اختلاف ہیں، پہلا اختلاف "سبب تالیف کتاب" میں ہے وہ یہ کہ "ایں درس خواں دبستان ہیچ نشناسی کہ موسوم بمیر حسین علی ولد سید عبدالقادر کرمانی است و چندے در ظل دولت ایں ہمایوں منزلتاں بعلاقۂ نوکری بسر بردہ چنانچہ تا انقضاے مدت پنج سال از ابتداے سن یکہزار و یک صد و نود و شش [۱۱۹۶] ہجری تا آخر سن یکہزار و دو صد و یک [۱۲۰۱] ہجری بعمدہ خدمت حضور سلطان جنت آشیاں سرفراز شدہ بود کہ بالفعل تفصیلش ضرور نیست"

۱۱۹۶ کی ابتدا سے ۱۲۰۱ کے آخر تک (۱۷۸۲ سے ۱۷۸۷) پورے چھ سال ہوتے ہیں حالانکہ کرمانی کہتے ہیں کہ میں پانچ سال کی مدت گذرنے تک سلطان کا مصاحب تھا۔ انگریزی ترجمے میں ابتدا اور آخر کے لفظ نہیں ہیں اور یہی صحیح ہے۔

(بقیہ) رمز آفریں نیز بزبان عجز از تقریر کمالات علیہ و محامد سنیہ می گفت کہ مورچہ بے زبان را چہ یارا کہ کوہ را بر دارد و مگس را کجا طاقت کہ بار گران بر دوش کشد اما تابع امر و انقیاد حکم حضرت موصوف بودہ بے تکلفات عبارت آرائی برقیم سطری چند از احوال ملک ستانی و قضایای حکمرانی و صفات جمیلہ و اخلاق جزیلہ و حکایات داد و دہش و وقایع مکرمت و بخشش و حقایق دوست نوازی و دشمن گدازی و تفاصیل اسلام افزای و کفر شکنی عالم پروران موصوف پرداختم و دامن کلک دُر بر سلک را بمکذب و دروغ کہ شیوۂ بادفروشان پست ہمت و عادت ہرزہ گویان کوتاہ فطرت است ملوث نساختم و رجای واثق از شہزادگان و توابعان سلطانان آنست کہ ایں نسخہ را بعین نوازش و الطاف و بغور پرداخت انصاف ملاحظہ و مطالعہ فرمودہ برحسب استعداد حسن توفیق صلہ و افرالبضاعت کہ ماحصل زندگی و مقتضیٔ حوائج بشری و سرمایۂ نازش بہ بے بضاعتان ہمون تواند شد عنایت فرمایند و قامت محنت کشیدہ را بخلاع آفریں و تحسین بیارایند یارب ایں گلدستۂ باغستان خیال مقال کہ برنگ بوی اخبار و آثار سعادتمند والا رتبہ عالم پرور بہیر اسرہ است، بدست خوردہ چیناں پریشاں مقال برہم خوردگی اوراق جمعیت بنیاد و ایں ترانہ ساز و سرود پیرایۂ نقش شوق کہ بزمزمۂ حقیقت حال خدیو سکندر منش و ارسطو سیر جوش و خروش شہرتے برانگیختہ در انجمن ارباب وجد و ذوق بہ بیصرفہ سرائے خارج آہنگ روزگار خموشی گزیناد بفضلہ روز جمعہ بتاریخ بیستم شوال المکرم سنہ ۱۲۱۷ ہجری یکہزار و دو صد و ہفدہ بود خاطر را از محن و مشاق تردد و کاوش و تلاش لفظ و معنی مناسب ہر محل نجات حاصل گردید (باقی)

دوسرا اختلاف یہ کہ ' خاتمہ کتاب کے آخر میں بمبئی کے نسخے میں یہ عبارت ہے ' بفضلہ روز جمعہ بتاریخ بیستم شوال المکرم سنہ ۱۲۱۷ ہجری یک ہزار و دوصد و ہفدہ بود خاطر را از محن و مشاق تردد و تلاش و کاوش لفظ و معنی مناسب ہر محل نجات حاصل گردیدہ قطعہ :-

نسخۂ دلپذیر شد چو تمام — خاطرم جمع شد بفضل آلہ

سال تاریخ ختم آں خردم — بے سر کذب گفت ذکر دو شاہ

تمت

لیکن انگریزی ترجمے میں لکھا ہے کہ " چونکہ اس تصنیف میں نواب حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان کی تاریخیں یکجا لکھی گئی ہیں اس لئے مصنف نے اس کے اختتام کی تاریخ لفظ " تواریخ " سے نکالی ہے ، جس کے ۱۲۱۷ ھ م ۱۸۰۲ء ہوتے ہیں اور یہ تصنیف رجب المرجب کی نویں کو ختم ہوئی " انجمن ترقیٔ اردو (ہند) کی تقویم ہجری و عیسوی کی رو سے ۱۰ ارشوال مطابق ہے ۱۳ فروری سے لیکن دن یکشنبہ ہوگا نہ کہ جمعہ ، انگریزی ترجمے میں ۹ رجب سنہ ۱۲۱۷ ھ ہے اور یہ مطابق ہے ، ۵ نومبر جمعہ ۱۸۰۲ سے چوں کہ فارسی اور انگریزی میں دن جمعہ کا مشترک ہے علاوہ مترجم کے پیش نظر

(بقیہ) قطعہ — نسخۂ دلپذیر شد چو تمام — خاطرم جمع شد بفضل آلہ

سال تاریخ ختم آں خردم — پے سر کذب گفت ذکر دو شاہ

تمت

اعلان واجب الایقان : ایں نقل از دوم کتاب نشان حیدری ست حسب فرمائش سکندر مرتبت و ارسطو فطرت والا ہمت فریدون شوکت قدر شناس اہل ہنر کپتان جیمس فریزر بہادر دام اقبالہ بحسن صحت و صفوت عبارت بقدر حوصلۂ خود کہ بمطالعہ آں ہیچکس را وقت نیفت رترقیم ساخت و نقول کتاب مذکور کہ از ویلور نزد اکثر مردم ایں اینجا رسیدہ ست از مسودۂ مغشوش بعضے کاتبان تمہید مطالعہ آں نسخہ درخواستہ بلا اطلاع نقلش برداشتند و جائیکہ صاف مفہوم نشد عبارتے دیگر تراشیدہ نوشتند و اکثر جا اصل فقرات دلنشین استعمال گزیں بسبب عدم دریافت اشارات متن و حاشیہ قطع کردہ اند لہذا آں نسخہ بہ نسبت ایں بیضہ سراپا غلط واقع شدہ امید از صاحبان والا فطرت آنست کہ اگر کتاب مذکور بلا اشارہ نقل سوم و چہارم و امثالہ کہ ازیں راقم مستطیر خواہد رسید ہدست شدہ باشد ازیں کتاب صحت کنایندہ مطالعہ فرمایند اگر معرّی (باقی)

کئی نسخے ہیں اس لئے قرین قیاس ہے کہ بمبئی کے ایڈیشن میں غلطی سے ۹ رجب کی جگہ ۲۰ شوال لکھ دیا گیا ہے اس ضمن میں ایک اور اختلاف یہ ہے کہ بمبئی کے نسخے میں مادۂ تاریخ "تواریخ" کا ذکر نہیں ہے۔ اور مترجم میلکس نے ع بے سر کذب گفت ذکر دو شاہ کا ذکر نہیں کیا، گو مطلب دونوں کا ایک ہے کہ اس تاریخ میں دو تاریخیں ہیں یا اس تاریخ میں دو شاہوں کا ذکر ہے، لیکن ان دونوں میں ایک عدد کا فرق ہے، مترجم چوں کہ اشعار عموماً حذف کر دیتا ہے اور خصوصاً وہ اشعار جن میں مطلب کی تکرار ہوتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس نے "ذکر دو شاہ" والا قطعہ حذف کر دیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ "تواریخ" والے قطعے میں ایک عدد کا تخرجہ ہو یعنے ممکن ہے کہ نشانِ حیدری ۹ رجب سنہ ۱۲۱۶ھ میں ختم ہوئی ہو اور نشانِ حیدری کی جو عبارت دی گئی ہے اس سے محمود خان کے یہ دو قول غلط ہو گئے کہ (۱) کرمانی سلطان کی ملازمت میں ان کی شہادت تک یعنے ۱۷۹۹ تک تھا، کیونکہ کرمانی نے خود لکھا ہے کہ وہ صرف پانچ برس ۱۷۸۲ سے ۱۷۸۷ تک سلطان کی ملازمت میں تھا اور یہ کہ (۲) سلطان کی شہادت کے آٹھ سال بعد ۱۸۰۷ء میں نشانِ حیدری لکھی گئی، بلکہ ایک قیاس یہ ہے کہ اس سے بھی ایک سال پہلے ۹ رجب ۱۲۱۶ھ مطابق نومبر ۱۰ اتوار ۱۸۰۱ء میں یعنے سلطان کی شہادت کے دو سال چھے مہینے گیارہ دن بعد لکھی گئی۔ علاوہ بہ قیاس کرمانی کے اس قول سے بھی مطابق ہے کہ "بسعی دو سہ سال مفصل حقیقت از اجداد و آبائے دولتمندان موصوف بتجسس و تلاش بسیار دریافتہ قلم بند ساخت و نسخۂ علحدہ بتفصیل سال و ماہ ترقیم کردہ مسمیٰ بہ نشانِ حیدری برجریدۂ روزگار یادگار گذاشت"

(اس کا انگریزی ترجمہ اسی مضمون کے آخر میں آپ کو ملے گا)

سلطان کی شہادت کے بعد ان کے پورے خاندان کو انگریزوں نے ویلور منتقل کر دیا لیکن جب ویلور میں سپاہیوں نے ۱۰ جولائی ۱۸۰۶ء میں بغاوت کر دی اور انگریزوں کو شبہ ہوا کہ سلطان کے

(بقیہ) از اشارہ مذکور بود سراسر غلط انگاشتہ بمطالعہ اش نگرانید بمنہ و کرمہ کاتب این کتاب را نیز باید کہ بعد اتمامش این عبارت ہم بتبدیل القاب و اسم مکتوب الیہ آخر آں بہ تحریر در آرد و سنہ اتمام نقل مذکور یکہزار و دو صد و بیست و چہار بود و از دستخط خاص حاکم کتاب یعنی میر حسین علی صاحب قبلہ کرمانی عفا اللہ عنہ و غفر ذنوبہ بود۔ ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء

اگر پرسند کاں کاتب کجا رفت — بگو بگو بخت از دست زمانہ

فرزند بھی اس میں شریک ہیں تو یہ خاندان ۱۸۰۷ میں کلکتے بھیج دیا گیا، کرمانی "سبب تالیف" میں لکھتے ہیں کہ :۔

"نواب حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان کی سلطنت خداداد کے مفصل حالات اور ان بختاوروں کے سچے اقوال کسی نے ایک تصنیف میں نہیں لکھے تھے اس لئے مجھ ہیچمدان میر حسین علی بن سید عبدالقادر کرمانی نے جوان ہمایوں منزلتوں کا چندے نوکر رہا تھا یعنے پورے پانچ سال سنہ ۱۱۹۶ھ کی ابتدا سے سنہ ۱۲۰۱ھ کے آخر تک سلطان کی مصاحبی کی عمدہ خدمت پر سرفراز رہا تھا جس کی تفصیل کی بالفعل ضرورت نہیں، دو تین سال کی سعی سے دولتمندان موصوف کے بزرگوں کی مفصل حقیقت بہت چھان بین کے بعد دریافت کر کے قلمبند کی ہے، اس کتاب نشانِ حیدری میں برسوں اور مہینوں کی تفصیل لکھی گئی ہے اور یہ کتاب میں نے دنیا کے صفحے پر اپنی یادگار چھوڑی ہے" جس سنہ میں 'نشانِ حیدری' ختم ہوئی (۱۸۰۱) اس زمانے میں سلطان کا خاندان ویلور میں تھا، ظاہر ہے کہ سلطان کے بزرگوں کی مفصل حقیقت ویلور میں معلوم ہو سکتی تھی، نہ کہ کلکتے میں، کرمانی نے خود صفحہ ۳۹۵ پر لکھا ہے کہ "تمامی فرزند و فیل خانۂ سلطان خلد آشیاں کہ چند خادمہ ماندہ بودند مع کریم صاحب توابعش داخل قلعہ راٹے ویلور گشتند و مدد خرچ معقول بتعداد ماہیانہ بہ ہر یک شہزادہ مقرر نمودہ شد تا حالت تحریر ہمہ شہزادگان اندرون قلعۂ مذکور سکونت میدارند"

مَیلس نے اس کا ترجمہ کیا ہے :

"......and to the Present Time They Still Reside at the Fort of Vellore (Part II, p 276)

ان اقتباسات کے پیشِ نظر محمود خان کا یہ قول بھی غلط ہو گیا کہ 'نشانِ حیدری' کلکتے میں لکھی گئی، بمبئی کے ایڈیشن میں دو صفحے زیادہ ہیں یعنے صفحہ ۴۰۳ پر 'اعلان واجب الایقان' ہے اور صفحہ ۴۰۴ پر خاتمۃ الطبع ہے، صفحہ چار سو تین پر کے اسی اعلان واجب الایقان کو غور و فکر سے نہ پڑھنے اور سبب تالیف کتاب اور خاتمۂ کتاب کے مطالب کو صاف طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے محمود خان نے یہ بالکل غلط بات لکھ دی ہے کہ نشانِ حیدری کیپٹن جیمس فریزر کی نگرانی میں

لکھی گئی۔ یہ فارسی اعلان حاشیے پر لکھا جاچکا ہے۔

اردو ترجمہ: یہ نشانِ حیدری کی نقل دوم ہے۔ جس کو کرمانی نے کپتان جیمس فریزر کی فرمایش پر صاف اور صحیح عبارت میں لکھا تھا تاکہ پڑھنے والے کو دقت نہ ہو، کیونکہ اس کتاب کی جو نقل ویلور سے یہاں کے اکثر سرداروں کے پاس آئی ہوئی ہے اس کا مسودہ صاف طور پر نہیں نہیں لکھا گیا تھا، بعض کاتب اس نسخے کو مطالعے کے بہانے لے گئے اور اطلاع کے بغیر اس کی نقل لے لی، جہاں کوئی عبارت ان کے سمجھ میں نہ آئی اس کی جگہ دوسری عبارت تراشش کر لکھ دی اور اکثر دلنشین فقرے اور منتخب استعارے جو ان کی سمجھ میں نہ آسکے کاٹ دئے، اس لئے وہ نسخہ (جو ویلور سے آیا تھا) اس مبیضے کے مقابلے میں سراپا غلط ہو گیا۔ صاحبان والا فطرت سے امید ہے کہ اگر انھیں نشانِ حیدری کا کوئی ایسا نسخہ جس میں نقل سوم اور نقل چہارم اور اس طرح کا اشارہ اس راقم کا لکھا ہوا نہیں ہے تو اس نسخے کو اس کتاب (یعنے اس نقل دوم) کی مدد سے صحیح کرا کے مطالعہ فرمائیں اگر مذکور قسم کے اشارے سے عاری ہو تو اس کو سراسر غلط سمجھ کر اس کا مطالعہ نہ کریں بمنہ وکرمہ اور اس کتاب کے کاتب کو چاہئیے کہ جب وہ اس کتاب کو پوری لکھ چکتا ہے تو اس عبارت کو مکتوب الیہ اور القاب تبدیل کر کے لکھے"، اس نقل دوم کے اتمام کی تاریخ سنہ ۱۲۲۴/۱۸۰۹ تھی، اور اس پر حاکم یعنے میر حسین علی کرمانی کے دستخط تھے۔

فارسی اعلان کا یہ آخری جملہ ظاہر ہے کہ مطبع والوں نے بڑھایا ہے:۔

"سنہ اتمام نقل مذکور یکہزار و دوصد و بیست و چہار بود و دستخط خاص حاکم کاتب یعنی میر حسین علی صاحب کرمانی عفی اللہ عنہٗ و غفر ذنوبہ بود"

اس فارسی عبارت میں ایک غلطی علانیہ ہوئی ہے وہ یہ کہ میر حسین علی کرمانی کا تخلص حاکم تھا چنانچہ نشانِ حیدری کے آخری باب کی ابتدا ان الفاظ سے کی ہے:۔

"آہ خامۂ سوانح نگار حاکم تاریخ گو از تفصیل کماہی احوال ملک رانی و سپہ پروری نواب مرحوم و سلطان الفضائل والعلوم الفراغے یافتہ ضرور تا بر صفحۃ الحال شرح نزول دولت خداداد با سینہ چاکی سرنگوں و گریاں میگذرد"

لیکن مطبع والوں کو اس کا علم مستحضر نہیں تھا، انہوں نے جب دیکھا کہ کرمانی نے اپنا دستخط یوں کیا ہے "میر حسین علی حاکم" تو انہیں حاکم کا لفظ کچھ بے تکا سا معلوم ہوا اور اس کو انھوں نے بامعنیٰ بنانے کے لئے اس کے بعد کتاب کا لفظ بڑھا دیا، اس لئے "واز دستخطِ خاص" حاکم یعنی میر حسین علی .... بود" کی جگہ" واز دستخط خاص حاکم کتاب یعنی میر حسین علی الخ" صریحاً غلط ہے۔ میری دانست میں اس اعلان میں دو اور غلطیاں ہیں ایک ابتدا میں" این نقل از دوم کتاب نشانِ حیدریست" کی جگہ" این نقل دوم از کتاب نشانِ حیدریست" صیحح ہے، کیونکہ کرمانی نے لکھا ہے کہ جب میں نقلیں لکھتا جاؤں گا تو ان پر یہ بھی ضرور لکھتا جاؤں گا کہ یہ نقل دوم ہے، یہ نقل دوم ہے، یہ نقل سوم ہے، یہ نقل چہارم وعلیٰ ہذا القیاس اور جس پر یہ اشارہ نہ ہو وہ جعلی اور غیر مستند ہے، دوسری غلطی یہ کہ "ونقول کتاب مذکور از ویلور نزد اکثر سرداران این جا رسیدہ است" کی جگہ" ونقلِ کتاب مذکور الخ" صحیح ہے، کیوں کہ اس کے بعد کی پوری عبارت میں ایک ہی نقل اور ایک ہی مسودے اور ایک ہی نسخے کا مذکور ہے۔

نتیجہ واضح ہے کہ ۱۸۰۹ میں کرمانی نے نشان حیدری کی نقل دوم جیمس فریزر کی فرمایش پر لکھی تھی نہ کہ نشانِ حیدری کی تصنیف جیمس فریزر کی نگرانی میں ہوئی تھی۔

حاکم نے نشانِ حیدری کس کی فرمایش پر لکھی؟

خاتمۂ کتاب میں مصنف لکھتا ہے :- (پوری عبارت حاشیے میں لکھی ہوئی ہے)

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ والمنۃ ع آنچہ کہ خواستم بخدا شد میسرم ؛ ہرگاہ حکم جہاں مطاع خورشید شعاع، فلک ارتفاع، لازم الاتباع، حضرت دل صفا منزل، نسبت بایں ریزہ چیں خوانِ فضلائے اہل کمال شرف نفاذ یافت کہ واقعات صدق آیات سلطنت و فرمانروائی .... دولتمندان خطۂ بالاگھاٹ را، در قید کتابت .... در آرد .... انا تابع امر انقیاد حکم حضرت موصوف بودہ .... بترقیم سطرے چند از احوال .... عالم پیرا ان موصوف پرداختم" میلس نے اس کا ترجمہ کیا ہے :- (اس کا انگریزی ترجمہ اسی مضمون کے آخر میں آپ کو ملے گا)

یعنے میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور اس کا احسان مانتا ہوں کہ اس نے مجھے وہی دیا جو میں یا میرا دل چاہتا تھا۔ بمصداق ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

کرمانی کے صاف اور بے لوث دل نے حکم دیا کہ وہ نواب اور سلطان کے حالات قلمبند کرے یعنے جنہوں نے کرمانی سے یہ تصنیف لکھوائی ہے، وہ حضرت دل صفا منزل ہیں، یعنے مصنف نے اپنے ذاتی شوق سے یہ کتاب لکھی ہے، کسی غیر کی تحریص یا ترغیب سے نہیں، چنانچہ "سبب تالیف" میں لکھتا ہے :-

"میں نے نشانِ حیدری لکھی، اس میں واقعات جوں کے توں لکھے، میں نے لفظ و معنی کے تار میں بیان کے لعل و گوہر پروئے ہیں، میں ذکر کے چھلکتے پیمانے کا لب ہوں میں فکر کے پُرنور آئینے کا دل ہوں، میرے بازارِ شوق کا سرمایہ تلاش و جستجو ہے، میرے گلزار ذوق کی زینت مسرتِ وطلب ہے، توکل میرا توشہ، محنت میرا رستہ، قناعت میرا پیشہ اور ہمت میری رہبر ہے، فکر انور کے تاروں سے میں نے اس نسخے کے لئے مسطر بنایا، اس کی جدول سے چمن کی آبرو اور اس کے سنبل سے چنبیلی میں رنگ و بو ہے، لیکن مجھے کسی سے صلے کی آس نہیں، ہاں! میں نے اس کو اجرت اور کسی کا احسان اٹھانے کے لئے نہیں لکھا، لیکن اگر شاہ مغفور کی اولاد مجھے نوازے تو یہ حق سے بعید نہیں، اور کچھ بعید نہیں اگر شہزادے دو مٹھی سونا اور چاندی یا موتی میرے سر پر ڈالیں، میری التجا کی زلف میں کنگھی کریں اور میرے مدعا کی گرہیں سلجھائیں، کیونکہ ان میں کا ہر ایک صاحبِ تمیز اور سعادتمندی کے مصر کا عزیز ہے ان کی سخاوت کا ابر وہی برساتا ہے، جو سائل طلب کرتا ہے، ان کے ہاتھوں نے دریا اور معدن لٹائے ہیں"

مترجم میلس نے ان اشعار کو حذف کر دیا ہے اور حاشیے میں لکھا ہے "اپنی تصنیف کا شاندار ذکر کرنے کے بعد کرمانی کہتا ہے کہ اگرچہ اس نے نشانِ حیدری کرائے کے لئے نہیں لکھی (Fee hhh) پھر بھی اسے بھروسا ہے کہ ٹیپو کے فرزند معاملہ فہم اور ذی علم ہونے کی وجہ سے اس کو صلہ دینے میں کوتاہی نہ کریں گے۔

کرمانی نے اپنے دل صفا منزل کے جو القاب لکھے ہیں وہ اس کی آزاد منشی اور خود اعتمادی کا بے مثل اور قابلِ رشک نمونہ ہیں، لکھتا ہے کہ اگر اس عالم میں کوئی میرا آقا، میرا مخدوم اور میرا مطاع ہے کہ تو وہ میرا دل ہے، اور اگر میں کسی کا بندہ اور خادم اور مطیع ہوں تو وہ حضرت دل کا، یہ حقیقت بھی ہے کہ ہر خوددار انسان اپنے ضمیر کی پیروی کرتا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت دل جہاں مطاع ہیں اس مقام میں ذوق کا مطلع کس قدر حسب حال ہے ۵ اس تپش کا ہے مزہ دل ہی کو حاصل ہوتا ؛ کاش میں عشق میں سر تا بقدم دل ہوتا، کرمانی کو اپنے آقاؤں کی تاریخ لکھنے کا ان آقاؤں کے عشق سے معمور دل ہی حکم کرسکتا ہے ورنہ کیسی ذلت کی بات، ہوتی کہ جس مورخ کو سلطان نے پانچ برس سفر و حضر میں اپنی مصاحبت میں رکھا تھا اس نے سلطان کے حالات خود اپنے دل کے حکم سے نہیں بلکہ کسی فاتح کے حکم سے قلمبند کیئے،

یہ میرا مفروضہ نہیں ہے بلکہ اس ذلت کا احساس کرمانی کو بھی تھا چنانچہ اس نے ان سرداروں کا ذکر کرکے جنھیں سلطان سے غداری کے صلے میں بڑی بڑی تنخواہیں ملی تھیں، نہایت تلخ طنز کیا ہے کہ ان سرداروں کو اپنے حق سعی کا معقول مشاہرہ مل رہا ہے ان کی اس ہمت اور کارروائی پر ہزار آفرین و تحسین ہے، "قمرالدین خان چندے بہوس ریاست و بازدہ آخر بمرضی مہلک کہ ناگفتہ بہ آہ و حسرت جان دادہ مگر چند سردار سلطانی مثل بدرالزماں خان و غلام علیخان ایلچی و محمد رضا خطیب چند میران و سپہداران و برادران برہان الدین یعنے پسران لالہ میاں و غلام علی بخشی کندہ چار وغیرہ مواجب معقول یعنی زر مشاہرہ حق سعی خود از کمپنی انگریزی یابند ہزار آفرین و تحسین بر ہمت و کارروائی ایشان باد و در سنہ ۱۲۱۵ھ حیدر علی نامی بن کریم صاحب از زمرۂ سلطانیاں خروج کردہ بطرف مرہٹہ رفتہ است" اگرچہ ۱۲۱۵ کے اس واقعے سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس کے بعد سے کتاب کے اختتام کے سال ۱۲۱۶ تک کا کوئی ایسا واقعہ مصنف کی نظر میں نہیں تھا جو قلمبند کیئے جانے کے قابل تھا، لیکن اس سے یہ بھی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ مصنف نے نشانِ حیدری گویا ۱۲۱۵ میں ختم کردی تھی، اور تقریباً ایک سال اس پر نظر ثانی اور اس کا مبیضہ لکھنے میں گزرا۔

حضرت دل کے پانچ لقب کرمانی نے لکھے ہیں، جہاں مطاع، خورشید شعاع، دل اپنی
گرمی اور روشنائی میں سورج سے کیا کم ہے، فلک ارتفاع، بلکہ دل نے غالب سے کہلوایا تھا
کہ ع عرش سے ادھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا، لازم الاتباع، صاف دل کی ہر کوئی اطاعت
پسند کرتا ہے، صفا منزل،

حضرت دل صفا منزل، کا ترجمہ میلس نے کیا ہے:

"...that great personage whose heart is the abode of purity and sincerity......"

"وہ بڑی شخصیت جس کا دل صفائی اور خلوص کا مقام ہے"۔ حالانکہ وہ بڑی شخصیت خود دل ہے
جو صفائی اور خلوص کا مقام ہے۔ یہ غلطی اس لئے ہوئی کہ میلس، حضرت دل کی ترکیب سے مانوس
نہیں تھا، مثلاً سودا کا یہ شعر ہے "ہیں دشمن جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا"، سو حضرت دل سلمہ اللہ
تعالیٰ"، علاوہ میلس، جہاں مطاع کی ترکیب سے واقف نہ ہوسکا، اس لئے خاتمۂ کتاب کے
ابتدائی جملوں کا ترجمہ مہمل ہوگیا، محب الحسن خان نے درست لکھا ہے کہ "ترجمہ قابل اعتماد نہیں"۔
حضرت دل کے حکم کی تعمیل میں جن دشواریوں کا کرمانی نے ذکر کیا ہے اس سے ہر مصنف جو حضرت
دل کے حکم سے کسی ذمہ دار تصنیف پر آمادہ ہوجاتا ہے واقف ہے اور اس خاتمے کے آخر میں بھی
کرمانی نے صاف لکھا ہے کہ اس کو صرف شہزادوں اور توابعان سلطان سے صلے کی امید ہے۔

کرمانی کے مذکور بیانات کے ہوتے اگر کوئی لکھے کہ نشان حیدری کیپٹن فریزر کی نگرانی میں
لکھی گئی تھی تو یہ کرمانی کو متہم کرنے کی بے سود کوشش ہے،

نشان حیدری کی اولیت

شہادت جنگ سلطانی، سلطان کے حالات پر اولین کتاب نہیں ہے
کیونکہ یہ نشان حیدری سے ماخوذ ہے کرمانی سلطان کی تخت نشینی
(۱۷۸۳) سے پہلے سے یعنی نواب کے زمانے سے سلطنت خداداد میں سوانح نگار اور تاریخ گو کی حیثیت
سے شہرت رکھتا تھا، اور کرمانی کی تصنیف تذکرۃ البلاد والحکام سے جو نشان حیدری سے پہلے کی تصنیف
ہے سب تاریخ داں واقف تھے، علاوہ کرمانی کی ایک اور تصنیف تذکرۃ البلاد والحکام سے پہلے
مقبول اور مشہور تھی اور آسانی سے دستیاب ہوتی تھی، چنانچہ تذکرۃ البلاد والحکام میں حضرت بابا

فخرالدین حسینی گنج الاسرار سہروردی قدس سرہٗ کے حالات میں لکھتا ہے :

" اگر تفصیل ایں واقعات وشرح کرامات خرقۂ عادات آں حضرت خواستہ باشند از مطالع بدیع المعانی، کہ راقم سطور پیش ازیں بسلامت تمام نگاشتہ است معلوم کنند "

کرمانی کا سا مشہور مورخ ویلور میں بیٹھ کر نشانِ حیدری لکھ رہا ہو اور اس تصنیف اور اس کے مطالب کا علم ویلور میں رہنے والے محمد غفور کو نہ ہو یہ ناممکن ہے، بقول انیسؔ ؎

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار   خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

محمد غفور نے سوچا ہوگا کہ اپنے دوست غوثی سے کہہ کر میر صادق کی غداری کے بارے میں کیوں نہ ایک مثنوی اردو میں بھی لکھوادی جائے، غوثی نے یہ مثنوی رجب ۱۲۱۶ھ / نومبر ۱۸۰۱ء میں ختم کی ہے۔ پیش نظر نسخے میں چھے سو چوہتر بلکہ چھے سو تہتر بیتیں ہیں اس لئے کہ صفحہ ۱۴ ب کا آخری شعر کاتب نے کچھ تصرف کرکے مکرر لکھ دیا ہے :-

دیو یکا پٹن ہمکوں توں فسوں   خزینی جیتی ہیں سو اس شاہ کوں

دیو یکا پٹن ہمکوں یو فند سوں   خزینی جیتی ہیں سو اس شاہ کوں

اس لحاظ سے موجودہ نسخے میں دو شعر حذف ہو گئے ہیں، مادۂ تاریخ "تواریخ" کی رو سے رجب ۱۲۱۷ میں اور ع بے سر کذب گفت ذکر دو شاہ' کی رو سے رجب (۹) ۱۲۱۶ھ میں کرمانی نے نشانِ حیدری ختم کی ہے، یعنے اردو مثنوی اور نشانِ حیدری کا ایک ہی سالِ تصنیف ہے اور کوئی مثنوی گو شاعر ایک دن میں بائیس تئیس سے کم کیا شعر کہے گا، اس لحاظ سے یہ مثنوی زیادہ سے زیادہ ایک مہینے میں ختم ہوئی ہے۔ یعنے غوثی نے یہ مثنوی جمادی الثانی میں شروع کی اور رجب میں ختم کردی، اور نشانِ حیدری اگرچہ رجب ۱۲۱۶ یا ۱۲۱۷ میں ختم ہوئی لیکن دو تین سال پہلے سے لکھی جارہی تھی اور غوثی نے جس وقت مثنوی کی ابتدا کی اس وقت نشانِ حیدری فی الواقع ختم ہو چکی تھی، نشانِ حیدری اور اردو مثنوی کے تقابلی مطالعے کی سہولت کے لئے میں نے ذیل میں پہلے سفرنامہ بچانن سے میر صادق کے حالات، پھر نشانِ حیدری سے میر صادق[۱] اور سلطان[۲] سے انگریزوں کی آخری جنگ، اور سلطان[۳] کے ایجادات و اختراعات کے بارے میں مشترک مضامین کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے، اور آخر میں اردو مثنوی کا خلاصہ لکھدیا ہے۔

تاکہ قارئین کو آسانی سے یہ حقیقت معلوم ہو جائے کہ غوثی نے صرف نشانِ حیدری کا چربہ اتارا ہے،

میر صادق سفر نامۂ بچانن میں طبع دوم جلد اول، مطبوعہ سنہ ۱۸۰۷ء صفحہ ۴۴:۔ قلعے سے جزیرے میں اور پھر وہاں سے اپنی سوار فوج تک بچ کر پہنچ جانے کی کوشش میں قلعے کے سپاہیوں نے اپنے آپ کو فصیل پر سے نیچے پھینک دیا۔ ان میں سے اکثر گرنے کے صدمے سے مر گئے یا بہت بری طرح سے ان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے، میر صادق جو سلطان کا چہیتا (famourite) تھا، قلعے کے دروازوں میں سے نکلنے کی کوشش میں مارا گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ٹیپو کے سپاہیوں نے اسے قتل کر دیا، اس کی لاش عوام کی توہین کا نشانہ بنی پڑی رہی جو بھی وہاں سے گزرتا تھا اس پر تھوکتا تھا اور اپنی جوتی لاش پر پھینکتا تھا۔ کیونکہ سلطان کے ظالمانہ عہدِ حکومت میں وہ اپنی مصیبتوں کا اسی کو باعث سمجھتے تھے،

صفحہ ۲۴۰، مغل سردار قاسم خان نے فوج کشی کی تو بڑے بالاپور کا پالیگار نارائن سوامی چھوٹے بالاپور کو ہٹ گیا، بڑا بالاپور سرا کے سات اضلاع میں سے ایک تھا، لیکن بہت جلد مرہٹوں نے اس کو مسلمانوں سے چھین لیا، پانی پت کی جنگ کے بعد جب مرہٹوں کو زوال آیا تو نظام نے اس پر قبضہ کر لیا، اور اس کو وہیں کے ایک باشندے عباس قلی خان کو بطور جاگیر دے دیا، اس نے قلعے کی توسیع کی، اسلامی وضع کے بہت سے باغ لگائے اور اپنے لئے ہر طرح کے آرام کا ایک گھر بنایا، پھر جب حیدر نے اقتدار حاصل کیا تو عباس قلی خان اپنے بچوں کے ساتھ پائین گھاٹ چلا گیا۔ اور ارکاٹ کے نواب کا ملازم ہو گیا، اس کی ایک بیوی اور ایک پوتے نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، اور اب یہ ایک قلیل مشاہرے پر جو حیدر نے ان کے لئے مقرر کیا تھا، بڑے بالاپور میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اس مشاہرے کو کمپنی نے بھی جاری رکھا ہے۔ ...... میر صادق اسی شہر میں پیدا ہوا، مرحوم سلطان کے ذلیل وزیر (ale tes ta chala) نے ڈوڈ بالاپور میں ایک باغ لگا کر اپنے وطن کی زینت بڑھائی تھی، میسور کا راجا، میر صادق اور عباس قلی خان کے باغوں کی نگہداشت کر رہا ہے۔

صفحہ ۳۵۴: ۔شہر میسور کے تعلقے سے چار کوس کے فاصلے پر (Sicamy pura) ہے

جس کو مسلمان حسین پور کہتے ہیں، یہ میر صادق کو جاگیر کے طور پر دیا گیا تھا، جو ٹیپو کا چہیتا وزیر تھا، انگریزوں کی ایک رسد فراہم کرنے والی فوج جب وہاں پہنچنے والی تھی تو پورنیا اور قمرالدین نے اس کو کامل طور پر نابود کر دیا تھا،

صفحہ ۴۵۱ :- ٹیپو کی حکومت میں کسانوں کو پوری زمینوں کا کندایہ دینا پڑتا تھا، انھوں نے پوری زمین میں زراعت کی ہو یا نہ کی ہو، لیکن ایک قلیل رقم ہی خزانے میں پہنچتی تھی، کسانوں کو شکایت سے باز رکھنے کے لئے ان پر چھوٹی چھوٹی رقمیں چھوڑ دی جاتی تھیں، لیکن حساب کے دفتروں میں ان کسانوں کے ناموں پر بڑی بڑی رقمیں باقی کے طور پر لکھی جاتی تھیں، کہ انھوں نے موسم کی خرابیوں، جنگ کی تباہیوں اور دوسرے بہانوں کی وجہ سے ادا نہیں کیں، اور جو کچھ کسانوں سے وصول ہوتا تھا اس کو سرکاری افسر غبن کر دیتے تھے لیکن انہیں ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا تھا اور سلطان کو اس کی اطلاع نہ پہنچانے کے لئے وہ میر صادق کو بڑی بھاری رشوتیں دینے پر مجبور تھے۔

صفحہ ۴۵۵ :- سلطان کا حکم تھا کہ جو نوکر سرکاری کاروبار کرتے ہیں ان کی اجرتیں پوری کی پوری ادا ہو جانی چاہئیں۔ عامل اپنے ماتحت نوکروں کی اجرتیں تو برابر وصول کر لیتے تھے لیکن نوکروں کو صرف اتنا اناج دے دیتے تھے جو انھیں زندہ رکھنے کے لئے کافی ہوتا تھا ان میں سے بعض سلطان تک پہنچے اور اپنی شکایت پہنچائی، سلطان نے ان سے ہمدردی کی اور ان کی فریاد کو پہنچنے کے لئے انھیں میر صادق کے پاس بھیج دیا۔ دیوان نے انھیں فوراً ایک تہ خانے میں بند کر دیا، اور سلطان سے کہہ دیا کہ عامل اپنی سزا کو پہنچ گیا یعنے عامل نے جو کچھ غبن کیا تھا وہ میر صادق کے پاس پہنچ گیا، کسی کو ہمت نہیں تھی کہ میر صادق کے خلاف کچھ کہے۔

سنہ ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء

میر صادق نشانِ حیدری میں "میر محمد صادقؒ کہ بہسر میر احمد خان جاگیر دار تعلقہ ہلکور وادیکے از منصب داران صوبہ سرا بود میشد و تا مدت میر مذکور بکوتوالی رکاب بازار لشکر نامزد شدہ بکفایت شعاری وجز رسی بسرمی برد بصوبداری یعنی کروڑگی شہر ارکاٹ مامور گردید" (صفحہ ۲۰۱ - ۲۰۲)

۱؎ میلس کا ترجمہ: "میر صادق کا نواسا تھا میر احمد خان کا جو وہل کور (Wuhul-koor) کا جاگیر دار (باقی)

میر محمد صادق میر احمد خان جاگیر دار تعلقہ ہلگور کا نواسا تھا، یہ جاگیر دار صوبہ سرا کے منصب داروں میں سے ایک تھا، ایک عرصے سے میر صادق فوج کے رکاب بازار کا کوتوال تھا۔ اور کفایت شعاری اور جزرسی سے بسر کرتا تھا، نواب نے اس کو شہر ارکاٹ کی صوبہ داری پر مامور کیا،

سنہ ۱۱۹۸ھ ۸۴-۱۷۸۳ء "ہمدرانٖ سال میر صادق بسبب جزرسی وکفایت شعاری کہ در ایام کوتوالی ارکاٹ ولشکر بظہور رسانیدہ منظور نظر کیمیا اثر گشتہ بیک مرتبہ بعہدۂ دیوان مقرر گردید" صفحہ ۲۸

میر صادق اپنی جزرسی اور کفایت شعاری کی وجہ سے جو اس سے لشکر اور ارکاٹ کی کوتوالی کے زمانے میں ظاہر ہوئی تھی۔ سلطان کا منظور نظر بن گیا تھا سنہ ۱۱۹۹ھ میں سلطان نے اس کو دفعتہً صاحب دیوان مقرر کر دیا۔

نشانِ حیدری کے مذکور بیانوں سے بچان کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ میر صادق ڈوڈبالاپور میں پیدا ہوا تھا جو اب ضلع بنگلور میں ہے، اور اس وقت صوبہ سرا میں تھا، علاوہ اس کا نانا صوبہ سرا کے منصب داروں سے ایک تھا اور میر صادق ارکاٹ کا صوبہ دار بنائے جانے سے پہلے

ؔ اس زمانے میں میر صادق نے لشکر اور ارکاٹ کے کوتوال کی حیثیت سے خبر رسانی کے محکمہ میں (intelligence department) اپنی مہارت اور قابلیت کا جو ثبوت دیا تھا اسکی بنا پر سلطان نے خوش ہو کر اس کو دفعتہً صاحب دیوان یعنے وزیر اعظم بنا دیا"

میلس نے اوپر کی دونوں عبارتوں میں جَ زْ رجز) کو خَ بَ رْ (خبر) پڑھا ہے، شام راؤ نے ماڈرن میسور کے صفحہ ۱۷۲ پر اس حلف نامے کی عبارت لکھی ہے۔ جو میر محمد صادق نے جولائی ۱۷۹۸ء میں اٹھایا تھا اس میں میر محمد صادق کے باپ کا نام میر علی نقی لکھا ہے محمود خان نے اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۶۷ پر اس حلف نامے کا ترجمہ لکھا ہے، لیکن اس میں میر محمد صادق کے باپ کا نام حذف کر دیا ہے "میں میر محمد صادق نمک خوار ملازم سرکار خداداد الخ"

(بقیہ) اور صوبہ سرا کا ایک منصبدار تھا) جو ایک مدت تک نواب کی فوج کے بازار کا کوتوال تھا اور سلطان کا مخبر اور مشیر تھا شہر ارکاٹ کی صوبہ داری دی گئی،، صفحہ ۳۹۶

انگریزی ترجمے میں رکاب اور بکفایت شعاری وجزرسی بسری برد کا ترجمہ نہیں ہے۔

رکاب سواری کے گھوڑوں اور اونٹوں کو کہتے ہیں۔

ایک

ایک مدت تک نواب کی فوج میں ملازم تھا۔

سنہ ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴-۸۵ بسالت جنگ کا بیٹا مہابت جنگ جو نظام حیدرآباد نظام علی خان کا داماد تھا ادھونی کا حاکم تھا، سلطان نے ادھونی پر حملہ کیا تو مہابت جنگ رائچور کو منتقل ہوگیا، سلطان نے میر صادق کو دولت آصفیہ کے اثاثے پر جو ادھونی کے قلعے میں تھا قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔ میر صادق نے مفرور حاکم کا کل اثاثہ اونٹوں اور ہاتھیوں پر لاد کر سلطان کے پاس بھیجا، اس میں چند مقفل صندوق بھی تھے، ملازموں نے انھیں کھولا تو ان میں صرف پرانی جوتیاں اور بوسیدہ چمڑے بھرے ہوئے تھے، سلطان میر صادق کی سمجھ اور نادانی پر بہت خفا ہوا اور حکم دیا کہ آئندہ سے چیزیں بھیجنے سے پہلے وہ انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کرے،

اس سنہ میں سلطان نے ساؤنور فتح کیا اور وہاں کا حاکم "حکیم خان میانہ سب کو چھوڑے آپ بھاگا" (۱۱۹۹) (اس جملے سے تاریخ نکلتی ہے صفحہ ۳۰۶) تو وہاں کی دولت و ثروت کے تمام اثاثے کو لانے کے لئے سلطان نے میر صادق کو مہدی خان بخشی کے ساتھ بھیجا تھا وہاں جو اثاثہ ملا اس کی تفصیل پڑھنے کے قابل ہے۔

سنہ ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷-۸۸ سلطان اس سنہ میں ملک اور لشکر کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا، صاحب دیوان ملک یعنے میر صادق کی صوبہ ادھونی اور ساؤنور میں مردم آزاری اور ظلم کی اتنی فریادیں وصول ہوئیں کہ میر صادق کو برطرف کر دیا گیا، جب اس کے گھر کا اثاثہ ضبط ہوا تو دو لاکھ روپے نقد رائج الوقت (چلاؤنی) اور لاکھ ہون محمد شاہی برآمد ہوئے، سلطان نے میر صادق کو قید کر دیا اور اس کی جگہ مہدی خان نائطہ جاگیردار اول کنڈہ صاحب دیوان مقرر ہوا، اسی کے زمانے میں مسجد اعلیٰ[1] جس کی بنا سنہ ۱۱۹۸ھ میں رکھی گئی تھی تعمیر ہوئی، اس پر تین لاکھ روپے اور دو سال صرف ہوئے، سلطان نے عید الفطر کی نماز سنہ ۱۲۰۴ھ / ۱۷۹۰ میں پہلی پڑھی۔

سنہ ۱۲۰۷ھ / ۱۷۹۲-۹۳ اس سنہ میں مرہٹی فوج چرکولی کے نواح میں پہنچی اور نواب کی فوج موتی تالاب کے پاس اتری اور جنرل میڈوس نے شہر گنجام اور لال باغ کے حصار پر قبضہ کر لیا[2] تو سلطان کو

---

[1] اس سال یعنے ۱۲۰۰ میں ...... مسجد اعلیٰ کی بھی بنیاد رکھی گئی ص ۲۲۸، اس مسجد کی بنیاد ۱۲۰۲ میں رکھی گئی ص ۶۰۳ (محمود خان)

[2] ۶ جنوری سنہ ۱۷۹۲ء

ان اتحادیوں سے دب کر صلح کرنی پڑی، شرطیں یہ تھیں کہ تین کروڑ رپے محاصل کا ملک یا اسقدر روپیہ سلطان اتحادیوں کو دے اور یہ مبلغ وصول ہونے تک دارالسلطنت کے قلعے کا ایک دروازہ انگریزی سپاہیوں کے قبضے میں رہے یا شہزادوں کو اتحادیوں کے اطمینان کے لئے سپہ سالار میڈوس کے پاس بھیج دے،

سلطان کو یہ ذلت صاحب دیوان مہدی خان نایطہ کی غداری کی وجہ سے بھگتنی پڑی، اس نے سلطان کے حکم کے بغیر گنجام اور لعل باغ کے تمام سپاہیوں کو تنخواہ تقسیم کرنے کے بہانے قلعے کے دروازے کے سامنے جمع کرلیا تھا (صہ ۳۶۳) اور سب برج اور فصیلیں خالی چھوڑدی تھیں،

جب اتحادی اپنے اپنے ملکوں کو واپس ہوگئے تو سلطان اپنے ملک کے حالات کو جانچنے اور اعیان دولت وارکانِ سلطنت اور ساہوکاروں کی خیرخواہی اور بدخواہی کا امتحان لینے کی طرف متوجہ ہوا تو ظاہر ہوا کہ مہدی خان مدارالمہام چند کرناٹک کے ساہوکاروں اور حرام خواروں سے یکدل ہوکر سلطان کی مخالفت اور نمک حرامی پر آمادہ ہے اور چاہتا ہے کہ سلطان کی عزت کو برباد اور غارت کردے اور اسی نمک حرام کے اشارے سے عین لڑائی کے موقع پر توپوں کا منھ ریتی اور مٹی سے بند کردیا گیا تھا، سلطان نے ہر نمک حرام کو اس کے اعمال کے مطابق سزادی اور اسی سلسلے میں میر معزول یعنے صادق بے صدق ویقین کو دوبارہ دیوانی کی مسند پر بٹھایا (سنہ ۱۲۰۷ھ صہ ۳۶۷) آہ دوبارہ بھیڑیا بکروں کے گلے کا پاسبان بنایا گیا اس مردم آزار کے دل میں اپنی معزولی کے زمانے سے عداوت کا مادہ ترقی کر رہا تھا، جب اس نے اپنا مرتبہ بلند دیکھا تو اکثر امیروں اور خانوں کو جو حکومت کے خیرخواہ تھے اور ان کے ہونے تک اس کو اپنی سازش کامیاب ہوتی نظر نہ آتی تھی، جھوٹے الزام دے کر سلطان کے حکم سے قتل کرادیا ..... اسی سال سلطان نے اعیان دولت اور اعمال کی سزادہی، زودکوب اور تغیر وتبدیل سے دل برداشتہ ہوکر سوچا کہ ان سے عہد وپیمان لے لینا چاہیئے چنانچہ آصف اپنے تعلقات اور پرگنوں سے اپنے عاملوں اور دفتروں کے منشیوں کے ساتھ ذی الحجہ کے مہینے میں سلطان کے حضور میں حاضر ہوتے اور عید اضحیٰ کی نماز اور خطبے سے فارغ ہوکر سب کے سب منبر کے سامنے کلام اللہ سر پر رکھنے

اور عہد و پیمان کرتے کہ ہم ہرگز سرکار کے کاموں میں قصور، محاصل کے روپیوں میں غبن اور رعایا پر ظلم وستم نہیں کریں گے، اور ہمیشہ نمازوں، درودوں اور حرام وحلال کے پابند رہیں گے اس عہد کے بعد اگر کوئی قصور روا بھی ہوتا تو اس کو معافی مل جاتی، علاوہ بحالی کا خلعت اور رخصت کا بیڑا بھی ملتا، وہ دین سے بے باک افسر کلام اللہ کی قسم کھانے کے بعد اپنے پرگنوں کو پہنچے تو عہد و پیمان کو یکلخت بھلا کر جو ان کے دل میں آتا کرتے، چوں کہ سلطان کا رجحان اہل اسلام کی طرف زیادہ تھا، معمولی پڑھے لکھے مسلمان کو بھی بڑے بڑے عہدے مل جاتے تھے، لیکن زنار دار اپنی معاملہ دانی سے ان عاملوں اور آصفوں کے دلوں پر اس قدر چھا جاتے تھے کہ یہ لوگ سلطان کی اطلاع کے بغیر ملک کا انتظام زنار داروں کے حوالے کر کے عیش وعشرت میں غرق ہو جاتے تھے، یہ زنار دار تعلقوں کو من مانے اپنے ظلم سے غارت کر کے جو کچھ وصول ہوتا اس میں سے آدھا خود اپنے تصرف میں لاتے اور آدھا آصف وعامل کو پہنچاتے تھے اگرچہ یہ تمام خبریں سلطان تک پہنچتی تھیں لیکن ان بدعہدوں کے عہد و پیمان پر خیال کر کے ان کے گناہوں اور حرام خوری کو نظر انداز کر دیتا تھا اور ہر شہر میں مسجد بنوا کر اس میں موذن اور ملا اور قاضی مقرر کر کے اسلامیوں کی تعلیم کا انتظام کیا اور خود سلطان اپنے اوقات نماز تلاوت قرآن مجید اور ورد وخوانی میں صرف کرتا تھا، ایک شاعر نے سلطان کے ایک مدحیہ قصیدے میں کہا ہے ؎

زتیغ ساخت مسخر جہان واہل جہاں ۔۔۔ گرفت چرخ بستارہ بہ سبحہ گردانی

یہاں تک کہ سلطان کے پاس تارک صلوٰۃ اور زانی کا ایک درجہ تھا لیکن محض اسلام کی پاس داری اور ملک گیری اور ملک داری کی مصلحتوں کا خیال کر کے عاملوں کو ان کی بداعمالی کی سزا نہیں دیتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک اپنے مقام میں نڈر ہو گیا، اور سلطان حکومت کے خیر خواہ امیروں کو پایۂ اعتبار واقتدار سے گرا کر ادنیٰ زادوں اور کم حوصلہ لوگوں کو اعلیٰ مرتبوں اور درجوں پر پہنچاتا تھا، اور کار آزمودہ افسروں کو ادنیٰ عہدے دئے جاتے تھے یہ اس لئے ہوتا تھا کہ سلطان چاہتا تھا کہ اہل اسلام میں سے ہر ایک کو اپنی بخششوں سے سرفراز کرے اور ادنیٰ زادے بھی اعلیٰ درجوں سے محروم نہ رہیں، اس لئے حکومت کی بنیاد میں خلل وفساد روز بروز واقعی زیادہ ہوتا گیا اور ارا کین وخوانین سلطنت سلطان سے بدگمان ہو کر متفقہ طور پر فتنے اور

اور عناد کا باعث ہوئے، میر صادق نے اپنے مکر و فریب سے حکومت پر اپنا کامل اقتدار قائم کر لیا یہاں تک کہ اس کے بے مغز دماغ میں اس قدر غرور سرایت کر گیا تھا کہ ملکی اور مالی اہم کاموں کو اپنی طرف سے سلطان کی اطلاع اور اجازت کے بغیر فیصل کر دیتا تھا اس کے علاوہ اس نے عمل پڑھنے والوں کو جمع کیا تھا، وہ ہر روز آدھ من کالی مرچ منتر اور افسوں پڑھ پڑھ کر جلاتے تھے، ان عملوں سے اس نے سلطان کے دل کو اس قدر مسخر کر لیا تھا کہ اس بدذات کی کتنی ہی شکایتیں امرا اپنی زبان سے سلطان کو سناتے تھے اور وہ انھیں ٹال دیتا تھا بلکہ میر صادق کے مرتبے کو اور بلند کرنے کی کوشش کرتا تھا اور اپنے رحم و کرم کی چادر اس کے قبیح افعال پر اڑھا دیتا تھا، ادھر سلطان کی عنایتیں اس پر روز بروز زیادہ ہو رہی تھیں اور ادھر وہ پورے ملک کے کلی و جزئی مہمات پر غلبہ و اقتدار حاصل کر رہا تھا وہ بعض بے جا احکام پر گنات کو بھیجتا تھا اور سلطنت کے کارخانوں اور رعایا کے حالات اور ملک کے واقعات کی خبریں سلطان تک پہنچنے نہ دیتا تھا، جب یہ حال بعض خیر خواہ سرداروں اور ارکین نے دیکھا تو اپنا ہاتھ اور اپنی زبان دولت کی خیر خواہی کے امور میں روک لی،

سلطان نے $\frac{1210}{1795-96}$ ہجری میں خدیجہ زمان سے شادی کی اس موقع پر سلطان نے سب امیروں اور سپاہیوں کے ساتھ ایک دستر خوان پر شیر برنج کھائی اور کہا کہ ہم سب دینی بھائی ہیں ہمیں لازم ہے کہ قومیت اور دینداری کا پاس رکھ کر کینوں کو دلوں سے نکال دیں اور یکدل ہو کر جہاد کے لئے کمریں باندھ لیں اور شہادت حاصل کرنے کا عزم کر لیں، پھر سلطان نے سرداروں اور امیروں کو سرخ رنگ کے خلعت دئے اور کہا کہ ان سرخ خلعتوں کو شہادت کا لباس تصور کریں، آہ اس تسلی اور آئین دینداری اور نوازش کے باوجود عاقبت خراب سنگدلوں نے اپنی سعادت مندی اور وفاداری کا ثبوت نہیں دیا'..... اسی سال " نطفۂ شیطان اعنی صاحب دیوان المخاطب بہ میر آصف" یعنے میر صادق نے مہدوی قوم سے جن کو " دائرہ والا" کہتے ہیں شرارت و بے وفائی و بدخواہی کی، اگر چہ وہ حسب ظاہر راست باز اور نمک حلال تھے لیکن صاحب دیوان کو اس قوم سے پورا اندیشہ تھا اور اس سے پہلے اکثر جنگیں بھی ظہور میں آئی تھیں، ان کی یاد دلا کر میر صادق نے سلطان کے کان بھرے اور اس قدر برافروختہ کیا کہ

پوری مہدوی قوم سلطنتِ خداداد سے نکل جائے پھر سلطان نے دور اندیشی سے سر بر نگ پٹن و کولار وہسکوٹہ و دیون ہلی وصوبہ سرا و بالاپور کلاں واہل تنجاور کے شیخوں اور سیدوں میں سے دس ہزار آدمی انتخاب کئے اور اس جماعت کا نام "در زمرۂ ماغم نباشد" رکھا، اس کی تشریح یہ ہے کہ اس زمرے میں غ سے غیر ملکی اور م سے مغل اور مرہٹہ اور ن سے نابطہ ب سے برہمن آ سے افغان اور ش سے شیعہ اور د سے اہل دائرہ داخل نہیں کئے جاتے تھے، اہلِ زمرہ اس قدر منظورِ نظر بنے کہ سلطان کے آخری عہد میں دولتِ خداداد کے تمام کارخانوں پر وہ چھا گئے، وہ جو چاہتے تھے بناتے بگاڑتے تھے، ان میں سے میر ندیم نامی ایک ناتجربہ کار کو دارالسلطنت کی قلعہ داری سونپی گئی، سلطان کو اگرچہ اس زمرے پر اعتماد تھا لیکن یہ نو دولت ظاہر میں مطیع اور باطن میں صاحب دیوان کی مرضی کے تابع تھے، اور وہ بدبخت اپنے آقا کی دولت اور سلطنت کی تاراجی کا معقول بندوبست کرنے لگا، اس نے سب سے پہلے فوج اور خوانین اور امرائے معتبر پر ہاتھ صاف کیا ان کی تنخواہیں اور درجے گھٹا دئے، پھر اپنی لسانی اور مکاری سے غلیظ وشدید قسمیں کھاتا تھا، عیاذاً باللہ اس کی زبان سے کوئی لفظ کلام اللہ کی قسم کے بغیر نہیں نکلتا تھا۔ اور سلطان کو اپنی وفاداری کا یقین دلاکر تمام حضوریوں کو اپنی طرف کر لیا تھا، یہاں تک کہ سلطان کا عرض بیگی (لوگوں کی درخواستیں سلطان کے حضور میں پیش کرنے والا) اور بعضے کمینے مصاحب اور لیولال وچاؤشاں (چوبدار) وخادمان و

لہ سلطان جب دیون ہلی میں تھا تو رمضان کی ستائیسویں شب کو (۲۸/ اپریل ۱۷۹۴ء) فوج کے مہدوی سپاہیوں نے اپنے خاص انداز میں عبادت کرنے کے لئے کیمپ کے اندر ایک جگہ مقرر کی تھی، سلطان نے اس خیال سے کہ فوج کے سُنی سپاہیوں کو کسی شکایت کا موقع نہ ملے اپنے دیوان میر صادق کو بھیجا کہ مہدوی امرا کو صورتِ حال سمجھائے، امرا نے سلطان کا فرمان مان لیا کہ لشکر سے دور کسی مقام میں وہ اپنی عبادت کریں گے، ان کے لئے ڈیرے اور ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی گئیں، لیکن رات کو جب سلطان سو رہا تھا تو تقریباً تین ہزار مہدوی کیمپ میں ایک جگہ جمع ہوئے اور نعرے لگائے، سلطان گھبرا کر جاگ اٹھا، مہدیوں کی اس جرأت کی سزا میں صبح کو سلطان نے حکم دیا کہ سید محمد خان مہدوی قلعہ دار سرنگا پٹم کے سوا سب مہدوی سرکارِ خداداد سے نکل جائیں سلطان کو اطلاع ملی کہ سید محمد خان خود سرکارِ خداداد سے نکل جانے کا انتظام کر رہا ہے تو اسے قید (باقی)

جاسوسان، میر صادق کی مرضی اور رائے کے بغیر سلطان سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے ملکی ومالی جو عرضیاں اطراف ملک سے آتی تھیں انھیں سلطان کی اطلاع کے بغیر چاک کر کے پڑھتا تھا، اور ان میں خاطر خواہ کمی بیشی کر کے سلطان کے پاس بھیجتا تھا بلکہ اس خطے کی خاک اُسکی زبان کی ہوا کے بغیر نہیں اڑتی تھی اور ہوا اس کے دل کی خواہش کے بغیر نہیں چلتی تھی، سبحان اللہ میر آصف ثانی میراں حسین اوباش اور زانی اور بیہودہ آدمی تھا، یہاں تک کہ پالکی میں جس کو لُولیانِ دیوشمایل، اٹھائے ہوتیں بیٹھ کر تعلقات اور مواضعات کی کچہریوں کے صحنوں میں چکر لگاتا تھا، بعض اوقات تلنگہ کی مادرزاد ننگی لولیوں کو جمع کر کے خود بھی اس مجمعٔ بے حیائی میں گھومتا پھرتا تھا، ظاہر ہے کہ ایسے فاسق وفاجر سے سلطنت کے کام بگڑ جاتے ہیں، میر آصف ثالث شیر خاں چوبوری مانا ہوا "گاؤجنت" تھا (اللہ میاں کی گائے۔ نہایت بھولا بھالا آدمی) غرض ایسے بے حوصلہ لوگوں کی نادانی اور حماقت سے ملک و دولت کے کارخانے اس قدر ابتر ہو گئے کہ سلطنت کے محاصل کا ایک آٹھواں حصہ بھی تمام وکمال خزانے میں داخل نہیں ہوتا تھا اور سلطان کے احکام اور فرمان صرف دارالسلطنت کی چار دیواری میں چلتے تھے اور سلطان دینداروں کی پرورش میں لگا ہوا تھا اور جو روپیہ ان پر خرچ ہوتا تھا، بس اسی کو غنیمت سمجھتا تھا، اسی سال دھونڈجی واگیہ[1] کو جسے اللہ نے ایمان کی توفیق دی تھی سلطان نے بہت سے وعدے کر کے طلب کیا تھا، وہ بھی سلطان کی دعوت کو دین و دنیا کی ترقی کا پروانہ سمجھکر اپنے رفیقوں اور متعلقوں کے ساتھ چلا آیا۔ لیکن صاحب دیوان شیطان نے سلطان کے دل میں خلش پیدا کی اور اس کی تباہی کے درپے ہو گیا، سلطان نے اس مرہٹے کو مجرے کے بہانے طلب کیا، جب وہ آیا تو ڈیوڑھی پر اس کو قید کر لیا اس کی ختنہ کی اور اس کو مسلمان بنایا اور اس کے رفیقوں کو فوج میں داخل کر لیا، سلطان نے قید خانے میں اس مرہٹے

---

[1] واگیہ ذات کا مرہٹہ اور ضلع شیموگہ میں تعلقہ چنگری کا باشندہ تھا۔ ولکس حصہ دوم ص ۳۸۵۔

(بقیہ) کردیا گیا اور وہ ۱۷۹۹ء تک قید میں رہا۔ مہتاب خان اور عالم علی خان دو متراد ۱۷۹۵ء تک قید سے نہیں چھوٹے تھے، قید کے زمانے میں مہتاب خان کا ایک نوکر قید سے فرار ہو گیا وہ خنجر سے مسلح محل کے دروازے پر ملا جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے دشمن کو مارنے کی تاک میں ہے عام طور پر یہ سمجھا گیا کہ اس کا نشانہ میر صادق ہے جنکی غلط بیانیوں کو بھی اپنی مصیبتوں کا باعث سمجھتے تھے۔ ولکس حصہ دوم ص ۲۸۴-۸۵

کا یومیہ ایک قلم جس کی قیمت تین روپے ہوتی تھی مقرر کیا اور ایک استاد کو مامور کیا کہ اس کو دینِ اسلام کی تعلیم دے، کچھ مدت کے بعد سلطان نے اسے ایک سوار کچہری کا حاکم نامزد کیا اور اس کی خلاصی کا حکم دیا لیکن عقرب صفت دیوان نے پھر ڈنک ماری اور کہا کہ جب تک دھوندوجی واگیہ کے برابر شوخ و بے باک و شجیع کوئی اور آدمی تلاش نہ کر لیا جائے جو اس مرہٹے کا ہم پلہ ہو اس کو قید سے چھوڑنا مصلحت نہیں جب وہ بے مقدور تھا تو ڈاکے مارتا تھا اور اوباشوں کو جمع کر کے سپاہ حیدرآباد اور اہل پونا اور خود حضور کے سپاہیوں سے لڑتا تھا اس صورت میں اس کو آزاد کر دیں تو ممکن ہے کہ وہ باغی ہو جائے اور شاید ہم اس کا تدارک نہ کر سکیں نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان نے اس کو قید ہی میں رکھا پہلے اس کا نام شیخ احمد رکھا گیا پھر اس کو ملک جہان خان کا خطاب ملا قصہ کوتاہ اس دیوانِ بے ایمان نے جب دیکھا کہ اس کا ہاتھ قوی ہے تو قدیم خیر خواہانِ دولت کو سلطان کی نظر میں بے اعتبار ٹھہرانے لگا، وہ ہر کام اپنی خواہش اور مدعا کے مطابق کرتا تھا اس زمانے میں غازی خان کو جس کو دولتِ خداداد کا رکن رکین کہہ سکتے ہیں دیوانِ حیدرآباد مشیر الملک سے سازش کرنے کے الزام میں قید کرا دیا، اسی سال کہ عہد سلطنت کا آخری سال تھا سلطان کو بدخواہوں کے بہکانے سے ایک عظیم مغالطہ ہو گیا، وہ یہ کہ بعضے جاہل اجہل لوگوں نے سلطان کو مشورہ دیا کہ کلام مجید سے رسم خط عثمانی رضی اللہ عنہ کے وہ حروف جو پڑھنے میں نہیں آتے حذف کر دیئے جائیں، اس وقت تک سلاطین عرب و عجم اور دنیا کے کسی عالم و فاضل و محدث نے یہ تجویز پیش کرنے کی جرأت نہیں کی تھی۔

سنہ ۱۲۱۳ھ
۱۷۹۹

میسور کی چوتھی جنگ

لارڈ مارننگٹن کے حکم اور ابوالقاسم خان شستری اور مشیر الملک دیوانِ حیدرآباد کی تجویز سے جنرل ہارس کی سربراہی میں پٹن پر لشکر کشی اور اتحادیوں اور سلطان میں جنگیں اور دولت و سلطنت کا زوال جو سنہ ۱۲۱۳ میں واقع ہوا۔

سلطنت کے امور میں سلطان بلا اندیشہ جلدی کرتا اور کسی خیر خواہ کی عرض کو پسند نہیں کرتا تھا۔

اسی سال سلطان نے اپنے وکیلوں کو تحفے اور دوستی اور اتحاد کے خط دے کر زمان شاہ والئ کابل اور سلطانِ روم کے پاس بھیجے اور ایک وکیل کو ٹیکہ[1] لانے کے لئے راجہ نواح کچھ کے پاس بھیجا، اسی زمانے میں مورس بندر (Mauritius) سے چند فرانسیسی موسی سیپو (Monsieur Chapuis) کی سرداری میں سلطان کے پاس آئے بندر مدراس کے انگریزوں نے یہ خبریں سنیں کہ سلطان نے کابل و روم اور کچھ کو وکیل بھیجے ہیں اور فرانسیس پٹن میں آئے ہیں تو بہت پریشان ہوئے اور انھیں اندیشہ ہوا کہ سلطان فرانسیس کی حمایت اور ترغیب سے کرناٹک اور حیدرآباد کے ملکوں پر حملہ کر دیگا تو انھوں نے دولتِ خداداد پر قبضہ کر لینے کے لئے فرانسیسوں کے ورود کو حیلہ بنایا اور مشیر الملک اور میر عالم کی رائے سے مفصل حال لارڈ مارننگٹن کو کلکتے لکھ بھیجا یہ لارڈ دولتِ خداداد پر حملے کے لئے ایسے ہی بہانے تلاش کر رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس دولت کے کارخانے بے بندوبست ہیں وہ فوراً شعبان ۱۲۱۳ کو (جنوری ۱۷۹۹) چار ہزار سپاہی لے کر دریا کے راستے مدراس پہنچا اور اس فوج کو جنرل ہارس کی سرداری میں پٹن کی طرف بھیجا، حیدرآباد سے کرنل رابرٹ (Roberts) اور کرنل ڈالرمپل (Dalrymple) چھے ہزار کی فوج لے کر مدراس کی طرف بڑھے اور میر عالم آٹھ ہزار سوار اور روشن رائے چھے ہزار جوانوں کے ساتھ گرٹیام کے پاس انگریزی لشکر سے آملے، اس اثنا میں لارڈ مذکور نے سلطان کو خط بھیجے کہ وہ نو وارد[1] فرانسیسوں کو انگریزوں کے حوالے کر دے اور اپنے وکیلوں[2] کو پٹن سے باہر نہ جانے دے اور ساحل[3] بحر کے قلعے اور بندر یعنے منگلور وغیرہ کرائے پر (بطور استجارت) انگریزی سرداروں کو دیدے

---

[1] ٹیکہ ایک زیور کا نام ہے جو ماتھے پر عورتیں پہنتی ہیں، اور تلک یا قشقے کو بھی کہتے ہیں۔ یہ کسی شہنشہ کی تخت نشینی کے معنے میں بھی آیا ہے، یہاں صاف طور پر راجہ کی بیٹی مراد ہے جو سلطان سے منسوب ہو چکی تھی اور اس کی حاضری سلطان کی تخت نشینی کے وقت ضروری تھی، سلاطین دہلی کا قاعدہ تھا کہ وہ اودے پور کے راجہ جسونت کے خاندان کی کسی لڑکی سے تخت نشینی کے زمانے میں بیاہتے تھے اور اس دستور کا بانی سلطان جلال الدین اکبر تھا، سلطان نے بھی والی نواح کچھ کو لاکھوں روپے کے تحفے بھیج کر راضی کر لیا تھا کہ وہ اپنی لڑکی کو روانہ کرے۔

(صفحہ ۳۷۶، نشانِ حیدری و میلس کا انگریزی ترجمہ)

لیکن سلطان سے حسبِ مراد جواب نہ آنے سے اس نے فوجوں کو کوچ کا حکم دیا، ۲ رمضان ۱۲۱۳ / ۷ فروری ۱۷۹۹
کو یہ فوجیں رائے کوٹہ کو پہنچیں، سلطان نے میر میراں پورنیا کو حکم دیا کہ وہ دوسرے میر میراں کے
ساتھ مقابلے کے لئے جائے ۲۰ شوال / ۱۷ مارچ کو انگریزی فوج نے آگے بڑھکر جب آنے کل میں پڑاؤ ڈالا تو
سلطانی فوج کے سواروں نے انگریزی فوج کے اگلے حصے پر حملہ کر کے ایک گروہ کو قتل کرڈالا،
لیکن "میر میراں گمشتہ" نے تحسین وآفرین والانعام کے عوض انھیں نفرین کیا اور گالیاں دیں
سپاہی سمجھ گئے کہ معاملہ برگشتہ یا الٹا ہے، اور سرداروں کا عزم لڑائی کا نہیں ہے۔ پھر انہوں
نے جنگ میں دلیری اور جرأت سے ہاتھ روک لیا اور رہبروں کی طرح دشمن کی فوج کے آگے پیچھے
چلنے لگے، سلطان نے پٹن سے نکل کر چن پٹن کے میدان میں پڑاؤ ڈالا، جنرل ہارس کو اس کی
اطلاع ملی تو وہ فوراً خان خان ہلی کی طرف مڑ گیا، جب سلطان کو یہ معلوم ہوا تو وہ گلشن آباد عرف
ملولی لہ کے میدان میں ہٹ گیا، وہاں انگریزی فوج نے سلطان کا مقابلہ کیا، بڑی سخت جنگ ہوئی
اور دونوں طرف کے افسروں اور سپاہیوں نے اپنی اپنی دلاوری کا ثبوت دیا، اس حال میں قمرالدین
خان مفتری کو دشمنوں پر حملے کا حکم دیا گیا، تو وہ بے تمیز اندھے کی طرح گھوڑے کدا کر اپنے ہی دلیروں
کی جماعت پر گرا اور انھیں زیر وزبر کردیا اقبال اور خوش بختی نے سلطانیوں سے اپنا منہ موڑ لیا
تھا، تباہی اور دوستی کے آثار ہر روز زیادہ ہوتے جاتے تھے اور ہر وقت واقعات سلطان
کی خواہش کے خلاف ہوتے تھے، اور سپاہیوں کی جانیں مفت میں غارت جاتی تھیں، اسی اثنا
میں خبر پہنچی کہ جنرل اسٹوٹ (Stuart) کی فوج بمبئی سے روانہ ہو کر کورگ کے رستے سیدھے
پٹن آرہی ہے، سلطان چند میر میراں کو جنرل ہارس کے مقابلے کے لئے چھوڑ کر کورگ پہنچا اور
ایک دن دو رات میں یہ فاصلہ طے کیا، سید غفار دولت خواہ نے جو شجاعت اور تجربہ کاری میں
یکتا تھا ایک طرف سے حملہ کیا اور دوسری طرف سے حسین علی خان بن نواب قطب الدین خان
نے حملہ کیا اس میں انگریزی فوج کو فاش شکست ہوئی اور وہ جنگلوں میں چھپ گئی، محمد رضا
میر میراں نے سلطان سے اجازت لے کر اس کا تعاقب کیا، اس جنگ میں ایک گولی میر میراں
کے سر میں لگی اور وہ شہید ہو گیا، سلطان نے اس شہید کی لاش کو پٹن بھیجدیا، اس اثنا میں

لہ ملولی یعنے گلشن آباد کی سرحد پر سلطانی فوج کا ہارس کی فوج سے مقابلہ ہوا ..... عین اس وقت جب کہ
پے در پے حملے ہو رہے تو نواب محمد رضا خان کو گولی لگی اور وہ جان بحق ہو گئے صفحہ ۲۹۵ ۔ محمود خان

جب خبر ملی کہ دشمن کی فوج کلیکوٹ کی طرف جارہی ہے تو سلطان پٹن کو واپس آگیا! اس عرصے میں ہارس ہوسلی کے راستے سے ندی پار کرکے سلطان پیٹھ پر سے گزر کر قلعے کے شمال میں پہنچ چکا تھا، انگریزی رسالوں نے حملہ کرکے چند اہم جگھوں پر قبضہ کرلیا، اس جنگ میں حسین علی خان بن نواب قطب الدین خان جو شجیع اور سلطان کا دولت خواہ تھا شہید ہوگیا (۲۶راپریل)

انگریزی سپاہیوں کی قلعۂ پٹن پر یورش، قلعے کے سپاہیوں کا پیٹھ دکھانا اور سلطان کی شہادت

آہ! سوانح نگار اور تاریخ گو حاکم کا قلم نواب اور سلطان کی ملک رانی وسپہ پروری کا احوال لکھنے کے بعد دولتِ خداداد کے نزول کی شرح لکھ رہا ہے اس کا سینہ پھٹا ہوا اور سر جھکا ہوا ہے اور وہ روتا ہوا چل رہا ہے، سلطان نے جب دیکھا کہ اپنی دولت کے کارخانے ابتر ہیں اور فتنہ پٹن کے قلعے کے اطراف برپا ہوگیا ہے تو اس کی شاہانہ حمیت نے گوارا نہ کیا کہ پٹن چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے یا صلح کرلے، اللہ پر اپنے کل امور کو سونپ کر قلعے کے برجوں اور فصیلوں کو اہل زمرہ کے حوالے کرکے خود جنگ میں مشغول ہوگیا، قمرالدین خان فرصت جو کو انگریزی فوج کے لئے رسد لانے والوں اور ان کی کمک کو آنے والی فوج کو روکنے کے لئے نامزد کیا اور فتح حیدر اور پرنیا وغیرہ میر میراں کو اپنے سے جدا کرکے کریگٹ کے میدان میں جنگی آلات سے لیس کرکے ٹھہرایا اگرچہ سلطان کی سوار فوج کبھی کبھی انگریزی لشکر کے اطراف گھومتی تھی، لیکن اس کے سردار جنگ کی اجازت نہ دیتے تھے اور فوج حسرت سے ہاتھ ملتی تھی، اسی اثنا میں بمبئی کی فوج بھی آگئی اور وہ بہادر پورہ کے اطراف ٹھہری، سپاہ سلطانی اگرچہ محاصرہ کرنے والوں پر جو بہت طاقتور تھے، رات دن آگ برساتی تھی، لیکن اللہ کا ارادہ ناکامی کا نقارہ ان کے پیچھے بجاتا تھا، ان کا کوئی کام بنتا نظر نہ آتا تھا، چونکہ مہتاب باغ کا سید غفار حلال نمک نگہبان تھا، انگریز وہاں جمنے نہ پاتے تھے، آخر سلطان کے بدقسمت مشیروں نے اسے وہاں سے ہٹایا [اور اسے قلعے میں واپس بلالیا] اور کسی منحوس کو وہاں بھیجا تو انگریزی سپاہ تھوڑی سی کوشش سے اس پر قابض ہوگئی یوں سمجھئے کہ اس رات کو قلعے کی اور سلطانیوں کی نصرت کا چراغ گل ہوگیا، اس زمانے میں سلطان نے

لہ ۶ اپریل کو ٹیپو نے سدیشور کے پاس سٹورٹ کا مقابلہ کیا اور ۱۱ اپریل کو سرنگا پٹم واپس آگیا (آلمن صفحہ ۴۲)

موسی سیپو کو یاد کیا، اور اس سے مشورہ کیا، اس نے کہا کہ سلطان اپنی فوج اور خزانے اور زنانے سمیت سرا اور چیتل درگ کی طرف روانہ ہو جائے اور اپنی فوج کو دشمن کے مقابلے کے لئے چھوڑ جائے یا فدوی اور دوسرے فرانسیسوں کو انگریزوں کے حوالے کر دے[1] یا قلعے کے ٹوٹے ہوئے حصے کی حفاظت کا ذمہ موسی سیپو اور موسی لالی (Lally) کو دے دے، لیکن اس ذمے داری میں کارکنانِ شاہی کا مطلق دخل نہ ہو.

سلطان نے فرانسیسوں کو انگریزوں کے حوالے کر دینے کے بارے میں کہا تم بے وطن ہیں، میری تمام سلطنت تلف و تاراج ہو جائے میں راضی ہوں لیکن ہرگز تمہیں دشمنوں کے حوالے نہ کروں گا، موسی سیپو جب رخصت ہو گیا تو سلطان نے میر صادق [بے ایمان[2]] سے قلعہ سیپو کے حوالے کر دینے کے بارے میں مشورہ کیا اس نے اپنے مفاد کے پیشِ نظر کہا کہ اس قوم نے کسی کے ساتھ وفا نہیں کی، حضرت یقین جانیں کہ قلعہ ان کے حوالے ہوتے ہی انگریزوں کے قبضہ میں چلا جائے گا، کیوں کہ یہ دونوں قومیت کے لحاظ سے یک دل و یک زبان ہیں، اِدھر اس بدبخت نے ایسی غلط باتوں سے سلطان کو سیدھے راستے سے روکا، اور اُدھر قلعے کی دیوار ٹوٹ رہی تھی، سلطان نے صلاح اسی میں دیکھی کہ توشک خانے کا کل اسباب خزانہ اور زنانہ غرض سب کچھ چیتل درگ کو روانہ کر دے، چنانچہ ہاتھی اونٹ بہیلیاں اور پالکیاں لدی ہوئی کھڑی تھیں، سلطان نے اس بارے میں امیروں سے رائے لی، بدر الزماں خان نایطہ نے بے دھڑک کہا کہ سلطان اور اس کے اہل و عیال کے چلے جانے کے بعد فدائیوں کی ہمت ٹوٹ جائے گی اور پٹن کے لوگ تتر بتر ہو جائیں گے، ہرگز یہ عمل سلطان کی ہمت کے شایاں نہیں ہے، اس پر سلطان نے آسمان کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور کہا کہ جو کچھ خدا کی مرضی ہے اس پر میں راضی ہوں، اور اپنا ارادہ ترک کر دیا، لیکن سب اسباب اسی طرح بندھا بندھایا توشک خانے میں رکھا رہا، اسی روز بدخواہانِ دولت کی تجویز سے غازی خان کو جو قید میں تھا قتل کرا دیا گیا، حاصل یہ کہ قلعے کی دیوار ٹوٹ کر گر پڑی، لیکن اس کی اطلاع بھی سلطان کو نہیں دی گئی، ۲۷ ذی قعدہ کی رات کو غیب سے سلطان دولت کے بعض حرام خواروں سے واقف ہوا صبح کو کاغذ پر چند نام اپنے ہاتھ سے لکھے اور ان کے

---

[1] انگریزوں کے مطالبے کی شدت کو دیکھ کر مغالطہ ہوتا ہے کہ شاید فرانسیسی ہزاروں کی تعداد میں قلعے میں تھے حقیقت یہ ہے کہ صرف ایک سو بیس فرانسیس قلعے میں تھے (آکن صفحہ ۹۲)

[2] یہ لفظ متن میں کارنامۂ حیدری کے مؤلف شہزادہ غلام محمد نے بڑھایا ہے.

قتل کا حکم بھی درج کر کے کاغذ کو لپیٹ کر نواب میر معین الدین کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ آج کی رات اس تحریر پر عمل ہو جائے تاکہ دولت قائم رہے، یہ نواب اپنی غفلت سے وہ کاغذ سرِ دربار کھول کر پڑھنے لگا، ایک فراش نے جو حاضر تھا اور پڑھا لکھا تھا کن انکھیوں سے اس کاغذ کو دیکھا، اس میں پہلا نام کاذب یعنے میر آصف کا تھا اس بدبخت فراش نے یہ خبر صادق کو پہنچائی اور کہا کہ آج کی رات تم پر قبر کی رات ہوگی، یہ سن کر وہ خبردار ہو گیا اور قلعے کے ٹوٹے ہوئے حصے کی جو فوج حفاظت کر رہی تھی اس کو دوپہر کے وقت تنخواہ تقسیم[1] کرنے کے بہانے مسجد اعلیٰ کے پاس جمع کر کے فرصت کا منتظر تھا، سلطان نے ۲۸ ذی قعدہ کو علی الصبح ~~اس کی رات میں~~ قلعے کی ٹوٹی ہوئی دیوار دیکھی اور بیلداروں کو اس کی مرمت پر لگایا اور محل کو واپس ہوا، منجموں[2] نے کہا کہ وہ دن دوپہر تک اور بعد میں سات گھڑیوں تک (تقریباً دو گھنٹے) سلطان کے حق میں منحوس ہے، بہتر یہ ہے کہ سلطان شام تک لشکر میں رہے اور صدقہ دے، اگرچہ منجموں کا یہ قول سلطان کو پسند نہیں آیا پھر بھی اس نے صدقے کا سامان مہیا کرنے کا حکم دیا کہ اس سے ارضی و سماوی بلائیں رد ہوتی ہیں، پھر سلطان نے غسل کیا اور صدقہ دینے اور خیرات کرنے کے بعد کھانا منگوایا ایک لقمہ کھایا تھا اور دوسرا اٹھایا ہی تھا کہ خبر ملی کہ سید غفار[3] دو تنخواہ توپ کے گولے سے شہید ہو گیا اور غنیم قلعے پر حملہ کرنا چاہتا ہے سلطان نے ہاتھ دھویا اور کہا کہ میں بھی عن قریب جاتا ہوں "ما ہم عن قریب می رویم" فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر چند پیادوں کے ساتھ "دریچہ جوے" کے راستے جس کو کنڑی میں ہُلے[4] دڈی کہتے ہیں، مغربی علم بتیری کے پاس پہنچا اور دشمنوں کو ہٹانے کی

---

[1] پورنیا نے حکم بھیجا کہ تنخواہ تقسیم ہو رہی ہے۔ سپاہی آکر اپنی تنخواہ لے جائیں، ...... حسب الحکم سپاہی اپنی تنخواہ لینے کے لئے مسجد اعلیٰ کے پاس چلے گئے۔ صفحہ ۳۰۶ - پورنیا نے حکم بھیجا کہ فوج آکر اپنی تنخواہ لے جائے۔ صفحہ ۳۰۷ محمود خان"۔ حقیقت یہ ہے کہ جس وقت قلعہ محصور تھا اس وقت پورنیا قلعے سے باہر کری گٹ کے میدان میں تھا،

[2] کارنامۂ حیدری کے مؤلف نے میر غلام حسین منجم کا نام بھی لکھا ہے۔

[3] سید غفار کمپنی کی سوار فوج میں افسر تھا، فروری ۱۷۸۲ء میں تنجاور کے پاس کرنل بریتھ ویٹ (Braith Waite) کے ساتھ گرفتار ہوا، پھر سلطان کا ملازم ہو گیا۔ وہ شجیع اور قابل سپاہی تھا قلعے کے ٹوٹے ہوئے حصے کی نگرانی اس کے ذمّے تھی، اور یہیں وہ ۴ مئی کو مارا گیا۔

[4] ہُلے = ندی، دِڈّی = چھوٹا دروازہ یعنے (شمالی) ندی کو جانے کا چھوٹا دروازہ

تدبیر

تدبیر کرنے لگا، قابو جو نمک حراموں نے سید برحق کے شہید ہوتے ہی دوپہر اور تین گھڑی کو (تقریباً بیس منٹ) قلعے سے سفید رومال اڑائے، یہ اشارہ تھا ان انگریزوں کو جو ندی کے کنارے جمع ہو کر حملے کے لئے تیار تھے کہ وہ قلعے پر حملہ کردیں، فرنگی سپاہ اور دوسری پلٹنیں قلعے کے ٹوٹے ہوئے حصے سے قبل اس کے کہ سلطانی سپاہ اس طرف کے برج و فصیل پر جمع ہو چڑھ آئیں، اور تھوڑی سی کوشش سے قلعہ فتح کر لیا، اس موقع پر جب اس بدبخت مفتری نے دیکھا کہ سلطان کی سواری علم بتیری کی طرف گئی ہے تو وہ پیچھے سے پہنچا اور اس دڈی کو بند کر کے سلطان پر سلامتی کا راستہ بند کردیا اور خود سوار فوج کو کمک کے لئے لانے کے بہانے باہر بھاگا، گنجام کی طرف کے تیسرے دروازے تک پہنچ کر دربانوں سے کہا کہ میرے جانے کے بعد جلد دروازہ بند کرلو، اس حال میں ایک شخص نے آگے بڑھ کر اس کو گالیاں دیں اور کہا کہ "ارے لعنتی تو بادشاہ دیں پناہ کو مخالفوں کے سپرد کر کے اپنی جان سلامتی سے لے جا رہا ہے میں تیری سزا کو تیرے پہلو میں رکھتا ہوں۔" پھر تلوار کی ایک ضرب سے اسے گھوڑے پر سے زمین پر گرادیا، اور دوسروں نے ہجوم کر کے اس کو مٹی میں ملادیا اور اس کے ناپاک جسم کو بول و براز میں گھسیٹا، نواب میر معین الدین زخمی ہوا اور سید اشرف میر میراں اس طرف کے خندق کے کنارے شہید ہوا اور شیر خان میر آصف ایسا گم ہوا کہ پھر اس کا پتا نہ چلا، جب سلطان نے دیکھا کہ جرأت کا موقع ہاتھ سے جاتا رہا اور ملازموں نے بھی صریح حرام خوری کی ہے تو دڈی کے پاس پہنچ کر ہر چند اس کے کھولنے کا دربانوں کو حکم دیا لیکن کوئی متوجہ نہ ہوا اس پر مزید یہ کہ خود میر ندیم قلعہ دار چند پیادوں کے ساتھ اس دڈی کی چھت پر کھڑا ہوا تھا، جب حملہ آور باڑھیں مارتے پیچھے سے نزدیک پہنچے تو سلطان نے پوری شجاعت سے اس جماعت پر شیرانہ حملہ کیا، اگرچہ جگہ تنگ تھی پھر بھی بندوق اور تلوار سے دو تین کو مار کر خود اپنے منہ پر زخم کاری کھا کر شہادت کا پیالہ پیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون،

سلطان کے ایجادات و اختراعات

سنہ ۱۱۹۸ اس سال سلطان نے سونے اور چاندی کے جڑاؤ پدک (ہار) تیار کرائے اور اسد اللہی فوج کے سپاہیوں اور سرداروں میں ان کے مرتبوں اور منصوبوں کے موافق تقسیم کئے اور

سب کو پارچۂ ہبری کے لباس سلوا کر دئے، یہ کپڑا سلطان کی تازہ اختراع تھی ص ۲۹۸

سنہ ۱۲۰۲ھ سلطان نے انگریزی اور فرانسیسی کاریگروں اور نادرہ کار ہنرمندوں کو جمع کر کے پنجرس توپیں اور چاقو اور جیبی گھڑیاں وغیرہ بنانے پر مامور کیا، چناں چہ ایک مہینے میں ایک توپ اور پانچ بندوقیں تیار ہوتی تھیں اور اس کے کارخانے کا تارامنڈل نام رکھا، یہ کارخانے چار مقاموں میں تھے، پٹن، بنگلور، چیتل درگ اور نگر،

سلطان کا پورا وقت سپاہیوں کی فراہمی میں صرف ہوتا تھا، اور ان امرا اور خوانین کو جنہیں لاکھوں روپے صرف کر کے نواب مرحوم نے جمع کیا تھا۔ سلطان نے اعتبار و اقتدار کے پائے سے گرا دیا تھا اور اوباش طبیعت کے جوانوں کو ان کی جگہ مامور کیا تھا۔ گھوڑے اور اونٹ کے سوداگروں نے ان کی مانگ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا پیشہ چھوڑ دیا تھا اور بندوق چلانے والوں کو فوج میں ہزاری کے عہدے ملتے تھے، اور جو لوگ تلوار اور تیر کو بندوق پر ترجیح دیتے تھے اپنے منصبوں سے معزول ہو جاتے تھے اور جب سے سلطان توپ اور بندوق کو پسند کرنے لگا تھا تیر و تلوار چلانے والے بیدل ہو گئے تھے، اور فوج میں بھرتی کا کام سوار فوج کے بعضے ایسے ہزاروں کے ذمے دیا تھا جو اس کے قاعدے اور قانون سے ناواقف تھے، ان اسباب سے سلطنت کی بنیاد میں تھوڑی ہی مدت میں خلل پڑ گئے، ص ۳۲۸

اختراعات پسندیدۂ سلطان:- نادر شیر دہانی توپیں اور دو ضربہ و سہ ضربہ بندوقیں قینچیاں، چاقو، گھڑیاں، خنجر جن کا نام صفدرہ رکھا تھا اور ڈھالیں بنتی تھیں، اور ہر ملک کے کپڑے مثلاً شال، مخمل، کمخواب، بنات بنے جاتے تھے ان کارخانوں پر لاکھوں روپیہ صرف ہوتا تھا، سلطان دینِ محمدی کی پاسداری و آئین سنت و جماعت کی پابندی کو سب امور پر مقدم رکھتا تھا، غیر شرعی کاموں سے خود بھی بچتا تھا اور تمام ملازموں کو بھی منع کرتا تھا لیکن جب کسی کو ایک خدمت سے معزول کرتا تھا تو اس کو سزا دینے اور نصیحت کرنے کے بعد پھر اسی خدمت پر مامور کر دیتا تھا اس سے سلطنت میں خلل عظیم واقع ہوا انجام یہ ہوا کہ ملک و مال برباد گیا۔ صفحہ ۴۰۰

بچانن اور کرمانی کے مذکورۂ بالا بیانات نظر میں رکھ کر میر صادق اور "زمرۂ غم نباشد"

سکے
۹۶

کے بارے میں محمود خان کے بیان کو جو نیچے درج ہے پڑھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ محمود خان کا کوئی بیان تاریخی نہیں، اس کے سوا کہ میر صادق ارکاٹ کا ناظم اور سلطان کا وزیر تھا اور ایک وقت معزول ہوا تھا،

میر صادق مؤرخ سلطنتِ خداداد کی نظر میں

"پہلے سرا میں مقیم تھا، بعد میں ارکاٹ چلا گیا، نواب حیدر علیخان نے ارکاٹ فتح کر لیا تو سلطنت حیدری میں ملازم ہو گیا، ارکاٹ کا ناظم مقرر ہوا، عہد سلطانی میں آصف کے درجے پر ترقی پائی، بعد اس کے سلطان کا چیف سکرٹری اور وزیر بنا، میسور میں نام طور پر مشہور ہے کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھائی تھا، مذہبًا شیعہ اور عجمی النسل سید تھا، دشمنی کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ سلطان نے ایک دفعہ اس کو معزول کر دیا تھا لیکن بعد میں بحال کر دیا، لیکن یہ میر زادہ اپنی توہین کا درپردہ انتقام لینے پر تلا ہوا تھا...... سلطان نے ملک میں مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) قائم کرتے ہوئے رعایا کو ذمہ دار حکومت دیدیا تھا، سلطان نے اس مجلس کا نام "زمرۂ غم مباشد" رکھا تھا اس سے مطلب یہ تھا کہ جب رعایا سلطنت کی ذمہ داری اپنے سر لے لے گی تو ملک میں سازشیں نہ ہونگی، صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں کہ "میر صادق نے اپنے رسوخ سے اس پارلیمنٹ کو بیکار بنا دیا تھا" (نوٹ: میر صادق کی غداری کی جو وجہ دی گئی ہے وہ بالکل سطحی ہے، اس کی اس قدر گہری غداری کی اصلی وجہ ابھی تک ایک سربستہ راز ہے، معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ اس نے بنگالے کے میر جعفر کی طرح انگریزوں سے کوئی معاہدہ کیا تھا۔ چوں کہ یہ ۴ مئی سنہ ۱۷۹۹ء کے دن ہی مارا گیا اس لئے یہ راز اسی طرح چھپا ہوا رہ گیا، محمود)" ص ۳۸۰

"میر صادق نے انگریزوں سے سلطان کی نصف سلطنت غداری کے صلے میں مانگی تھی اور انگریزوں نے اس کو قبول کر لیا تھا...... اب اس گہرے راز کو اس مثنوی نے ظاہر کر دیا ہے، یعنے یہ کہ تختِ سلطنت کی ہوس نے میر صادق کو غداری پر آمادہ کر دیا اور اس کی یہ سازش کامیاب ہوئی۔ ص ۳۸-۳۷ محمود"

مثنوی شہادت جنگ سلطانی کا خلاصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد سبحان کی جس نے امر کن سے جنگ کو ظاہر کیا اور نعت احمد مصطفیٰ کی جن پر نبوت ختم ہوئی اور مدح خلفاے اربعہ کی جن کی رفاقت سے آج دنیا میں دین قائم ہے اور مدح حضرت محبوب سبحانی کی جن پر ولایت ختم ہوئی، غوثی شاعر کو شاہ محمد علی نے راہ ہدا دکھائی اور محمود بندر کے ملان شریف نے صرف و نحو پڑھائی اور بندے علی شاہ نے تصوف کی علمی تعلیم دی اور ایلور کے محمد غفور نے ترغیب دی کی جنگ شاہ کی کتاب لکھے ؎

کہي دوست میري مجي تھی ستاب کہو جنگ شاہ کا بنا و کتاب

غوثی تصنیف کی دھن میں تھا تو اس نے ایک رات سلطان کو خواب میں دیکھا۔ سلطان نے کہا ؎

میرا ذکر ظاہر توں کر سب کتیں خدا عاقبت نیک دي تجہ کو نیں

غوثی اسی رات سے جنگ شاہ کے واقعات نظم کرنے لگا ؎

میں اس رات کنتیں لیا تھا قلم جو اظہار کرني اچا یا علم

غوثی نے اس مثنوی کا نام "شہادت جنگ سلطانی" رکھا ؎

قلم لي اَب کہوں قصہ شہادت اکبر ثاني مبارک نام جس کا ہي شہادت جنگ سلطاني

غوثی کا نام احسن اللہ اور وطن چنگل پیٹ تھا،

سلطان شہ حیدر کا نامدار فرزند تھا، خوبصورتی، شجاعت، ہمت، دلیری اور عدل میں اپنے زمانے میں یکتا تھا، اور ساری دنیا میں مشہور تھا، جب سلطان تخت نشیں ہوا تو اس نے سب خاص و عام اور اپنے تمام وزیروں کو بلایا۔ انھوں نے نذریں دیں، گویا اپنی وفاداری کا اقرار کیا، پٹن کاویری کی دو شاخوں کے درمیان ہے۔ اس میں خوبصورت عمارتیں اور بے شمار خزانے تھے

شہر سب بھر یا تھا خوبي سوں یوں انھی پي کنت شاہ اکبر کي تیوں

سلطان کا محل بہت دلفریب تھا، اس میں زینت و آرائش کی بے شمار چیزیں تھیں، اور سب عمارتوں پر ببری نقش یعنے شیر کے جسم پر جیسے نقش ہوتے ہیں ویسے بنے ہوئے تھے اس محل میں "ایک میوہ دار باغ آراستہ تھا" اس میں ہر ملک کے میوے کے درخت تھے

ایک روز سلطان نے ارکان دولت کو طلب کیا اور کہا کہ باہر کے ملکوں سے سلطنتِ خداداد میں چیزیں آتی ہیں، اور ان کے آنے تک دیر لگتی ہے، ہمیں کیا ضرور ہے کہ باہر کے ملکوں کے محتاج رہیں، ہم کیوں نہ اپنے ملک میں یہ چیزیں بنائیں، تو سلطان نے دنیا بھر کے کاریگروں کو جمع کیا، ہتھیاروں میں تلواریں، بندوقیں، تیر، لوہے کے بان اور سال میں بارہ توپیں غرض سب قسم کے اسلحہ بنتے تھے، اور ہر قسم کا کپڑا بنانے کے کارخانے قائم کئے، تافتہ، مشروع کمخاب، اطلس، حریر، بنات، مخمل، زرلبفت، ببری وغیرہ — سلطان کی فوج اپنی دلاوری اور سامانِ جنگ کے لحاظ سے بے نظیر تھی، ارکانِ دولت میں سید محمد بدیع الزماں وزیر کلاں تھے، رضا صاحب اور میر معین الدین سلطان کے سچے دولت خواہ تھے، فوج کو چار قسموں میں تقسیم کیا، اول سادات، دوم شیخ، سوم پٹھان، چہارم مغل، سپاہیوں کا لباس ببری تھا، دستار چکری (گول) برق رفتار گھوڑے، اونٹ، خچر، ہاتھی ہزاروں کی تعداد میں تھے ایک سفید اور بلند قد کا ہاتھی تھا جو سلطان کو سوار ہوتے اور اترتے وقت خود ہو کر سونڈ کا سہارا دیتا تھا اور خود تلوار لا کے زین پر رکھتا تھا۔

ایک دن سلطان سیر کے لئے نکلا دیکھا کہ کئی بھنگ اور شراب پی کر مست ہیں، اور کئی گانے بجانے میں محو ہیں، کئی لوگ محنت و مشقت میں ہیں اور کئی لوگ آرام اور عیش کر رہے ہیں، سلطان کو بہت افسوس ہوا کہ محمدی امت ایسے برے حالوں میں ہو، چناں چہ اس نے سب وزیروں کو طلب کیا، اور عام مسلمانوں کو دین و دنیا کی بہبودی کے کام کرنے کی ہدایت کا انھیں حکم دیا، دوسرے دن سلطان کی سلامی کے لئے لشکر آراستہ کیا گیا، سلطان نے فوج کو خود اپنی زبان سے شریعت پر چلنے کی ہدایت کی اور خدا سے دعا مانگی کہ وہ رعایا کو نیک توفیق دے، دوسری صبح کو سلطان نے حکم دیا کہ شراب نوشی منع ہے اور کل میخانے بند کرا دئے، اور رعایا کو نماز، روزے، حج، زکوٰۃ، قرآن و حدیث کی پابندی کی تاکید کی، سلطان نے ہزاروں

کی شادیاں کیں، بچوں کے ختنے کیے اور انھیں دینی تعلیم دینے کے لئے استاد مقرر کئے، کئی بلے دینوں کو مسلمان بنایا اور ان کے اچھے اچھے نام رکھے، حج کے شوقینوں کو خرچ دے کر جہازوں میں کوڑیال بندر سے کعبے کو بھجوایا، بہت سے بت خانے توڑے اور ان کی جگہ مسجدیں بنائیں، جو اصلی درویش اور فقیر تھے ان کے خرچ کے لئے مشاہرے مقرر کئے اور جو جعلی تھے ان کو نوکریاں دیں اور کام پر لگایا اور جو معذور تھے انھیں ایسے کام دئے جنھیں وہ ایک جگہ بیٹھ کر کرسکیں،

جزیرۂ پٹن کے مشرقی گوشے میں نوابی زمانے کا ایک باغ تھا، اس کا نام لال باغ تھا، سلطان نے اپنے وزیروں سے کہا کہ اس باغ کو آراستہ کر کے جمعے کی نماز وہاں ادا کرنا چاہیئے چنانچہ ہر ملک کے باغبان اور وہاں کے پھلوں اور پھولوں کے بیج اور پودے منگوائے، باغبانوں کی محنت سے چند دنوں میں لال باغ رشکِ باغِ ارم بن گیا، اس میں آم، اخروٹ، فالسے چکوترے، نارنج، شہتوت، انار، اناناس، لیموں، انگور، انجیر، خرک (کمرکھ) پھنس (کاجو گنے کے قتل زکھیت) سیب، جام (امرود) خرما، پپویہ (پپیتا) یہی سب قسم کے پھل تھے اور پھولوں میں لالہ، نرگس، گل سیوتی، بنفشہ، ریحان، دونا مروا، چمپا، چمبیلی، موگرا، سوسن وغیرہ جمع کئے تھے، اور پرندوں میں طوطے، مینائیں، بلبلیں، کوئلیں، بگلے وغیرہ صبح اور شام کو وہاں بسیرا لیتے تھے، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

جب لال باغ آراستہ ہوگیا تو سلطان نے ایک جمعرات کو اپنے وزیروں کو حکم دیا کہ کل جمعے کی نماز وہاں ادا کی جائے گی، جمعے کے دن سلطان محل سے سوار ہو کر نکلا، اس کے ساتھ اس کی پوری فوج، وہ شہزادے اور سب امیر و وزیر تھے، باغ میں پہنچکر سلطان فرش پر بیٹھا اور دوسروں کو بھی بیٹھنے کا حکم دیا، علماء نے قرآن و حدیث کے مضامین پر تقریریں کیں، موذن نے اذان کہی، مصلیوں نے سنت نمازیں پڑھیں، خطیب[1] نے منبر پر سے خطبہ سنایا۔ پھر

---

[1] سلطان نے جنوری ۸۶ء کی ابتدا میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ لال باغ کی مسجد میں جمع ہو کر جمعے کا خطبہ سنیں افواہ یہ تھی کہ کوئی غیر معمولی خبریں سنائی جائیں گی، اس لئے ایک کثیر جماعت اکٹھی ہوگئی مقررہ امام تک کو اس راز کی اطلاع نہیں تھی۔ علی رضا (خطیب) ممبر پر چڑھا جب وہ خطبے کے (باقی)

سب نے فرضِ دوگانہ ادا کیا، دعائیں مانگیں، سلطان نے توپ کی سلامی لی، غریبوں کو رپے اور کپڑے تقسیم کئے گئے اور سلطان محل کو واپس آگیا، حاصل یہ کہ سلطان کے ملک میں سب کو امن و امان حاصل تھا، لیکن فلک کو دولتِ خداداد پر حسد ہوا، اس نے سلطان کے دشمنوں کو مخالفت پر آمادہ کیا، سلطان نے پچیس[۲۵] برس حکومت کی ہے

اتھی شاہ دانا بہت پی بدل   کیئی سال پچیس اپنا عمل

شاہ کے وزیروں میں ایک خر تھا، اس کا نام میر صادق تھا، یہ میر کا ذب شہ کا بدخواہ تھا، لیکن شہ اس کی بات کبھی نہ ٹالتا تھا، وہ ظاہر میں شہ کا دوست تھا لیکن انگریزوں سے اس کی سازباز تھی شہ نے ایک دن اس سے کہا، میں نے سنا ہے کہ تو بڑا خائن اور فتوری ہے، اس نے جواب دیا کہ میں شہ کا پروردہ اور غلام ہوں، اور کلام اللہ کی قسم کھائی، شہ کو قرآن اور اس کے اوامر و نواہی کا نہایت احترام تھا، سلطان کو میر صادق پر کوئی شبہ نہیں رہا، وہ اپنے مقدر پر منحصر ہوگیا، چونکہ میر صادق کے دل میں سلطان سے بدی تھی، اس نے کئی ارکانِ دولت کو اپنا ہم خیال بنالیا، اور انگریزوں کو پٹن پر حملے کی دعوت دی اور کہا کہ میری بات کا شاہ کے پاس اعتبار ہے اور میرا حکم سب لشکر پر چلتا ہے، لیکن میں تم سے ایک وعدہ چاہتا ہوں وہ یہ کہ مجھے شاہ کا نصف تخت دے دیا جائے ہے

کہ یک قول میرا تمارے سوں کام   تخت شاہ کا نصف دینا تمام

انگریزوں نے کہا کہ آدھا تخت تو کیا چیز ہے ہم تجھ کو پورا ملک خزانوں سمیت دے دیں گے تو شاہ کو ہمارے حوالے کردے ہمیں صرف شاہ چاہئے، بلکہ ہم سب تجھے صبح و شام سلام کریں گے

غرض نیں جو ہمنا ملک مال سوں   اول شاہ کو دي ہو سلطان تون

تجي دیوینگے تخت شاہی تمام   کرینگے سلاماں تجي صبح و شام

(بقیہ) اس مقام پر پہنچا جس میں بربرِ حکومت سلطان کے لئے دعا کی جاتی ہے تو شاہ عالم کا نام لینے کی بجائے جس کا اس زمانے میں ہندوستان کی سب مسجدوں میں دستور تھا خطیب نے ٹیپو سلطان کا نام لے کر حاضرین کو حیرت میں ڈال دیا، سلطان نے اس کے ایک سرکاری خط میں اسکی جو وجہ لکھی ہے وہ کافی حد تک فیصلہ کن ہے کہ "سندھیا کا شاہ عالم قیدی یا نوکر ہے اور کوئی بیوقوف ہی اسکو سلطان مان سکتا ہے" (ولکس حصہ دوم صفحہ ۱۱۰ - ۱۰۹)

فرنگیوں کا ایک بڑا سردار تھا، اس نے فرنگیوں کی دعوت کی، وہ سب شام کو اس کے بنگلے پر جمع ہوئے کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد سردار نے کہا میں کاذب (میر صادق) کو خط لکھا ہے وہ ہمارا موافق ہے، فرنگی یہ سن کر بہت خوش ہوئے اس کی عقل کی داد دی پھر سب نے مشورہ کرکے ولایت کو خط لکھا مضمون یہ تھا کہ کمپنی ایک ایسے نامور کو ہندوستان بھیجے جو سلطان پر فتح پا سکے، کمپنی نے ایک سردار کا انتخاب کیا، اس کا نام حارس تھا، حارس نے کہا کہ سلطان شیر میسور ہے، اچھے اچھے سرداروں میڈس اور والس کی اس کے مقابلے میں دال نہیں گلی، میں کس شمار میں ہوں، پھر بھی آپ کا حکم بجالاؤں گا، پھر کمپنی نے حارس کو سب فرنگیوں کا سردار مقرر کیا، حارس نے چیناپٹن کے فرنگیوں کو خط لکھا کہ میں پورے شہر چیناپٹن کا حاکم ہوں، اور میرا عہدہ تمہارے عہدوں سے بڑا ہے تم پوری فوج کو کسی بڑے مقام پر جمع کرو، میں بھی ہزاروں کی تعداد میں فرنگیوں کی پیدل فوج جہازوں پر بھیج رہا ہوں، تم جنگ کی پوری تیاری کرو اور سب ہتھیاروں سے لیس ہو جاؤ میں جلد از جلد آرہا ہوں، مدراس کے فرنگیوں کو حارس کا یہ خط پہنچا تو وہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

فرنگیوں نے سلطان کو خط لکھا کہ فرانسیسی ہمارے دشمن ہیں اور دوستی کی شرط یہ ہے کہ سلطان انگریزوں کے دشمن فرانسیس کو اپنے ملک سے نکال دے اور کوڑیال کا بندر (منگلور) ہمیں دے دے ورنہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں، قاصد نے یہ خط سلطان کو دیا تو وہ اس کے لب و لہجہ پر حیران ہو گیا اور جواب یوں لکھوایا، فرانسیسوں کو میں نے انگریزوں سے لڑنے کے لئے نہیں بلایا بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ وہ بہت ہنرمند ہیں، تم نے اپنی حقیقت کو بھلا دیا ہے، میں اسی شاہ حیدر کا بیٹا ہوں جس نے تمہیں شکستوں پر شکستیں دی تھیں، کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم نے پرم پاک (Peram bakkam) نامی مقام پر بیلی کو قید کر لیا تھا، اگر تمہارا ارادہ جنگ کرنے ہی کا ہے تو ہم بھی تیار ہیں، غرض انگریزوں نے حکم دیا کہ ان کی فوجیں ویلور میں جمع ہو جائیں اور مشیر الملک دیوان حیدرآباد کو خط لکھا کہ وہ انگریزوں کی تائید کریں، اور مرہٹوں سے بھی مدد کی درخواست کی لیکن وہ غیر جانب دار رہ گئے، غرض انگریزی فوجیں بے انتہا ساز و سامان کے ساتھ ویلور کے پاس جمع ہو گئیں تو حارس نے ہٹوٹ (Stuart) کو لکھا کہ وہ بمبئی سے فوجیں لے کر آئے اور انگریزی فوج ویلور سے روانہ ہو کر آنبور پہنچی اور وہیں میر عالم بھی حیدرآباد سے آکر انگریزی فوج سے مل گیا اور اسی کے مشورے سے پوری فوج سرعت کے

سائکہ پٹن کی طرف بڑھی، سلطان کو جب یہ خبر پہنچی کہ آنبور کی طرف سے حارس اور بمبئی سے اسٹوٹ آرہا ہے تو اس نے اپنے سرداروں کو حارس کے مقابلے کے لئے بھیجا اور خود اسٹوٹ سے مقابلے کے لئے بڑھا، سلطان اسٹوٹ کی فوج کو جنگل میں منتشر کرکے حارس کے مقابلے میں آیا۔ حارس جب گلشن آباد پہنچا تو دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا اور دونوں طرف کے صدہا سپاہی مارے گئے لیکن قریب تھا کہ حارس کو شکست ہو جائے، اس وقت "جیز کاذب" میر صادق نے سواروں سے کہا کہ تم بہت جنگ کر چکے اب لوٹ جاؤ، سواروں نے جب یہ حکم سنا تو واپس ہوگئے، حارس کے سپاہیوں نے ان کا پیچھا کیا اور بہتوں کو قتل کر دیا، سلطان نے میر صادق سے کہا کہ وہ مزید فوج بلا کر انگریزوں کا مقابلہ کرے لیکن اس نے کہا کہ ان سے اب لڑنا فضول ہے، یہ سب کے سب غذا کے نہ ملنے سے خود بخود مر جائیں گے، اور مصلحت یہ ہے کہ ہم قلعے میں محصور ہو کر انگریزوں کا مقابلہ کریں، فرنگی بھی پٹن کے قریب پہنچ گئے اور ایک باغ پر جو شہر کے نزدیک تھا قبضہ کرنے کی کوشش کی، گھمسان کی لڑائی کے بعد فرنگیوں نے اس باغ پر قبضہ کر لیا، ان کا مزید مقابلہ کرنے کے لئے سلطان سے اجازت لے کر "حسن ہور (اور) علی خان" روانہ ہوئے اور وہ شہید ہوگئے، اسٹوٹ نے حارس سے کمک طلب کی، حارس نے کمک بھیجی اور اسٹوٹ[1] اپنی فوج کے ساتھ حارس کی فوج سے آملا اس اثنا میں انگریزی فوج کی رسد ختم ہوگئی، اور انھوں نے رسد لانے کے لئے اپنی پیدل فوج بھیجی سلطان نے قمرالدین خان اور پورنیا کو فتح حیدر کے ساتھ رسد لانے والی فوج کو روکنے کے لئے بھیجا نوابوں میں سید غفار مراتب اعلیٰ پر فائز تھے، انھوں نے پہلے سلطان پر جان نثار کی، بروز شنبہ ۲۸ ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۲۱۳ کو نجومی نے سلطان سے کہا کہ وہ دن منحوس ہے، سلطان نے کہا کہ امر حق یعنے تقدیر سے کوئی بچ نہیں سکتا اور سب کو تسلی دی کہ اللہ کی مرضی پر راضی رہیں، قلعے پر جس طرف میر صادق تھا وہاں سے اس نے انگریزوں کو اشارہ کیا اور وہ دفعتہً قلعے پر چڑھ آئے "اس کی تاب نہ لاکر وہ کاذب نکل بھاگا۔ اسی وقت اس کو کسی نے قتل کر دیا"، کسی نے سلطان کو خبر دی کہ فرنگی قلعے پر چڑھ آئے ہیں، سلطان نے دو لقمے لئے تھے کہ اجل کے ساقی نے جام بھر کے دیا، سلطان سفرے پر سے اٹھا اور اس مقام پر پہنچا جہاں سے فرنگی قلعے کے اندر آرہے تھے

---

[1] ۱۶ اپریل کو بمبئی کی فوج نے شمالی کنارے پر اپنے مورچے قائم کرلئے۔

اس نے ان کا خوب مقابلہ کیا لیکن ایک گولی سلطان کو لگی اور دونوں کانوں کو لہولہان کر گئی۔ دوسری ایک سینے پر پڑی اور شاہ کا جگر پاش پاش ہو گیا اور جسم پر کاری ضرب لگے، سلطان نے قبلے طرف منھ کیا، کلمۂ شہادت پڑھا اور جان اللہ کو سونپ دی، دوسرے دن خدا کے قہر کا ایک طوفان آیا، شدت کی بارش ہوئی، دریائے کاویری کو بھی سلطان کے غم کا جوش ہوا، زمین و آسمان پر سلطان کا غم چھا گیا تھا،

غوثی نے اس مثنوی کو $\frac{\text{ماہ رجب سنہ ۱۲۱۶ھ}}{\text{نومبر سنہ ۱۸۰۱ء}}$ میں ختم کیا، اس میں پچیس ۲۵ داستانیں اور چھ سو پچھتر ۶۷۵ بیتیں ہیں ۔

اي غوثي كون اميد ہي حق سون بہي ۔۔۔ كہ محشر ميں بخشيں محمد نبي
حشر لگ ہي جاري ہوا شاہ كا نام ۔۔۔ كہا جنگ شاہ كا مفصل تمام

غوثی کی تاریخ دانی!

یہی نہیں کہ غوثی نے ویلور کے محمد غفور کی فرمایش پر یہ مثنوی لکھی بلکہ واقعات بھی محمد غفور ہی کے بتائے ہوئے ہیں، محمد غفور نے ممکن ہے کہ خود کرمانی یا اس کے دوستوں سے سلطان کی شہادت کے واقعات سنے تھے لیکن نہ محمد غفور تاریخ داں تھے نہ شاعر غوثی، محمد غفور کے ذہن میں واقعات گڈمڈ ہو گئے تھے اور غوثی میں انھیں درست کرنے کی صلاحیت نہیں تھی ـــــ اس لئے اس مثنوی میں تاریخ کم ہے، اور افسانہ زیادہ مثلاً

(۱) تہي سيد محمد بديع الزمان ۔۔۔ وزير كلان تہي امير امان (صفحہ ۷ ب شعر ۸)

سید محمد بدیع الزماں نام کا کوئی شخص سلطان کا وزیر کلاں نہیں تھا اور نہ اس نام کا سلطان کی تاریخ میں کوئی شخص ہے۔ ۱۱۹۸ میں میر صادق صاحب دیوان بنا، رعایا پر ظلم اور غبن اور رشوت ستانی کے الزام میں ۱۲۰۲ میں معزول اور قید ہوا، اس کی جگہ مہدی خان نایطہ جاگیر دار اول کنندہ صاحب دیوان مقرر ہوا، نمک حرامی کی وجہ سے یہ بھی ۱۲۰۷ میں معزول ہوا، اور دوبارہ صادق بے ایمان صاحب دیوان مقرر ہوا، اور یہ سلطان کی شہادت تک صاحب دیوان رہا، مہدی خان چونکہ میر صادق کا دوست تھا اور انھیں دونوں کو سلطان نے ساؤنور کی دولت اور اثاثہ لانے کے لیے بھیجا تھا

اس لئے ممکن ہے کہ مہدی خان اپنی دیوانی کے زمانے میں میر صادق سے مشورہ کرتا تھا، اور دونوں نے سلطان کو شکست دینے کی ایک ہی ترکیب سوچی تھی، یعنے مہدی خان نے بھی میسور کی تیسری جنگ میں تنخواہ دینے کے بہانے فوج کو گنجام اور لعل باغ کے قلعے سے ہٹالیا تھا۔ اور میر صادق نے بھی میسور کی چوتھی جنگ میں قلعے کے شکستہ حصے سے فوج کو تنخواہ تقسیم کرنے کے بہانے ہٹالیا تھا۔

(۲) اتھی شاہ دانا بھوت پی بدل کئی سال پچیس اپنا عل

سلطان کا جلوس ۲۰ محرم ۱۱۹۷ / ۲۶ دسمبر ۱۷۸۲ کو ہوا اور شہادت ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۱۳ / ۳ مئی ۱۷۹۹ کو ہوئی۔ یعنے سلطان نے ۱۶ برس چار مہینے آٹھ دن حکومت کی۔

(۳) کہ جب شہ نی بولی خیانت نکر سنا میں ہوا تون فتوری کگر

کہا میں ہوں پروردہ شہ کا غلام اچا تا ہوں اب میں خدا کا کلام

اتھا شاہ کا صدق قرآن پر امر ہور نہی کی وہ فرمان پر

نہ شہ کا گمان رہ سکا اس اپر مقدر پو باندی شہ اپنی نظر صفحہ ۱۹۴ شعر ۲-۵

یہاں غوثی نے میر صادق کی خیانت کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس کی معزولی اور مقید ہونے کا ذکر نہیں کیا، ۱۲۰۲ میں میر صادق کی معزولی اور اس کے دوست مہدی خان کی پانچ برس تک دیوانی کا زمانہ تاریخ سرکار خداداد کا ایک نہایت اہم باب ہے یہی مہدی خان دولتِ خداداد کی بربادی کے انتظام میں لگا ہوا تھا اور اسی کی غداری کی وجہ سے جنرل میڈوس کی فوج شہر گنجام اور لعل باغ میں داخل ہوگئی تھی اور اس کے نتیجے میں سلطان کو اتحادیوں سے دب کر صلح کرنے کی ذلت گوارا کرنی پڑی تھی، ان واقعات کی تفصیل پچھلے صفحوں میں "میر صادق نشانِ حیدری میں" کے تحت لکھی جاچکی ہے۔ اور اسی بدبخت مہدی خان کے اشارے سے عین لڑائی کے موقع پر توپوں کا منھ ریتی[۱] اور مٹی سے بند کر دیا گیا تھا۔

---

[۱] محمود خان نے لکھا ہے کہ میسور کی چوتھی جنگ میں قلعے سے جو گولے انگریزی فوج پر آرہے تھے "ان میں سن اور مٹی بھری ہوئی تھی" اور حوالہ نشانِ حیدری کا دیا ہے۔ صفحہ ۲۹۹۔ تاریخ سلطنت خداداد اس قسم کی کوئی عبارت نشانِ حیدری میں نہیں ہے۔

یہ سارے واقعات مثنوی میں حذف ہوگئے ہیں۔ اُوپر کی بیتوں کو پڑھنے سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت سلطان کو میر صادق کی وفاداری اور امانت داری پر شبہ ہوا تو اس نے میر صادق کو صفائی پیش کرنے کے لیے کہا، اس نے قرآن سر پر رکھ کر قسم کھائی اس پر سلطان اس سے صاف دل ہو گیا، اللہ اللہ خیر صلا، بات آئی گئی ہوگئی، اتحادیوں نے تیسری جنگ میں سلطنتِ خداداد کی آدھی عمارت ڈھا دی لیکن شاعر ٹس سے مس نہیں ہوا۔

(۴) فرنگی جب کہی سلطانپو سبقت جنگ کرنی یون ؛ مشیر اپنی سین بھیجیا تھا کنگ اسلام کی انکون

صفحہ ۱۵ الف شعر ۹ تا شعر ۱۲ صفحہ ۱۶ الف سے

لکھاکو پوچھیا وہ حارس کا جب فرنگیاں حرب کی فکر میں تہی تب

ان اشعار کا مطلب نثر میں مثنوی کے خلاصے میں لکھا جا چکا ہے، مزید خلاصہ یہ ہے :-

"ہندوستان میں فرنگیوں ایک بڑا سر تھا، اس نے ولایت کو خط لکھا کہ ایک ایسے نامور کو ہندوستان بھیجو جو سلطان پر فتح پا سکے، کمپنی نے حارس کا انتخاب کیا، اس نے مدراس کے فرنگیوں کو اپنے تقرر اور ورود کی اطلاع بھیجی، مدراس کے فرنگی جنگ کی تیاری میں مشغول ہوگئے"

یہ پورے واقعات ایک افسانہ ہیں، اصل واقعہ یہ ہے کہ ولزلی ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر ہو کر ۲۲ رمئی سنہ ۱۷۹۸ میں مدراس پہنچا اور وہاں سے کلکتے گیا۔ وہاں سے ۳۱ ردسمبر ۱۷۹۸ کو وہ مدراس آیا اور جنرل حارس کو سلطان کے خلاف مہم کا سپہ سالار اعظم بنایا اور اس کو غیر معمولی اختیارات دیئے، ۱۱ رفروری کو انگریزی فوج حارس کی سرداری میں ویلور کے قریب اپنے پڑاؤ سے نکل کر میسور کی سرحد کی طرف بڑھنے لگی، ولزلی کا خط سلطان کو ۲۲ رفروری کو بھیجا گیا کہ اتحادی پٹن کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ ۵ راپریل کو فوج پٹن کے جنوب مغرب میں تقریباً ڈھائی میل فاصلہ پر پہنچ گئی (آکن صفحہ ۵۳) ۱۴ راپریل کو انگریزی فوج نے قلعے کے جنوب مغرب میں حملے کی تیاریاں مکمل کرلیں، اور ۴ رمئی کو قلعہ فتح ہوگیا، اس کی تفصیل اوپر لکھی جا چکی ہے، یہ غلط ہے کہ ہارس ۱۷۹۹ میں سلطان کا مقابلہ کرنے کے لیے ولایت سے بلایا گیا تھا اصل میں وہ دس برس پہلے سے ہندوستان میں تھا، ہارس کی سوانح عمری مصنفہ لش ننگ ٹن —— (Lushington) کا خلاصہ یہ ہے :-

کرنل ہارس اگست ۱۷۸۸ میں بمبئی کے کمانڈران چیف اور گورنر میڈوس کے ساتھ ولایت سے بمبئی آیا، ہارس میڈوس کا ملٹری سکریٹری تھا، ۱۷۹۰ میں میڈوس مدراس کا کمانڈران چیف اور گورنر مقرر ہوا تو ہارس بھی مدراس آیا، اور فروری ۱۷۹۰ سے اگست ۱۷۹۲ تک وہ میڈوس اور کارنوالس کے ساتھ میسور کی تیسری جنگ میں شریک رہا، آگست میں میڈوس اور ہارس ولایت گئے۔ ہارس بیوی بچوں کے ساتھ اکتوبر ۱۷۹۴ میں کلکتے آیا اور اور فورٹ ولیم کا کمانڈر مقرر ہوا، ۱۷۹۷ جنوری میں اس کو مدراس کے فورٹ سینٹ جارج کے کمانڈران چیف کا عہدہ دیا گیا، اور تقریباً ایک سال بعد فروری ۱۷۹۸ میں اس کو مدراس کا عارضی گورنر بھی بنا دیا گیا، لارڈ مارننگٹن[1] ۲۲ مئی سنہ ۱۷۹۸ کو ہندوستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے مدراس میں وارد ہوا (صفحہ ۱۳۸) اور وہاں سے کلکتے گیا، ۳۱ اگست ۱۷۹۹ میں لارڈ کلیو کو مدراس کی گورنری دی گئی اور ہارس کو گورنری کے عارضی عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا، تاکہ وہ پوری طرح سرنگاپٹم پر حملے کی تیاری میں منہمک ہو جائے، گورنر جنرل ۳۱ دسمبر کو مدراس آیا۔ ہارس ۲۶ جنوری کو مدراس سے روانہ ہوا اور ۲۹ کو ویلور پہنچ کر کرنل ولزلی[2] سے فوج کی کمان اپنے ذمے لی، ۲۲ فروری سنہ ۱۷۹۹ میں اتحادیوں نے اعلان جنگ کیا۔

(صفحہ ۱۵۲) ہارس کا انتقال ۸۴ سال کی عمر میں، ۱۹ مئی ۱۸۲۹ میں ولایت میں ہوا

(۵) کیتی فوج شہ پر روانہ کیا، میڈس اور والس کون رخصت دیا صفحہ ۱۹ الف شرح

کرنل والس (Wallace) نے ۲۷ اپریل ۱۷۹۹ کو قلعے کے شمالی رخ کے مورچوں پر جو قلعے سے صرف تین سو اسی گز فاصلے پر تھے، انتہائی شجاعت سے قبضہ کیا تھا۔

(ولکس جلد دوم ص ۳۶۳)

میڈوس نے ۱۷۹۰ میں سلطان کے مقابلے میں شکست کھائی تھی، لیکن والس نے ہارس کے ساتھ پٹن پر چڑھائی کی تھی، علاوہ والس کو شکست بھی نہیں ہوئی تھی، ہارس کا میسور کی

[1] ولزلی، رچرڈ کولی، مارکوس، ارل آف مارننگٹن ہندوستان کا گورنر جنرل مئی ۱۸۹۸ء سے جولائی ۱۸۰۵ تک۔

[2] ولنگٹن آرتھر ولزلی ۱۷۹۹ میں نظام کی سپاہ کا سپہ سالار تھا، سرنگاپٹم فتح ہونے کے بعد وہاں کا گورنر مقرر ہوا۔ لارڈ ولزلی کا چھوٹا بھائی تھا۔

چوتھی جنگ سے پہلے سلطان کے مقابلے میں دالس کی پسپائی کا ذکر نا بے معنی ہے۔

(۶) اگرچہ بہوت وقت ہوتا وہ جنگ — نہ تھا تاب حارس کوں لڑنیکا ننگ
دیکھیا حیزر کا ذب او حارس رخن — گئی شہ سواران ضرب چو کدن ،
ہوئی تھی شکست بہوت حارس طرف — فوز کا کیا حیزر کا ذب حرف
چلی او جلدی گئی بہوت جنگ — سنی جب سواراں پھری وہ لشکر الخ

۲۷ مارچ کی صبح میں حارس ملولی پہنچا، اس عرصے میں سلطان ملولی کے مغرب میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر جنگ کے انتظام مکمل کر کے صف آرا ہو چکا تھا، سلطان کے ساتھ قمرالدین پورنیا اور میر معین الدین تھے، میسور کی سپاہ نے دس بجے جنگ میں پہل کی اور دو بجے تک جنگ ہوتی رہی، پھر میسور کی فوج بنگور کی طرف ہٹ گئی، پوری فوج کی اس رجعت کو ہارس کی نظر سے پوشیدہ رکھنے کے لئے میسور کی ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی پیدل اور سوار فوج سینہ سپر ہو گئی اور لازمی طور پر یہ پوری پسماندہ جاں نثار فوج ماری گئی۔ (شام راؤ صفحہ ۱۹۳-۹۴)

غوثی نے اس شکست کا الزام میر صادق پر لگایا ہے، یہ تاریخی واقعات کے خلاف ہے، اس وقت سلطان کے ساتھ میر صادق نہیں تھا، اور نہ فوجی امور میں کسی کو اتنے اختیارات حاصل تھے، کہ سلطان کی موجودگی میں وہ فوج پر اپنے احکام جاری کرتا۔ البتہ ۳۱ مارچ کو سلطان نے اپنے سب افسروں کو بنور میں جمع ہونے کا حکم دیا تو ان میں میر صادق بھی تھا (شام راؤ صفحہ ۱۹۷)

(۷) حسن ہور علی خان اتھے نیک نام / اتھا نام ان کا سکل روم و شام" صفحہ ۱۲۱ شعر ۲
حسین علی خان بن نواب قطب الدین خان (نواب کرڈپہ) قلعے کے جنوب مغرب میں سلطان پیٹ کے باغ کی حفاظت میں مارے گئے تھے، حسین علی خان کو حسین ہور علی خان کہیں تو اس سے دو آدمی سمجھے جائیں گے۔

(۸) مثنوی میں واقعات کی ترتیب غلط ہے | صفحہ ۱۲۱ ب شعر ۱۱ تا اختتام مثنوی
(۱) شہ پر اول نواب سید غفار نثار ہوئے۔
(۲) سہ شنبہ ۲۸ ذی قعدہ سنہ ۱۲۱۳ھ کی صبح کو نجومی نے کہا کہ وہ دن سلطان کے

لئے نحس ہے ۔

(۳) میر صادق نے سید غفار کے شہید ہوتے ہی فرنگیوں کو اشارہ کیا کہ قلعے پر چڑھ آؤ۔

(۴) میر صادق قلعے سے نکل جانا چاہتا تھا کہ سلطان کے ایک سپاہی نے اسے قتل کر دیا ۔

(۵) سلطان دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا کہ خبر ملی کہ فرنگی قلعے پر چڑھ آئے ہیں ۔

(۶) سلطان انھیں روکنے کیلئے گیا اور

(۷) دشمنوں سے لڑ کر شہید ہو گیا ۔

تاریخی طور پر واقعات کی ترتیب یوں صحیح ہے ۲، ۵، ۱، ۳، ۶، ۴، ۷، یعنے :-

(۲) نجومیوں نے کہا کہ ۲۸ ، ذیقعدہ کا دن نحس ہے ۔

(۵) سلطان دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا کہ خبر ملی کہ فرنگی قلعے پر چڑھ آئے ہیں ۔

(۱) شہ پر نواب سید غفار نثار ہو گئے

(۳) میر صادق نے سید غفار کے شہید ہوتے ہی فرنگیوں کو اشارہ کیا کہ قلعے پر چڑھ آؤ ،

(۶) سلطان حملہ آوروں کو روکنے کیلئے گیا ۔

(۴) میر صادق قلعے سے بھاگ جانے کی کوشش میں مارا گیا ۔

(۷) سلطان دشمنوں سے لڑ کر شہید ہو گیا ۔

کرمانی نے اس اجمال کی جو تفصیل لکھی ہے وہ پچھلے صفحوں میں لکھی جا چکی ہے ، ہارس کی فوج کے سروے پر جنرل کرنل بیٹ سن اور کرمانی کے بیان میں واقعات کی ترتیب میں کوئی فرق نہیں بتفصیل میں کچھ فرق ہے چنانچہ بیٹسن لکھتا ہے (صفحہ 65-161 اور ضمیمہ III×××) کہ " قلعے کی شمالی بیرونی دیوار[۵] میں ایک پانی کا دروازہ تھا جس کا نام کَ لَ لِ ے دڈی (کھ ن گھ ی) تھا ، سلطان نے اس کو ۹۳، ۷ اینٹی کی طرف سے بند کرا دیا تھا ، اور اس دروازے کی چوڑان میں اندر جو جگہ تھی اس میں پردے لگا کر محاصرے کے آخری چودہ دن سلطان نے وہیں گزارے تھے ، اور سامنے چار چھوٹے ڈیرے کھڑے کئے تھے جن میں ملازم رہتے تھے ، مئی کی چوتھی قمری مہینے کی آخری تاریخ تھی اور دن منحوس تھا ، صبح کو برہمن نجومی

---

[۵] محمود خان نے اس کا ترجمہ " اندرونی فصیل " کیا ہے ۔ صفحہ ۳۱۰

کھلّے دڈی کو گئے اور سلطان کو بدشگونی کی اطلاع دی، سلطان دس بجے محل کو گیا اور صدقہ دیا اس کے فوراً بعد زنانے میں گئے بغیر سلطان محل سے پالکی میں کھلّے دڈی کو واپس ہوگیا۔ وہاں دو مخبروں نے خبر پہنچائی کہ فرنگی چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں، سید غفار نے بھی جس کے ذمّے شکستہ حصے کی حفاظت تھی سلطان سے ملاقات کی اور مخبروں نے جو اطلاع دی تھی اس کی تصدیق کی لیکن سلطان نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ حملہ دن کو نہیں ہوگا، اس صبح کو اس نے سید صاحب کو بھی یہی جواب دیا تھا، سلطان ایک بجے کے قریب کھلّے وڈی پہنچا اور فوراً کھانا منگوایا لیکن کھانا ختم کرنے کے لئے اس کو وقت نہیں ملا حملے کے شور وغل سے وہ مضطرب ہوگیا۔ فوراً ہاتھ دھوے، اپنی تلوار اور طپنچے منگوائے اور جب تلوار باندھ رہا تھا تو اطلاع ملی کہ سید غفار مارا گیا، سلطان نے حکم بھیجا کہ سید غفار کی ذمہ داری محمد قاسم[1] سنبھالے، پھر سلطان قلعے کی شمالی دیوار پر چڑھا اور وہاں سے صورتِ حال کا مطالعہ کیا اس نے دیکھا کہ اس کے خاص آدمی جو سامنے تھے یا بھاگ گئے یا مارے گئے تو وہ شمالی دیوار پر پیچھے ہٹنے لگا، یہاں سلطان نے اپنے ایک پاؤں میں درد اور کمزوری کی شکایت کی، اس کا پاؤں جب کہ وہ بہت کم عمر تھا بری طرح زخمی ہوا تھا پھر وہ اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر قلعے کی بیرونی شمالی دیوار پر مغرب سے مشرق طرف ہٹنے لگا، یہاں تک کہ وہ اس ڈھلوان تک پہنچا جو قلعے کی اندرونی دیوار کے دروازے کے سامنے ہے اور گھوڑی پر بیٹھ کر ہی وہ اس ڈھلوان پر سے اترا اور اس پل پر سے گزرا جو اندرونی خندق پر تھا جب وہ اس دروازے میں داخل ہوا تو اس میں اس قدر بھیڑ تھی کہ وہ شہر کی طرف نہ بڑھ سکا اور انگریز دیوار پر برابر اس کا پیچھا کر رہے تھے وہ بھی پل کے پاس پہنچے اور دروازے میں گولیاں چلائیں جب وہ پل پر سے گزر رہا تھا تو اس کے سیدھے پہلو میں ایک گولی لگی وہ دروازے کی بھیڑ میں سے تین یا چار قدم بڑھا ہوگا کہ شہر میں سے بارہویں لیٹ انفنٹری نے دروازے میں سے گولیاں چلائیں، سلطان کے سینے میں بائیں طرف گولی لگی اور سیدھے پہلو میں پہلی گولی سے قریب ایک اور گولی لگی اور گھوڑی کا پاؤں بھی زخمی ہوا، ملازم خاص راجے خان نے سلطان کو اتارنے کی کوشش کی لیکن سلطان گھوڑی اور راجے خان تینوں گر پڑے، راجے خان کے پاؤں میں

---

[1] سید قاسم، محمود خان صفحہ ۳۱۱

گولی لگی، سلطان کے وفادار ملازموں نے اس کو اٹھا کر پالکی میں لٹا دیا اور پالکی دروازے کے اندر ایک طرف رکھ دی، اتنے میں ایک گورا وہاں پہنچا اور سلطان کی پیٹی نکالنی چاہی، سلطان نے تلوار کا وار کیا جو گورے کی بندوق پر پڑا، سلطان نے ایک اور وار کیا جو دوسرے گورے کی ران پر پڑا اس کے فوراً بعد سلطان کے سیدھے کان کے کچھ اوپر گولی آ دی گئی جو بائیں رخسار میں منھ کے پاس پہنچکر رک گئی اور اس کے سیدھے پہلو میں سنگین کے تین زخم لگے تھے۔

ہیٹسن کے اس بیان کو صحیح مان لیں تو پھر یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ میر صادق نے جب دیکھا کہ سلطان علم بتیری کی طرف گیا ہے تو پیچھے سے آ کر اس نے بلے دڈی بند کر دی:۔

"آں بدبخت مفتری ہر گاہ سواری خاص بطرف علم ہتیری رونق افزا گشت خود از عقب رسیدہ دریچہ مذکور (بلے دڈی) را بند کردہ راہ سلامت بر سلطان دین پرور مسدود ساخت"

اور میر ندیم قلعدار کی نمک حرامی کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ سلطان نے جب دیکھا کہ جرأت کا موقع ہاتھ سے جاتا رہا اور ملازموں نے بھی صریح حرام خوری کی ہے تو اس دڈی کے پاس پہنچ کر ہر چند اس کے کھولنے کا حکم دیا لیکن کوئی متوجہ نہ ہوا اس پر مزید یہ کہ خود میر ندیم قلعدار چند پیادوں کے ساتھ اس دڈی کی چھت پر کھڑا ہوا تھا:۔

"چوں سلطان جہاں پناہ نیکو مشاہدہ کردند کہ فرصت جرأت از دست رفت و ملازمین خود صریح حرام خوری کردند بر در آں دریچہ رسیدہ ہر چند در باب افتتاح آں در بہ دربانان امر فرمودند اما کسے متوجہ حال سلطان باجاہ وجلال نگشت علاوہ بریں کہ میر ندیم قلعدار خود باچند پیادگان بر سقف آں دریچہ ایستادہ بود پاس نمک گذاشتہ پا در جادۂ گمراہی سپرد"

ہیٹسن کے بیان سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سلطان محل سے نکل کر کس راستے سے کِلّے دِڈی کو گیا جو دو ہفتوں سے اس کی قیام گاہ تھی، اگر بلے دڈی قلعے کی اندرونی دیوار کے اسی دروازے کا نام ہے جس میں سے سلطان شہر میں واپس آنا چاہتا تھا تو وہ بند نہیں تھا، اور بقول ہیٹسن بارہویں رجمنٹ کے پیادوں نے شہر کی طرف سے اس میں گولیاں چلائی تھیں، لیکن کرمانی اور ہیٹسن کے بیانوں میں چند جزئیات کا اضافہ کر کے دیکھیں جن کا قرینہ موجود ہے تو ان میں مطابقت ضرور ہے وہ اسی طرح کہ شہر سے متصل قلعے کی اندرونی دیوار میں جو دروازہ تھا وہی بلے دڈی تھا، اس کا محل وقوع مسجد اعلیٰ کے

شمال مغرب میں ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہے! در اس وقت وہاں ایک انگریزی کتبہ نصب کیا گیا ہے اسی دروازے سے سلطان کللے وڈی کو گیا تھا جو قلعے کی شمالی بیرونی دیوار میں سری رنگا کے مندر کے مشرقی دروازے کے عین شمال میں ہے، اور مندر کے بالکل سامنے سے ایک سڑک اس وڈی کو جاتی ہے! اور اب اس وڈی کا شمالی رخ کھلا ہوا ہے اسی دیوار پر چڑھ کر ٹوٹے ہوئے مغربی حصے کے تقریباً دو سو گز فاصلے پر سے سلطان نے حملہ آوروں پر گولیاں چلائی تھیں، اور اسی دیوار پر پیچھے ہٹتے ہٹتے وڈی تک وہ پہنچا تھا، ممکن ہے کہ سلطان کے پہلے وڈی سے باہر جاتے ہی میر صادق نے اس کو بند کر دیا تھا، کیونکہ یہی ایک دروازہ شمال طرف سے شہر کے اندر آنے کا تھا اور سلطان جب اس دروازے پر پہنچا تو اس وقت میر ندیم دربانوں اور سپاہیوں کے ساتھ اس کی چھت پر تھا اور دروازہ کھولنے سے انکار کیا تھا، پھر جب بارہویں رجمنٹ کے سپاہی شہر میں سے اس دروازے کی طرف بڑھے تو میر ندیم قلعدار محل میں بھاگ گیا اور انگریزی سپاہیوں نے دروازہ کھول کر جو لوگ اس میں جمع تھے ان پر گولیاں چلائیں،

کرمانی کے بیان کی بیٹسن کے بیان سے مزید تصدیق یہ ہوتی ہے کہ سلطان کے افسروں میں صرف قلعدار کو معلوم تھا کہ سلطان زخمی ہوا ہے اور قلعے کے شمالی جہت میں گرا ہے، سید صاحب قلعے کے شکستہ حصے کے جنوب میں تقریباً تین سو[1] گز کے فاصلے پر مہلک زخم کھا کر گر پڑے تھے، ڈلس اور آلن میجروں نے جب ان سے سلطان کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ وہ محل میں ہے (بیٹسن صفحہ ۱۳۲)

میر صادق بیٹسن کی "ٹیپو سلطان سے جنگ" میں تاریخ تصنیف ۴ مئی ۱۸۰۰

میر صادق ارکاٹ کا باشندہ تھا، حیدر علی خان نے اس کو اپنے لشکر کے کوتوال کے عہدے سے اپنے دیوان کے عہدے پر بلند کیا، اس کا یہ عہدہ سلطان کے عہد میں بھی بحال رہا اور وہ بہت جلد سلطان کا واحد منظورِ نظر بن گیا، غالباً اس کو یہ امتیاز اس لئے ملا تھا کہ وہ سلطان کے ہر حکم پر عمل کرتا تھا خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو۔

"سرکارِ خداداد کی سب رعایا اس سے نفرت کرتی تھی اور ہر ظالمانہ فعل اس سے منسوب کرتی تھی

[1] قریب سو فٹ دوری پر، محمود خان صفحہ ۳۱۴

علاوہ

علاوہ سلطان کے سواسب کو اس پر غداری کا شبہ تھا اور سرنگا پٹم مفتوح ہونے کے بعد کسی شخص کو یہ باور کرانا محال تھا کہ اس نے انگریزوں کو دعوت[1] نہیں دی تھی۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسے سلطانی سپاہ نے قتل کیا تھا جبکہ وہ بچ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا اس کے جسم پر جس قسم کے بھیانک زخم لگے تھے، وہ اس روایت کی تصدیق کرتے تھے کہ سپاہیوں نے اسے اپنے انتقام کا نشانہ بنایا تھا ان کی نفرت کے جذبے کو اتنے سے تسلی نہیں ہوئی، اس کی لاش کھود کر نکالی گئی اور دو ہفتوں سے زیادہ اس کی توہین ہوتی رہی، مرد عورتیں بچے اس کے اطراف جمع ہو جاتے تھے اور سب قسم کی گندگی اس پر ڈالتے تھے اس غیر معمولی منظر کو بڑی سختی سے روکنا پڑا تھا،، (بیٹسن صفحہ ۱۵۷-۵۸)

میر صادق ولکس کی نظر میں

"نواب کے عہد حکومت میں وزراے مال اس ترتیب سے مقرر ہوئے تھے:-

کھنڈے راؤ، ونکٹپا وفات ۱۷۶۵ء، چنیا، اسد علی خان نایطہ وفات ۱۷۷۲ء، صلاحیت خان نایطہ اور میر صادق، صلاحیت خان کے بعد میر صادق وزیر مال مقرر ہوا، اس وقت وہ نواب کے لشکر کا کوتوال تھا، اس میں تین عہدے شامل تھے، بازار لشکر کا منشی، میجسٹریٹ اور ملٹری پولس کا افسر اعلیٰ،،

---

[1] ۴ مئی ۱۸۰۰ کے اس بیان کے مقابلے میں غوثی کا نومبر ۱۸۰۱ کا بیان ملاحظہ فرمائیں ۔

کی ارکان دولت ملی سکی سات ؛ بلای فرنگیا نسیں کرنیکوں کہات تمین مستعد سرکوٹ شکر تمام ؛ کرو کوچ جلد سوں لیو مقام (ص ۴۳ ب) میر صادق کی غداری کوئی راز نہیں تھی، اور اس کا ذکر کرنا کسی زمانے کا انکشاف نہیں ہے، لیکن انگریز اسکو برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی کہے کہ میر صادق کی تائید اور سازش سے وہ کامیاب ہوئے تھے، چنانچہ کرمانی کی اس عبارت میں "فراشے کہ حاضر بود واز نوشت وخواند بہرہ داشت بر آن کاغذ گوشہ چشم منحوس انداختہ دید کہ اول نام کاذب یعنی میر آصف معلوم در آن بود پس آن بدبخت منیہ با ملہ این خبر با در سانید وگفت این شب بر شما شب گور خواہد شد او بمجرد استماع این معنی بجائے خود خبر دار شد،، صفحہ ۴۹۰ - آخری جملے پر کرنل میلس بہ چراغ پا ہو گیا ہے اور تو تو میں میں کرنے لگا ہے، حاشیہ لکھا ہے یہ آدمی (This man) علانیہ طور پر خیال کرتا ہے کہ میر صادق اور انگریز یا اس کے بعض ماتحت افسروں میں خفیہ خط وکتابت یا خبر رسانی ہوتی تھی۔ صفحہ ۲۶۶

"Clerk of the market, police magistrate and prevot martial" (ولکس حصہ اول۔ صفحہ ۲۱۳-۲۱۲)

ارکاٹ ۱۳ر اکتوبر ۱۷۸۰ء میں فتح ہوا، اور بقول کرمانی نواب نے میر صادق کو ارکاٹ کا صوبدار مقرر کیا اور اس تقرر کے وقت میر صادق نواب کے بازارِ لشکر کا کوتوال تھا، ولکس بھی نواب کے زمانے میں میر صادق کے اس عہدۂ کوتوالی لشکر کی تصدیق کرتا ہے لیکن لشکر کی کوتوالی اور ارکاٹ کی صوبداری کی درمیانی مدت میں ولکس نے میر صادق کے ایک اور عہدۂ وزارتِ مال کا ذکر کیا ہے جو فتح ارکاٹ سے تقریباً سترہ مہینے پہلے ۲۷ر مئی ۱۷۷۹ء میں فتح کرپہ کے بعد میر صادق کو دیا گیا تھا

حاصل یہ کہ بیٹسن کا یہ بیان کہ میر صادق ارکاٹ کا باشندہ تھا اور اس پر محمود خان مورخ تاریخ سلطنتِ خداداد کا یہ اضافہ کہ پہلے سرا میں مقیم تھا، بعد میں ارکاٹ چلا گیا جب نواب حیدر علی نے ارکاٹ فتح کر لیا تو سلطنتِ حیدری میں ملازم ہو گیا اور ارکاٹ کا ناظم مقرر ہوا، یہ دونوں غلط ہیں، تاریخی طور پر جو حالات ثابت ہیں وہ یہ ہیں :-

میر محمد صادق ڈوڈ بالاپور میں پیدا ہوا اس کے باپ کا نام میر علی نقی اور اس کے نانا کا نام میر احمد خان تھا اور وہ مئی ۱۷۷۹ء سے کئی سال پہلے سے نواب کے لشکر میں کوتوال تھا، اور ولکس نے کوتوالی لشکر کو جن تین عہدوں کا مجموعہ کہا ہے ان کے پیش نظر یہ ناممکن ہے کہ نواب نے ایک اناڑی نوجوان کو اتنی ذمہ داریاں تفویض کر دی تھیں، اس لئے یہ قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے کہ میر صادق بہت کافی عرصے سے بلکہ ملازمت کی عمر کی ابتدا سے نواب کا ملازم تھا،

میر صادق کی صفاکی اور عیاری کی شاید اس سے بہتر مثال نہیں مل سکے گی جو ذیل میں درج ہے :-

یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ سلطان ان زیادتیوں سے واقف نہیں تھا جو کسانوں پر ہوتی تھیں، چنانچہ سرنگاپٹم کے قریب کے ایک مشرقی ضلعے کے کسان اس اعتماد پر کہ ان سے جو زائد رقمیں وصول کی گئی ہیں ان کا حساب گاؤں کے دفتروں میں صاف طور پر درج تھا اور انکی فریاد معقول تھی، چھ ہزار کی تعداد میں جمع ہوئے، اور پٹواریوں کو ساتھ لے کر سلطان کو اپنی مظلومی سے آگاہ کرنے پٹن آئے، ان کے وکیل سلطان کے سامنے پیش ہوئے حساب صاف

تھا

تھا، اس لئے میر صادق نے واقعات کو تسلیم کرلیا، لیکن اس نے یہ غلط بات کہہ دی کہ وہ ساری رقم نذرانے کی مد میں منتقل کردی گئی ہے! اور نذرانے کی کوئی حد مقرر نہیں تھی، لیکن خود وزیر کو اپنے اس جواب سے تسلی نہیں ہوئی وہ کسانوں کے پاس پہنچا اور انہیں سمجھایا کہ اتحادیوں کو تین کروڑ تیس لاکھ روپے دینے کیلئے حکومت کو اس وقت روپیوں کی کس قدر سخت ضرورت ہے، اور ایسے موقع پر رعایا کی یہ شکایت کہ ان سے زاید رقم وصول کرلی گئی، سلطان کے احسانات کی بے قدری ہے، اور سلطان ان سے ناخوش اور رنجیدہ ہوا ہے اور میر صادق نے کسانوں کو یقین دلایا کہ اگر وہ اس وقت بمقررہ محصول (۷ ۱/۲ فی صدی) پر تیس فی صدی زاید رقم دینے پر رضامند ہوجائیں گے تو آئندہ ان پر کوئی اور محصول عاید نہیں کئے جائیں گے، کسانوں نے میر صادق کی تجویز مان لی،

وہاں سے وہ سلطان کے پاس آیا اور اس سے بے بنیاد شکایتیں سننے کے برے نتائج پر گفتگو کی اور کہا کہ اس وقت محل کے دروازے پر کسانوں کا ایک وفد موجود ہے جو اس امر کا اعتراف کرنے کے لئے حاضر ہوا ہے کہ تیس فی زاید محصول دینے پر وہ اپنے ارادے سے رضامند ہیں لیکن ان کی صرف اتنی التجا ہے کہ "حکومت کی مبادلۂ زر کی دکانوں" کی وساطت سے محاصل ادا کرنے کی پابندی ان پر سے اٹھالی جائے اور تمباکو کی تجارت پر کسی ایک فرد کا قبضہ نہ رہے یعنے اسمٰعیل خان کا قبضہ جو میر صادق کا ذاتی دشمن تھا (Abolition of the monopoly of the money-changers shops of the Govt. and of tobacco.) اور کہا کہ ان رعایتوں کے بعد ممکن ہے کہ کسان ساڑھے سینتیس (۳۷ ۱/۲) فی صدی پر تھوڑی سے رقم اور بڑھا دیں، سلطان نے یہ شرطیں مان لیں،

میر صادق کی پھر بھی تسلی نہیں ہوئی، اس نے ان کسانوں کے خلاف ایک مقدمہ بنایا کہ جو زمیندار محاصل میں اتنا کثیر اضافہ ادا کرنے کی استعداد رکھتے ہیں اور اس کا زبانی اور تحریری اقرار کرتے ہیں، ان کا اس قدر ہنگامہ برپا کرنا اور حکومت کے روزمرہ کے کاروبار میں مخل ہونا اور افسران محاصل کے خلاف جھوٹی فریاد کرنا ناقابل معافی ہے چونکہ حکومت کا رجحان نرمی کی طرف ہے وہ صرف دو سرغنوں کو موت کی سزا دینے کی سفارش کرتا ہے چنانچہ دو وکیلوں کو جو پٹیلوں میں سب سے زیادہ دانا اور باعمل تھے حیران اور پریشان کسانوں کے سامنے پھانسی پر چڑھا دیا۔

(ولکس حصہ دوم صفحہ ۳۸۷ - ۸۸)

میر صادق کے بارے میں اوپر جو تفصیلی واقعات گزر چکے ہیں ان کو پڑھنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ میر صادق کا جو بھی اقتدار، غلبہ اور رسوخ تھا وہ صرف سلطان کی وجہ سے تھا اس لیئے اگر وہ سلطان کی شہادت کے بعد زندہ بھی رہتا اور بقول غوثی انگریز اس کو سرکار خداداد کا حاکم بھی بنا دیتے تو فرق اس قدر ہوتا کہ وہ ۴ رمئی کو مارے جانے کی بجائے حاکم بنائے جانے کے بعد مارا جاتا، علاوہ میر صادق خود بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ رعایا اس سے کس قدر متنفر ہے سلطان کے خلاف اس کی سازش کا اصل مطلب صرف یہ تھا کہ ع

ہم تو ڈوبے ہیں ولے تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے

۸۷-۱۷۸۷ میں سلطان کی میر صادق پر عدم اعتمادی، اس کے اثاثے کی ضبطی، اس کی برطرفی اور مجبوسی میر صادق کی تذلیل وتحقیر کی انتہا تھی اس کو "بالکل سطحی" سمجھ کر میر صادق کی سلطان سے نمک حرامی کی کوئی اور موہوم وجہ تلاش کرنا عبث ہے۔

فائدہ :-

نشانِ حیدری کے صفحہ ۴۰۳ پر اعلانِ واجب الایقان میں ایک جملہ ہے "نقول کتاب مذکور از ویلور بنز داکثر سرداران اینجا رسیدہ است" سوال یہ ہے کہ اس جملے میں اینجا سے مراد کون سا شہر ہے، ظاہر ہے کہ اینجا سے مراد وہ شہر ہے جس میں کیپٹن جیمس فریزر رہتا تھا، مدراس کی فوج کے جنرل جیمس اسٹوارٹ فریزر کی سوانح عمری کرنل ہیسٹنگس فریزر نے ۱۸۸۵ میں لندن سے شائع کی ہے اس کے صفحہ ۴ پر یہ عبارت ہے "جیمس فریزر ولادت ۱۷۸۳ جولائی سنہ ۱۷۸۳ (۱۷۹۹) میں سولہ برس کی عمر میں ولایت سے مدراس آیا اور نیٹو انفنٹری کی اٹھارہویں رجمنٹ میں ملازم ہوا، ۱۵ جولائی ۱۸۰۰ کو لفٹنٹ کے عہدے پر ترقی ہوئی وہ لفٹنٹ کرنل ماریٹ (Marriott) کا مددگار رہا جس کے ذمے میسور کے شہزادوں یعنے ٹیپو اور حیدر کی اولاد اور ان کے قبیلوں کو ویلور کے ۱۰ جولائی ۱۸۰۶ کے فساد کے بعد خشکی کے راستے ۱۸۰۷ میں کلکتے لے جانے کا انتظام تھا، کلکتے میں سر جارج بارلو (Barlow) لارڈ منٹو کے آنے تک عارضی طور پر گورنر جنرل تھا اس کی نظر عنایت جیمس فریزر پر پڑی ۱۸۰۸ میں بارلو مدراس کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے مدراس کی اٹھارہویں نیٹو انفنٹری کے لفٹنٹ فریزر کو اپنا ایڈیکانگ مقرر کیا اور ۱۶ نومبر ۱۸۰۹ کو

:جیمس فریزر

جیمس فریزر کو کیپٹن کا عہدہ ملا۔

کرمانی نے یہ اعلان ۱۶ رنومبر ۱۸۰۹ کے بعد لکھا تھا "سنہ اتمام نقل مذکور سنہ ۱۲۲۴ ابوذ" کیونکہ جیمس فریزر کے ساتھ کیپٹن کا لفظ لکھا ہے، حاصل یہ کہ جیمس فریزر کی فرمائش پر کرمانی نے نشانِ حیدری کے مُسودۂ مخشوش کا مبیضہ مدراس میں لکھا تھا، مؤرخ "تاریخ سلطنتِ خداداد" کا قول کہ "نشانِ حیدری" کلکتے میں کیپٹن فریزر کی نگرانی میں لکھی گئی، بے بنیاد ہے۔

غوثی کی زبان دانی اور شاعری

غوثی کی تاریخ دانی کا تفصیلی مطالعہ آپنے کیا اور اب ایک غائر نظر اس کی زبان دانی اور شاعری پر بھی ڈالئے غوثی کا وطن چنگل پیٹ ہے جو شہر مدراس کے جنوب مغرب میں چھتیس[۳۶] میل کے فاصلے پر واقع ہے اس لیے غوثی کی زبان دکنی مدراسی ہے اور یہ مثنوی مدراس میں اردو، کے تحت آتی ہے، لیکن اس کے مضامین کا تعلق میسور سے ہے اور اسی لیے ہیں نے اس پر اس قدر تفصیلی تبصرہ لکھا ہے۔ غوثی نے فن شاعری میں یکتائی، بدیہہ گوئی اور خداداد صلاحیتوں کا ذکر کیا ہے کہتا ہے سہ

میں اس رات کیتیں لیا تھا قلم — جو اظہار کرنے اچایا قلم
کیا نیں ہو دزدی شعر کس کیتیں — کیتی فہم سوں دُر پرویا ہوں میں
دیا نیں خدا ہر کسی کوں یہ فن — ہیں غوثی توں اس باغ کا پھول چن

غوثی کے قول و فعل میں کوئی مطابقت ہے یا نہیں اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو فن شاعری سے واقف ہیں، علاوہ شاعری میں غوثی کی فطری اور کتسابی صلاحیتوں کا مظاہرہ یعنے اس کی پوری کی پوری مثنوی کی نقل مطابق اصل اس تبصرے کے آخر میں شایع کردی گئی ہے، اس میں اپنی طرف سے کسی قسم کا تصرف نہیں کیا گیا جو قارئین بطور خود تحقیق و تلاش کے عادی ہیں وہ اس مثنوی کو اول سے آخر تک پڑھکر اس کی زبان اسلوب بیان اور فن کے بارے میں ضرور آزادانہ رائے قائم کرلیں گے پھر بھی میں تبصرہ نگار کی ذمہ داری سے غافل نہیں ہوں اس لئے ذیل میں بلحاظ الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ مجمل طور پر چند شعر پیش کر دئے ہیں جو قوافی، عروض، اسلوب بیان اور رسم خط کے اعتبار سے قابل غور ہیں :-

دیا نین خدا ہر کسی کون یہ فن ۔۔۔ ہي غوثی تون اسباغ کا پھول چمن ۔۔۔ ۵ الف
دلیری کون اس شاہ کی کیا کہون ۔۔۔ تہی رکسرا عدالت میں ممتاز جیوں ۔۔۔ ۵ ب
ہر یک ملک ہیں چال متعین کیئ، ۔۔۔ موذن خطیباں تعین کیئے ۔۔۔ ۱۰ ب
تہا شہ کا باغ لعل اس کا نام کہتي تہي سکل عالم ،، دہاں بندے عبادت میں رہتی تہی فاضل و عالم ۔۔۔ ۱۱ الف
رسول پیمبر عرب ذات ہیں ۔۔۔ نکالو تو اس عین خود ذات ہیں ۔۔۔ ۳ الف
انتھا علم نجومی بہوت ان کتیں ۔۔۔ فضیلت سزاوار تھی ان کتیں ۔۔۔ ۴ ب
مراد کر ظاہر توں کر سب کتیں ۔۔۔ خدا عاقبت نیک دی تجہ کو تیں ۔۔۔ ۵ الف
کتني بیلداراں زمیں کن اہتی ۔۔۔ کیتی سنگ تراشاں جبل کن اہتی ۔۔۔ ۱۷ ب
دو جا ایک لشکر بہی اسٹوٹ کا ۔۔۔ لي سر حد اتاہی اس باٹ کا ۔۔۔ ۱۸ الف
کہ یکروز کی نقل کہتا ہوں ہیں ۔۔۔ محمد نبی مجلس میں بیٹھی ہے کیں ۔۔۔ ۳ الف
حرکت کریں نا اپس ٹہاوں کیوں ۔۔۔ جدید یوم رزق کی فرمان سون ۔۔۔ ۴ الف
کہ مکتب میں ہوں جو طفلاں طریق ۔۔۔ سہل منجکو معلوم نیں کیا دقیق ۔۔۔ ۵ ب
سواری کرے اوسپہ جب شاہ نی ۔۔۔ پٹا سوندلي تول نکلی و آہنی، ۔۔۔ ۸ الف
کتنی ٹیک طفلاں کی خطنی کیئ ۔۔۔ جنو نکوں کیئي سیم وزر لي دي ۔۔۔ ۱۰ الف
رکھی تہی کفر سوں بہوت شاہ نی آر ۔۔۔ کہ بتخانہ کوں جیو نکہ کرتی اوخار ۔۔۔ ۱۰ الف
کتا ہوں درخت تونکی اب میں گنت ۔۔۔ نکچہ باغ ارم اس کی اکي جنت ۔۔۔ ۱۱ ب
تھی منڈوی اتھی داک کی زیبدار ۔۔۔ انجیر ہور خمرک اتھی بی شمار ۔۔۔ ۱۱ ب

مثنوی پیشِ نظر ہے اس کا رسم خط ظاہر کرتا ہے کہ یہ نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے ورنہ مصنف سے رہی سہی توقع بھی اٹھ جائے گی ۔

صفحہ

۱ ب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کہوں میں حمد سبحان کا جنی پیدا کیا جگ کوں
امر کن کا ہوا خیلوں کیا اظہار تر جگ کوں

اول حمد حق کا زبان نسوں کنا   دوجی نعت ہی اس حبیب کی ثنا
عجب تیری قدرت جہنکار توں   سنوار یا ہی کی دیا تمند انکوں
توں آپ اس چمن کا نگہبان ہے   توں مختار ہی سب کا رحمان ہے
کریم ہی توں قدرت سزاوار ہے   دونو جگ کا قادر توں کرتار ہے
بجز حکم آدم کتئی نوشس جو   کیا بہار جنت سوں آدم کوتو
۲ الف بجز سوں کیا نوحکی امت کوخوار   دیا نوح کشتی کی دریائی شمار
دیا تو تجہ یوسف کو یک شمع نور   کیا نور عالم ہوا اسکا ظہور
دیا داغ دلبر زلیخا کی نور   ہوی غم مسوں انی جوانی سو دور
دیکہا یا توں موسے کو خواہش نور   جو سرمہ بنیا جلکہ تب کوہ طور
حکم تجہ خلیل آپنی پر لیا   اگن دیکہ دہکاتی کوں گلشن کیا
ہر یک کو بزرگی کی کیئی معجزہ   ہدایت ہوی راہ اول رہے
جو تجہ حکم سیں اوا پس امتان   او ہر روز و شب کری تہی حکمتان
جو کچہ چاہی سو توں کرنہار ہے   سبھونکی دلونکا توں ادہار ہے
فلک توں ہی گردش تیری حکم پر   زمیں پر رکہیا اسکوں سرپوش کر
زمیں جبکہ تجہ حکم سیں تہر ہوے   توں چو کہونٹ کہوں کہو ہانڈ دیا برتری
اگر حمد تیرا کروں تا حشر   زباں میں نہ طاقت کرو نکیا فکر
تیرا حمد کہنی کیسے ہی سکت   بیان وار ہوی آ تا تیری معرفت
اگر لک زبان سوں کری کوی ثنا   نہو نیکی انو سیں تو ہی ربنا
محمد ہی غوثی او شافی تیرا   او بخشینگی سبکوں پہر دوسرا

تون منک غوثی مناجات اس کی درگاہ کی سمندر سون
عطا کا تون صدف پاویگا حق سے در رحمت کون

۲ ب آلہی تون غفار و جبار ہے — تون قادر ہی قدرت رچہنہار ہے
آلہی مین ناچیز بدکار ہون — تیری نعمتان سون شرف دار ہون
عزازیل تجہ حکم کون نا قبول — ہوا مست اپنی عبادت پو بہول
دیسا ار تو ریا سوا سکا وہ دول — یہی ہی مجی بہی قیامت کا حول
آلہی مین عاجز گنہ گار ہون — میری سب گناہان بخش دیکی تون دی
شب و روز تجہ دیا نگا نگن دی — او شیطانی فعلون سے منجہ امن
تیری ذکر مین رکہ منجی مستقیم — تون ستار و غفار رازق رحیم
دو پیا ہون گناہانگی دریا مین سب — پکڑ دست میرا رحم سون تو رب
میری یہین گناہان دریا کی مثال — تیری رحم سون سب ہوی پایمال
تیری بن نکوی منجی یار ہے — تون دو جگ کا پیدا کر ہار ہی
برکت سے تجہ دوست کی ای غفور — جہالت کون کر دور کرنا صبور
ہمن پر تیرا شکر واجب ہوا — محمد کی امت مین پیدا کیا
دیا ہی تون عزت مو تہی خاک کون — بہی نور پایا سے سجدہ دلایا ہی تون
کتا ہون نعت احمد مین دو جا کوی مصطفی ثانی
ہوی اکثر پیمبر ختم — تم پر راز رحمانی
محمد کون ایسا شرف تون دیا — نبیان پر ختم کر نبوت کیا
۳ الف رسول پیمبر عرب ذات ہین — نکالو تو اس عین خود ذات ہین
تیری جد سون اول تون پوتا ہوا — خبر تجہ دیا حقنی لولاک کا
کیا حقنی ای دوست میری نبی — کہ دو جگ کون پیدا کیا تجہ ستی
تیری نور سون تجہ کیا آشکار — تیری نور سون سب کیا گلعذار
کہ یک روز کی نقل کہتا ہون مین — محمد نبی مجلس مین بیٹہی ہی کین

ابوجہل آکر کیا یون سوال　　بہوت زشت دستا تمارا چ حال
محمد نبي بول یقین تم کهي　　سوا سو قت اصحاب مہ آئي تهي
کهي اي خدائي تو محبوب رب　　تماري شکل خوب دستی هي اب
چہار یار بولی حبیب خدا　　جواب ایک پر دو کو کہنا سو کیا
پیمبر نے بولي مین ہون آینہ　　جو ہی راست اظہار یون آینہ
کہ جنکي شکل ہي سو آئي نظر　　او کیا جاني اسبات کو پی خبر

محمد کي صحابان ہین اننکا مدح کہتا ہون
نبي کا دین ہوا روشن جنن خورشید چارو سون

اتهي چار یاران سو برحق بنیے　　ہوا دین روشن انن چار سے
جو حضرت ابوبکر صدیق یار　　رفاقت دئي ہین جو درمیاني غار
و دوسرے جي عمر پہلوان نامدار　　شرع پر ستي اپنی پیٹھي کون مار
۳ ب بچه تسری ہین عثمان صاحب ایمان　　وحي کون جمع کر بنای قرآن
ہین چوتهي علی شاه دلدل سوار　　کفر کون کیتي زیر مي ذوالفقار
جب ان چار سے یون ہوا دین کمل　　حشر لک ہي جاري نهین کچه خلل
نبي کي دل و جان و دلدار تهي　　ہر یکسں ایک کی او وفادار تهي
کہ اسواسطي هم نشیني دئي　　خلافت کا خرقہ عنایت کئي
اوني سي ہي جاري رسم انبیا　　خلافت بهي شجره بهي خرقہ چلیا
انو کي بزرگي مین نین کچه فریق　　دو خسري دو داماد عالی طریق
کہ ان چار سین جو کي راضي نهین　　هی مردود ملعون دوزخ نشین
جو کویي دل مین انسون بدیکون دہري　　کہ محشر مین انکون خلاصی نہوي
یو چارو ہین یاران سو برحق نبي　　کبهي اپنی دل مین نہ لایون بدي

محی الدین محمد کي بهوت پیارے اتهي دلبند
جلاي بهر سون اپنی دو پیا تها دل کا فرزند

محی الدین ساری ولیان پر ختم ۔۔۔ نین ایسا قطب کوی ثابت قدم

کہ محبوب تم کو کہا حقنی جب ۔۔۔ ہر یک لائق سو سیا تمارا ادب

کہ معراج مین تم محمد کتین ۔۔۔ دئی دوش اپنا اپس جد کو دین

ہین اولاد مین تم علی کی ولی ۔۔۔ ختم اولیا پر ہوی ہی مصیلی

یہ الف کوی غوث کا جب کی لیو انکا نام ۔۔۔ او جنت مین پاوی کا عالی مقام

کیسی ایک بد پیلون فرزند انتھا ۔۔۔ خدا سات کر اللہ اپچا یا تھسا جایا

کہ جب کہای پچپان تقسیم کر ۔۔۔ تیرا غرض حق نی یا سینیا سربسر

چھند اکر پچپیان کون جسیم انکاکر ۔۔۔ دیا بہیج حق نی بدری کا پسر

تون ہی غوث ایسا جو صاحب سرار ۔۔۔ تون سب خلق کا ہی حشر دستگیر

اتہی استاد میری بس مکمل فیض سر چشمہ

گویا کوثر کی پایا مین تھا بہرہ علم کا شمہ

میری تھی شاہ استاد محمد علے ۔۔۔ کرون کیا مین تعریف بیشک ولی

مکمل تہی استاد عالی قدر ۔۔۔ جو سب ملک مین نام انکا فشر

مین ناقص تھا ان پاس آیا وہین ۔۔۔ بہوت علم کی قدر پایا وہین

مدرس کتابانکا انسون ہوا ۔۔۔ مجہی وہ دیکہای ہین راہ ہدا

انوکی تصدق سین اب تک یہان ۔۔۔ شب و روز ان فضل کا ہی امان

فضل دن یو بہوت ہوئی لگا ۔۔۔ محبت کا اس تخم بو نی رکہا

کتابان ہارسی کی تھی ہوا تھا فیض بہو تو نکون

مدد انکا دیکہو لایا مجہی اس نظم کی راہ سون

تہی محمود بندر مین ملان شریف ۔۔۔ اتھا علم کا انکو والا ظریف

یہ ب اتھا علم نحوی بہوت انکتین ۔۔۔ فضیلت سزاوار تھی ان کتین

کہ سب فاضلا نمین فضیلت دہری ۔۔۔ جو تصنیف یک پلمین کلکی کری

کتب نحو و تصریف تصنیف کی عجب فیض انکا جو تعریف کی
جو تعریف ہین انکی کان لگ کرون کہ جتنی کئی توہی و تنی فزون
الٰہی تون کرنا کرم ان اپر ہی محشر ہین دی انکون عالی قدر
کیا ہو نمین احوال سب سربسر سرا دی کتابت جو دیکھی بشر

صفت درویش کامل کی گذر تھا انکا وادی مین
پہر ای روی دنیا سیون ارادہ خاص درگاہ سین

اتھی ایک درویش عالی مقام شب و روز تھا فقر و فاقی سیا کام
گذر تھا انوکا سو وادی منی انتھا قوت حق یاد ہادی منی
نکچہ او زبان سون کیسے نا کہین طلب سیم و زر کا نکچہ اودھرین
حرکت کرین نا الپس تہاون کیون جدید یوم رزق کی فرمان سون
تھا بندی علی شاہ مشہور نام شب و روز حاضر تھا خوئی غلام

اتھی یکدوست اومیری زیادہ ذوق دی مجکون
نہ تھا اس شغل کا چنتا چتائی شوق دی مجکون

انھوں حلسلی اوھیں دورد ایک
ھیں ساتویں ... مجالسین نیک

کہی دوست میری مجی تہی شتاب کہو خبَر شاہ کا بناو کتاب
رہنمار ایلور مشہور تر محمد غفور اسم انکا گر

کیا روشن دو باتو تمین جو تھا احوال پنہانی ۵ الف
مدد حق کا جو ہوئی وقت آیا رحم رحمانی

جو کچہ کہہ گئی ہین بزرگان تمام انمد کر گئی سو وصیت کلام
کہ ہی جہوتی دنیا یہہ پیغمبر کہ ہی سر پہ ہیسون آفتاب رہی دو گہری
مین یکرات سشونکی مشہور دشت پایا جو اس رات کون شہ خدا یون دیا
میرا ذکر ظاہر تون کر سب کتین خدا عاقبت نیک دی تجہ کو تین
مین اس رات کتین لیا تھا قلم جو اظہار کرنی اچانا علم
کیا ہین ہون دردی شعر کسلکتین کتی فہم سون ذرہ پرو یا ہو نمین

کہ مکتب مین ہون جو طفلان طریق — سہل تجکو معلوم نین کیا دقیق
مجی شوق تب بہوت ہوئی لگا — میری دلکا تازی او شگفتی ھنگا
ہون میر احسن اللہ کا غوثی پسر — چنگل پیٹ وطن ہی جو میرا نگر
دیا نین خدا ہر کسیکون یہ فن — ہی غوثی تون اسباغ کا پہول چن

قلم سے اب کہون قصہ شہادت اکبر ثانی
مبارک نام جسکا ہی شہادت جنگ سلطانی

تون قادر ہی قدرت تجہی سازوار — جو کچہ کام چاہا سو تون کردگار
محمد ہین دو جگ کی سردار تم — سبہی امتانکی شفاعتکار تم
ہم ایسا وسیلہ دیا ہی خدا — شفاعت کرین ہمکون روزجزا
٥ الف شہ دین امت نبی کی نظیر — بری فوج رکہتی شرع کی امیر
کہ نایب او شرع پیمبر اتہی — شرع پر او قایم نبی دین کہتی
شہ حیدر کی فرزند شہ نامدار — تہی سلطان سکندر کی جائی قرار
اتہی خوبرو یوسف با مثال — مشہر اتہی شہ نخال جمال
کیتی خوبصورت او شہکی انکی — جو ذری کو خورشید کیون کہہ سکی
شجاعت کا شہکی کرو نکیا بیان — اتہی پہلوانا نہین شہ پہلوان
ذرہ او شجاعت علی سے لیتی — مدد شہ کون حضرت علی نی دئی
جو ہمت کا شہکی کرون کیا بیان — ھی لاچار ہمت مین رستم جہان
دلیری کون اس شاہ کی کیا کہون — تہی کسرا عدالت مین ممتاز جیون
عدل شاہ کا بحر و بر کی اپر — اچہی شاہ نوشیروان سربسر
اگر کوئی مقابل ہوئی آ اتل — نہ لا تاب جاوین سپہسلان سکل
ہر اقلیم پر نام اتہا شاہ کا — اتہی ٹیپو سلطان خورشید سا
کہ سلطان کا نام اتہا روم و شام — بلخ اور بخارا نہین تہا شہ کا نام
عرب ہور عجم اشتہارا ہوا — بہی در چین ماچین پکارا ہوا

اتھا دبدبہ شہ کا ایران پر | کہ پنجاب تورانمیں پیشتر
۶ الف اتھا داب کا سیسے بنارس بجھار | اتھا رامہ سسر رام راجہ اودبار
تھی پوری ستاریمیں مشہورتر | جو سب ملک میں نام شہ کا نشر
خراسان دہلی بنگالہ پچھی | ولایت میں خوش حال فرنگیان اچھی
بہوت فرسون شہ کی فرنگیان غلام | شب و روز تھا دوستی کا پیام

نشیمن تخت حیدر شاہ پروہ تاج سلطانی
لوائی حکم جب تازہ کیتی مہر سلیمانی

ہوئی شاہ جب تخت پراو مقیم | منادی کیتی جابجا سب قدیم
بلائی وزیران کو اپنی تمام | لی آئی نذر وہانکی سب خاص و عام
وزیران نی بولی کہ ای شاہ من | کہ اب ملک پر تیرا ہوئی امن
لیئی شاہ پدرسون وہ ہیں کا باج | جو معروف بھی ربع مسکون پو آج
اتہی دو ندیان جیونکہ دریای نیل | اتھا شہر درمیان گلشن خلیل
اتھا قلعہ اس شہر کا بی نظیر | ہوئی قلعہ خیبر سا اسکا اسیر
اتہی اسکی رستی بھی سیراب دار | عمارت اتہی یک سین یک خوبتر
بھوت جابجا تہی خزینی مدام | تھی یاقوت و الماس جوہر تمام
شہر سب بھریا تھا خزینی سون یون | اتہی پی کنت شاہ اکبری تیون
کہون کان تلک میں بیان شہر کا | اتھا ملک میں شہر شہر سب بہریا
۶ ب اتھا محل اس شاہ کا دل فریب | کہ بی عیب تھا او اتھا خوب زیب
رنگا رنگ کی مسند بچھی جا بجا | عجب دل فریبی کی تہی پی بھا
لگی تھی قنادیل تاریانکی تیون | دکھی طاق میں شمع کافوری جیون
اتھا نقش آذرن بہرے تمام | اتھی سب عمارت سی بس زیب بام
ہر یک کوئی دیکھی عمارت کو دین | کتی یہہ عمارت نہ دیکھا ہون کین
تھا آراستہ باغ یک میوہ دار | ہر یک ڈال پر بلبلان کی ہزار

ہر یک ملک کا میوہ تھا بی شمار — زیادہ تھی میوی ہر یک نو بہار
چمن تھا وہاں کا بستان بہشت — او سارے چمن اسکی ای تھی زرشت
کہ یکروز او صاحب ہوشور — جوارکان دولت بلا ایسی کھر
لکھی ملک ہر یک سون آتی ہی چیز — روجی ای تک دیر اہی ہی نینر
سبب کیا جو محتاج انسدون رہان — مگر ساخت ہر یک کی کرنا یہان
حکم جب ہوا آئی کاری گران — ہر یک ملک سون سب بلای رہان
انھی روم کے اور تھی شام کی — بلخ ہور بخارا جو ایران سیی
انھی چین کی ہور ماچین کی — عرب ہور عجم کی جو آئی کیتی
ہوی ساخت ہر یک پیدا ران تمام — جو ہر روز جاری اتھا اسکا کام
۷ الف ہوی مستعد جب سلیح خانی جیون — صفا تھی شمشیر بجلی کی تیون
سپر ہور تلوار ہوی بی شمار — تفنگ تیر بندوق انھی کی ہزار
انھی آہنی بان شہکی الک — کری جانہ دشمن کی لشکر تلک
بری توپ بندی انھی شہر مین — دوازدہ گنت اسکی ہر سال سین
سوای اسکی توپان ہزاران ہزار — انھی پیش کوی بھوت بی شمار
کھان لکھ میں بستار اسکا کرون — ہر یک شمہ ظاہر بھی اسکا کرون
انھی ساخت ہر پارچی کی بنت — انھی قیمت اسکی ہزاران گنت
بنی تافتہ ہور مشروع تمام — کمخاب و اطلس حریر یکا کام
بنات اور مخمل بنی بی قیاس — تھا زر بافتہ ہور بری لباس
انھی قدر کی پارچی نامدار — رنگا رنگ کی ہر کسوتان بی شمار
ہر یک شی او سلطان دی ہی فرح — جو مشہور عالم ہو ہی سب لقب

رکھی سلطان نی لشکر زیادہ لعد اس شہکی
شجاعت کی جوانمردان انھی ہمسر اور ستم کی

اتھا شاہ کا لشکر بھوت بی شمار — گنت اوسکی لیو بیتو کی لک ہزار

اتھی او دلاور جو رستم کی سار — دلیر ہمیں رستم رکھی شرمسار
بھوت پہلوانان اتھی نامدار — شجاعت انو کی اتھی بی شمار
٧ ب ہنر مین تھی شمشیر کی بی قیاس — تفنگ تیر بندوق تھی انکی پاس
اتھی جیون جوانمرد او بیل مست — اگر آوی ہاتی کری اسکون پست
اگر جب او رنپر کہری شہسوار — دسی جیون چمن کی کہری گلعذار
عجب حق تعالی کی ایسے ہین کام — نخین کسکون ھی اسکی کاموں نکام
اتہی جیونکہ شیران شجاعت کی مرد — فتور کا پرپا دام اسپر جو سرد
کیا نلک شجاعت انو کی کہسون — ختم او ہوی تہی جو رستم پو یون
تہی ارکان دولت بسے نامدار — اتھا نام انکا بہوت اشکار
تہی سید محمد بدیع الزمان — وزیر کلان تہی امیر امان
رضاحب میر معین الدین کر — سپہ تی رکہی دلستی شاہ پر
کئی قسم لشکر کی تکریا نکو چار — ہر یک ذات کون ذات مین دیکہ سرتہار
اول فرقہ عالی جو سادات کا — دویم شیخ سیوم پٹھانانکا تھا
چہارم فرقہ سو مغلان رکہی — سوای انکی کیئی دیندارا ن کیئی
لباس ہر سپاہی کون تیری دئی — ہی دستار چیرانو کی کیئی
اتہی اسپ ترکی و تازی تمام — قواعد کیری تہمین سب خاص و عام
٨ الف اتہی جلد تیزی پرندی کی سات — کری او جو بازی پونکی سنگات
تیا برق سات اسکی کیا چل سکی — سبکتر زیادہ صبا او اچھی
بہوت اشتران ہور خچر تمام — کہ گاوان اچہی بار بردار عام
اتہی فیل ششہکی بہی کیتی ہزار — تہی شتران و اسپان سے کی بی شمار
بلند قد کاہاتی سفید ایک تہا — او فیلان مین سالار اسی ذات کا
لتی جب کہ سلطان ایسے موکر — دی نقد مالک کو خوشحال تر
سواری کری او سپہ جب شاہ نی — تیا سوندی تول فکلی و آہنی

سواری سیے او شاہ اتریکی جب | حکم فوجدار اسکون فرمای تب
کہ دیوی جو ہاتی اپس سوند سون | زمین پر دہری لا اپس سیف کون
ہنر مین جب حیوان اچھی استور | تو ساری سپاہی بچھیی پی ہنر

نہین کوی آجلک شاہو نسین حسب شرع ایماں پر

ہو آی سب مطیع و نکی وہ حق مین تھی اپی راہبر

آلہی جو حکمت تیری ہات ھی | خزینی جو قدرت کی کی دہات ھی
نہین شاخ آدم ہو پیدا کیا | ثمر اس محمد کون پیدا کیا
صدف جو کہ دریا کا کیا چیز ھی | جو گوہر سدا اسمین پاکیز ھی
حیدر شاہ سلطان کی والد کا نام | بہوت سیے شجاعت کی انپی ہی کام
۸ ب اتہی او دلیریمین مشہور یون | ہژبر انہ جنگی اتہی شمشیر تیسون
سخاوت سین او جب ہوی نیک نام | جیونہ مشہور حاتم ہوی ادم و شلم
نہین کسکی میراث حق کا فضل | جسی حقنی دیوی کری او عمل
کہ یک روز سلطان فکّر سیر چیون | دیکہی شہر اپنا ہی سب کونہ کون
کیتی بہنک پیکر ہوی تہی او دنک | کیتی مست ہو کر بجاتی تہی چنگ
بہوت پی شرابان ہوی چیونگ پست | کیتی پشتی تہی ہیچ می خانہ مست
کیتی راگ مین اور کیتی ناچ مین | کیتی عیش مین او کیتی کاج مین
کیتی بہوت محنت شقت مین تھی | کیتی پیش آرام پاتی اتھے
کیتی مین عبادت مین مشغول تر | کیتی جا کو مسجد می کرتی گذر
دیکہی جب او سلطان او مہر دل | کہی کر کی افسوس ہو دل خجل
محمد کی امت کی مومن اچہین | نہین شرطیون کا سمہ دین رہین
ہماری یہہ کامانسی ہم مین خراب | حشر مین بہی ہو نیکا ہمپر عذاب
ہماری یہہ فعلو نکا حق نی بدل | کر نیکا سو محشر مین سب پر عدل
ہمین اُنی کسو اسطی کیا گیئی | کہ صد حیف ہم کچہ نہین کیا گیئی

کہ گمراہ کون رہنمائی دلا   اندھیون کو یسون پھرانا بھلا
٩الف بلائی اپی شہ وزیران کو سب   کہی تم قبول ہو مین کہتا ہون اب
ارادہ ہی میرا کردن کام ایک   حکم ہی خدا کا بجالاؤن نیک
کہ مین ہور تمین ارو لشکر تمام   عبادت مین حق کی جو رہنا مدام
جو کچہ شرط اسلام ہی کا سو سب   یہ انا بجا اس ہمین ملکی اب
وزیران سب کہی کہ ایشاہ دین   تیرا حکم افضل ہی ہم پر یقین
کہی مرحبا شہکی سیرت اپر   لیئی کانسون یہہ راہ عالی قدر
شکر حق تعالی کی درگاہ مین اب   تیرا حکم کرنا ہمین چل کو سب
وزیران نی تسلیم کر شاہ کون   کہی ہمکون رخصت دیوی شاہ تو
تو خواہش ستی پیشوا بہار آ   گئی جب کی لشکر پو او یک ندا
امیران تہی افواج کی نامدار   بلا کر کہی سب کون او کام کار
کہ آراستہ کر کو لشکر تمام   ہو دہو ہو بر یک بجالاو کام
ہوا روز دیگر وہ لشکر تیار   سواری کئی جب کہ او شہریار
جو سب فوج ملک کئی ہین ادب   لیئی سب کا منجرا او عالی نصب
پھری اکو او شاہ دل کی اندر   پس و پیش تاری ہین جیسے چندر
تو شیرین زبان سے کہی یک سخن   بھی سینی مین عالم ہوی دل امن
٩ب کہی سب سین شہ مہربان رفیق   کرو کام حق ہوی تمنا شفیق
دیا بندگیکا جو عہدہ خدا   ہی افسوس ہم بندگی سین جدا
شریع پر چلو تم کمر باندکر   رسول اور خدا کی وہ فرمان پر
تلف ہم نہ کرنا عمر کون تمام   غنیمت جو کچہ کرلیئی نیک کام
بھلا ہی شریعت کرو اختیار   حکم پر پیمبر کی رکھنا قرار
کہ ہی پانچہ کامان خدا کی جو فرض   ہمین پر ہمیشہ ہی مانند قرض
شنیعت کی افعال کہی چہوربد   قبول شریعت پیمبر کا حد

یہہ سبب اختیاری کیئی خاص وعام　　ہوئی شاہ لشکر سون وہ نیک نام
چلی شاہ لشکر سون او با خبر　　کیئی ادو کامنہ خدا کا شکر
اچایی مناجات کر شاہ دست　　کہ دیدار دیی ہمکون جایی بہشت
آلبی جو غواص دریا ہینی　　توقع سو تیری غرق ہوئی ائی
برای محمد کی امت کون اب　　تیری دھیان مین رکہہ سدا انکون سب
ہوا اوز روشن نکل بھار آ　　کہی شہ وزیران کو اپنی بلا
منادی کرو شہر کی پیچہ مین　　جو ہی خانی ہین سو اٹہاو تمین
اچھی کمان اندیشہ جو کچہہ قوت کا　　گردون کا فکر انکی بہبود سا
١٠ الف کہی قید جان لگ نشہ تھی تمام　　ہوئی پاک سیر تمین او نیک نام
لی آئی جو لشکر کون اس راہ پر　　چلی خاص وعام انکی فرمان ہر
لباسان بنا مشرعکی مستقیم　　ہوی شاہ اس راہ پر خود مقیم
بھی کلمہ پر آئی محمد کا د آز　　کرانی لگی پانچہ وقت کی نماز
کہ رمضان کی تیس روزی مدام　　زکوت ہور حج کا و جانا تمام
رسومات اسلام مثل عرب　　کیئی تھی بناہ شاہ عالی نصب
عمل شاہ کیئی تھی جو قران کا　　حدیث اور و دلایل کی فرمانکا
دو جا کام ایسا کیئی شاہ ایک　　کہ اس کام سون جب ہوا نام نیک
دہ شادیان ہزاران کی شاہ کردی　　نکاح ہور منگنی لیتان کی لیئی
کیتی نیک طفلان کی خطنی کیئی　　جنو نکون کیئی سیم و زر بی دی
رکھی جب معلم دہ شاہ نی تمام　　پڑائی جو طفلان کون حق کا کلام
کہ پی دین کون دین مین لا تمام　　سبو نکون خوشی سے رکہی نیک نام
جہازان جو کورال بندر کی سب　　سفر مین جو کعبی کی تہی اوز و شب
کیتا نکون دلا خرچ کرتی اوان　　اگر حد جو ای وہان کاروان
رکھی تہی کنز سون بہوت شاہ ای از　　کہ بتخانہ کون چبو تلہ کرتی او جلر

١٠ب گوگون جو اکثر شکستہ کری | نکل وہانکی شیطان بہاگی کئی
کہ اس جای بنیاد مسجد دراز | صلوات و اذان تہا شب و روز راز
ہر ملک مین چال معین کئی | موذن خطیبان تعین کئی
عجب ہین جو عالم بہوت جنید ہین | کہ جب وقت مشکل کی ہین چند بین
کتیک شخص محنت نکر سک کی او | کہ شاید میرسین بہی بہتر ہین جو
دیکہی جب گروہ گدایان فریق | کئی طایفی کا جو فرقہ طریق
فقیرونکا پی عیب درجہ ہی تر | نہین جانتی ہین جو اوی خبر
سخن یاد سعدی کا مین ہلا لیا | ہوا کیا جو کعبی کون خر نی لیا
کہ درویش جو گوپا ہوی ملک پر | دہری عیب لاکر فقر ملک پر
دیکہی شاہ نے درجہ فقیرونکا ہین | بلاکر کہی سب فقیرونکی تین
نکای بزرگون کو ششہ یکطرف | رکہی حفظ اتبہ بہ حسب شرف
دئی شاہ نفقی کی سب خرچ کون | حرکت کرو نا اپس جای سون
گئی تہی جو درویش کی حال مین | کہی مین جو کہتا ہون تم چال مین
کرو چاکری اور چہورو خیال | کہ محنت سی کچہ کہاوتا ہوی حلال
دری در جو پہرنا نہین تم روا | روا ہین ہی تم مانگ کہاتا ارا
١١الف سنو مین کہو نہی عرب کی یہہ چال | حرام اس سمجہتی جو اوی سوال
کہ لنگری و گنگی جو بصران انہی | جوانمرد و پیران بہی طفلان انہی
بلا پیشوا کون کہی شہنی تب | موافق جو روزی کرو انکی اب
سوای انکی معذور تہی سو جتی | بٹہی تہار پر کام انکون دی
ای غول چلیا ہی تون کس راہ پر | ہوی راہ کم تجسون ین تجہ خبر
شکایت فقیرونکی کہتا ہی تون | بزرگی ہی انکون پیغمبر سی یون
صفت شاہ کی کر ہو سکی کر بیان | زبان سون تون یہہ باغ کی داستان

تہا شہکا باغ لعل اس نام کہتی تہی سکل عالم

وہاں بندی عباد تمیں رہتی تہی فاضل و عالم

کہ ارکان دولت بی آئی جو کت چلی شاہ کی ملکو کر مشورت
کہی کہر جا کو دریا کی تہار پر حکم جب ہوا یہی اپس تھار پر
سخن جب دین سون کئی وارجب خدا شاد یی کام تھا سون اب
کہ خطبہ جمعہ کا جو کس تھار پر امر ہو میکا تیون کرین سب بشر
مبارک زبانسون دئی شاہ نی فال پدر کی زمان کا جو ہی باغ لال
کہ آراستہ باغ کرتا ہون اب نماز ان کرانا تمین چل کو سب
ہوی شاد جب او وزیران تمام جو برخاست ہر وہان کئی خاص و عام
۱۱ب کرون ابتدا باغ کی داستان بلائی ہر یک ملک سون باغبان
ہر یک شہر کا او منگائی تخم لگائی اسی چونکہ او باغ ارم
ہوا جب حکم باغبان کون تمام کہ جاری کرو جو کہ اپنا ہی کام
دہ چند روز میں باغ ہو میوہ دار ہر یک ڈال پر میو لگتی ہزار
کتا ہون درخت تو لگی اب میں گنت بغچہ باغ ارم اسکی آئی جنت
اتہی آم کی وہان درختان تمام بہی اخروٹ تہی فالسے صبح و شام
چلو ترہ و نارنج شہتوت اچھی انار و اناس لیمون کیچی
تکی مندوی اتہی داک کی زیور انجیر ہور خرک اتہی بی شمار
پہنس ہور کاجو اتہی بی حساب تھلان نیشکر کی کرون جی حساب
اتہا سیب اس باغ میں نامدار بہشتی ہر یک میوہ تہا بی شمار
اتہی جام چمنہ بہی خرما یقین پستو یہ بہی اور نارنج چین
چمن تہا بہی اس باغ کا دل فریب اچھی جیونکہ رخسار محبوب زیب
کیتی قسم ہے اسکی درمیانی گل تہی بلبل فدا جان سین اسپو گل
اتہا شور وہان بلبلان کا تمام کہ بلبل کو گل یون دیے میکا جام
گل لالہ نرگس گل سیوتی بنفشہ و ریحان و دونہ مینی

١٢الف کہ چمپا چنبیلی وہ مگرا اتھی | بھی سوسن وہ مروا گل گل کہتی
کیتی جنس کی طیر اس باغ در | متقاسان کیتی تھی ہر یک شاخ پر
وہ طوطی جو جامہ کیتی سبز تر | بھی منقنہ جو دالی سرخ موزہ پا
کہ مینا نی کسوت کری جیوں سیاہ | کہ ملکہ بات جکسی سون زردی لیا
جو بلبل پہنی پای جامہ وہ لال | وہ پیشواز اودی سیتی سرپوشال
کہ کویل نی برقع سیاہ اوپر کر | یی آئی خوشی آم کی او جر
بگلی جو آئی ہو کھا دھر پچہل | سفیدی کیتی سب ابا سان سکل
ھما بی سو او شاہ سب طیر کا | ہمیشہ تھا اس باغ کی سیر کا
ہر یک برگ پر یوں کیتی ھی گذر | رہین او تبنگ جیوں شمع کی اپر
اتھی باغ مین جب پرندے تمام | بسیرا کرین آکر او صبح و شام
اتھی نہر جاری جیوں آب حیات | ہر یک موج آوی پونکی سنگات
پریان باغ رم کی دیکہہ اس باغ کون | خجل ہی اپس مین ہو خاموش
کہی دل مین افسوس اس باغ پر | کیتی مین نظر ھم جو پای خبر
غنچی یون دہکی تو کر اب کشاد | محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت رہی تجہ شاد

حکایت کہ یوں خطبی کی پہیدان خطہ جمہ کی
وہ لی لشکر پہری سلطان جمجمہ چو نخچ کعبہ سا

١٢ب جو سردار لشکر کی تہی سب جتے | کیتی شہ طلب وہ وزیران و متے
کہی سب سون تب شاہ او نیک نام | کہ تیار لشکر کرو اب تمام
تمارے سخن مینی کہا تہا سخن | ہوا باغ تیار اے خوش بچہن
کہ بادین جمع کہاہی اب نیک روز | جو خطہ پرین جلنا ای دلفروز
وزیران نی بیچ بات سون بی بہا | وہ ہر خیر ہو سب کیتی مرحبا
رضای چلی سشہ سون او ہر شتون | کیتی حالہ لشکر مینی نیک فن
حکم دو سریون ہوا شاہ کا | جلی کوچ کا جب بجیا جا بجا

بچہ سینی میں لشکر ہوی شادمان
سواری کا اب تون او کر داستان

محل سین نکل شاہ تب بھار آ
بھوت خوش اہی شہپو عالم فدا

سواری دسے شاہ کی بھوت زیب
سواری سون عالم ہوی دل فریب

او شاہ کی نکل نی کا عالم میں شور
ہوی شاہ اپر چھو نکہ عالم چکور

سواری کی آگی چلی نیزہ دار
ہزاران دو بازو کون پیدل سوار

سواری دو شاہزادہ کی لی چلی
جلو سی رکہی شہنی انکو انگلی

کی فرسنگ پر شاہ کی چلتی تہی دل
زمین خم ہوی جب اپر پانیر گل

وزیر انگی ہور دیے رکہی شاہ گیتی
رہی شاہ آنگی امیران پچھی

معاللہ بہی آنگی نقیبان چلین یون پکا
سواری کیا آج بچہ شہر یار

لگی باجنی کون جہنا جہن طبل
چلی باجتی ڈنکی طاسے سکل

شہنا یاں گیتی قسم کی باجنی
اذان اور صلوات کی کاجنی

چلی باجتی پیش باجی گیتی
جہانمین جتی ہیں سو باجی وتا

کی لیکو لشکر کون اس باغ پر
تعجب رہی دیکھ اکثر بشر

گیتی شاہ کی آگی او فراش تب
بچھای تہی اس باغ میں فرش سب

حکم جب ہوا شاہ کا پتہین تمام
بحث اور تقریر ہونا کلام

ہر یک علم کا بحث ہوئی لگا
حدیث ہور دلیل کا پکارا ہوا

بچہ سینی میں عالم ہوی باغ باغ
گیتی نا پکاران رہی داغ داغ

موذن کیا جب اذان کا آواز
او شہا سب دہ لشکر برای نماز

وضو کر نمازان بھی سنت گرے
منبر پر خطیب آکو خطبہ پرے

خطیب لیکو خطبہ لگی کھول نی
رسول خدا کی صفت بول نی

بھی خطبہ کی بعد از جماعت میں آ
خطیب آکری رہی امامت کی جا

دوگانہ ادا کر خدا کا فرض
مناجات حق سین کرین یو عرض

الٰہی تو دن اس شاہ کی سلطنت
ہمیشہ تضاعف کری منزلت

۱۳ب واجب که شکر ہوا خاص و عام
سب اداب شاہ کو کئی ہیں تمام

تو باجی خوشی کی لگی باجنی
بھی خطبہ کی نذران دی سب جنی

دھنا دین خوشیکی تہی زبان جو بستی
غریبان کون زر پارچی بھی بٹی

سواری کئی وہان سون او شاہ جب
چلی باغ سون شاہ لشکری تب

گئی شان سون او گئی شہر مین
سو مشتاق عالم اتہا نظر مین

جب او شاہ سلامت سون پونچی مکان
وہ قربان طبقان ہوئی پی کمان

ہوئی شاہ داخل محل مین او جب
کئی شکر او حق تعالی کا تب

الہی جو قدرت تیری ہی عظیم
عجب حکمتان ہی تیری یو حکیم

ہوا نین جمعہ عید خطبہ خطا
نماز پنج وقت کی کئی نین قضا

ملک اور لشکر وہ شاہ کا تمام
عبادت مین حق کی اتہی صبح و شام

سنیا ہون بباشہ عبادت کئی
موافق اینو کی نہین کوئی بوری

بہوت تہا ملک سلطان کا اتہا امن و امان سکون
فلک نی جب حسد لایا متکالیا دشمنان تبکون

بہوت لکو توری زبس دین جو
اتہا ملک شہ کا اتہارا کرور

جو شمشیر کی بل سون شہ کی پدر
فتح بہوت ملکان کئی سر بسر

سرشتہ بزرگونکا ایساچ ہی
بیتی داشت چہوٹو نکون کا نکوئی گری

۱۴الف سوائی شاہ کی ہوتی موئی جب پدر
پہری جیونکہ مجنون او لیلی لگر

اتہی شاہ دانا بہوت پی بدل
کئی سال پچیس اپنا عمل

قدر تہی جو اسلام کی شاہ پاک
شفاعت کی محشر مین احمد کی آس

ہر یک ملک پر نام شاہ کاچ تہا
جو روزی کون ہر کوئی اتاج تہا

مشجر دشمنکی اچہنکی سائی طریق
تہی اولاد آدم پو اکثر شفیق

نزدیک شاہ کی بہوت فاضل تہی
او عالم شب و روز عمل مین اتہی

ملک اور لشکر او شاہ کا تمام
خوشی اور ارام پائی مدام

یکایک ہاتف کیا یوں نظر　　دکھایا تھا موسے کوں چونکوہ پر
حسینا جب او تحریر کری قلم　　کہ تقدیر سب کا اچایا علم
فلک کیچ نگاہ ہی پر یک کام پر　　اشارہ کیجی کا کرے سربسر
نحیں شرط الزام اوسپر اتا　　کہ تھا ر قدرت کا چشک خدا
وزیر انمیں شاہ کی اتھا ایک خر　　اتھا نام اس میر صادق گلر
او آل نبی کا کیا نام بد　　قہر جب خدا کا ہوا اسپو حد
دکھایا میر کاذب او شہ سوں بدی　　سخن اسکا شہ نی نہ ٹالی کدی
کیا تھا فتور او فرنگیا فسون تو　　کہ ظاہر میں شہ کی اچھی دوست تیوتی
لہ اب او بد بخت کوں شہ کیسی سرفراز　　کہ حشمت میں مختار زبان اسکی دراز
کہ جب شہ نی بوجی خیانت فکر　　سنا میں ہوا توں فتوری گلر
کیا میں ہوں پروردہ شہ کا غلام　　اچاتا ہوں اب میں خدا کا کلام
اتھا شاہ کا صدق قرآن پر　　امر ہور نہی کی وہ فرمان پر
نہ شہ کا گمان رہ سکا اس اوپر　　مقدر پو باندی شہ اپنی نظر
ہریک کوئی توقع خدا پر دھری　　خدا عاقبت نیک انکی کرے
جو سلطان سوں او بد ہیوں نا رلیا　　کہ نامہ فتوریکا بیشک لکھا
کی ارکان دولت ملی اسکی ساتھ　　بلائی فرنگیاں تحسین کر نیکوں کیا
تمیں مستعد کر کو لشکر تمام　　کرو کوچ جلد یسوں لیو مقام
سخن ہی جو بالا میرا شہ کینی　　حکم ہی میرا سب او لشکر منی
کہ یک قول میرا تمارے سوں کام　　تخت شاہ کا نصف دنیا تمام
چلایا جو پوشیدہ نامی کو اُن　　ہوی خوش فرنگیاں او نامی کو سُن
فرنگیان ہو خوش حال نامہ لکی　　توں جیسا کہیگا حکم میں تیری
دیو یکا پٹن ہملوں توں فسوں　　خزینی جتی ہیں سو اس شاہ کون
دیو یکا پٹن ہملوں یو فقد سوں　　خزینی جتی ہیں سو اس شاہ کون

١٥الف غرض نین جو ہمنا ملک مال سون | اول شاہ کو دیے ہو سلطان تون
تجے دیونیگی تخت شاہی تمام | کر نیگی سلامان تجے صبح و شام
روانہ کیئی جب او نامہ تمام | ہوا شاد ناہي سون بدبخت حاکم
ہمیشہ دو جانب رسایل دیکہی | ذری دل مین حق سون نہ او پردہ پائی
کیا دوستی او فرنگیان سون جب | خدا کا ہوا ہی کنہہ کار تب
فلک کی ہی گردش ستارونکی چال | نہ دولت کسی کی نہ رہی ملک و مال
عجب وقت کای حادثی ہین نشر | کریا خلک اب آکو ہی سر اپر
بہوت وقت سون سب سخن تہا بھلا | سنو گوش دھر کر زبان ناہلا

فرنگی جب کیئی سلطانپو سبقت خلک کرنی یون
مشیر اپنی سین بھیجیا تہا کمک اسلام کی اکرن

ذلہی جو خواہش تیری ہی سو تون | کری کام جیسا جو تجہ بہای تیون
برا ایک تہا سب فرنگیان کا سر | کیا سب فرنگیانکون تب یک امر
خیافت ہی سبکی تم آو مکان | ہوی شام ہو جمع پوہنچی ٹھکان
بچھایا نوادر کی خوانچی تمام | کرسیون پو بٹھایا دہ کہای طعام
او جب مینز کہای لئی دست جام | فراغت ہوی لیا فرنگیان تمام
شرابو نکی پیا لیون مدہوش ہو | اپس مین ہو ساقی بکس ایک پی
١٥ب فرنگیان کا سرخیل انسون کہیا | سنو تم سخن یک کہون پی بہا
شہنشاہ شاہو نکی او شیر نر | کہ ہی ہم انکا بسا شہر پر
مین بھیجیا ہون نامہ دہ کاذب کئی | ہوا ہی فتوری ہمارا آدمی
یہ سن بات خوش ہو فرنگیان تمام | کیئی آفرین عقل پر خاص و عام
ہوی مشورت سب کی یک مختصر | ولایت کو نامہ لکہی سب خبر
ہماری پو یک مامور بھیج آب | جب آراستہ کام ہویکا سب
جو نامہ دہ پوہنچیا ولایت کو زود | اتہی انجمن سردار دانا فزود

سنی سب فرنگیان بائل کران جب ‏ ‏ ‏ تھا سردار انکا دیکھیا انھون تب
اتھا ایک فرنگی ولایت مین نام ‏ ‏ ‏ اتھا نام جارس فرنگیان مین تمام
بلایا جو خلوت مین جارس کو ان ‏ ‏ ‏ حکم تجکون آتا ہون تک بات سن
ملک بی عجم کا تو اب سیر کر ‏ ‏ ‏ چلیا جا کر باد سلطان پر
سنیا جب کی جارس وہ حاکم سو بات ‏ ‏ ‏ گیا او فکر بہوت اندیشہ کی سات
کتا ہی تون شہپر منجہی چلکو ہا ‏ ‏ ‏ ذرا سن دلیری او شاہ کی اتا
جیون ہی شیر سلطان شیر دنگی ‏ ‏ ‏ کی ایسی دلاتون جو ماریچین لہیر
اگر ہین وہ سلطان پر چلکو جا دون ‏ ‏ ‏ نہویکا ہیر اپچہ فتح کا ہی نادون
۱۲۹ الف کر او شہ کی تا ای تکیں کسکو نہ ہم ‏ ‏ ‏ دلدہید رشاہ ملک عجم
گیتی فوج مشہ پر روانہ کیا ‏ ‏ ‏ میسر پری ہور واسن کون رخصت دیا
اول کام کچہ ہین انو سون ہوا ‏ ‏ ‏ پری جیونکی او گرد نالہ کیا
کہ لاچار ہون ہین اب ہی تیرا ‏ ‏ ‏ تون حاکم ہیا سردار پیشک میرا
وہ حاکم دیا حکم جارس کون تب ‏ ‏ ‏ امر اسکا غالب فرنگیان پو سب
ہوا جب فرنگیا ہو جارس برا ‏ ‏ ‏ کیہ چینا پتن کون وہ نامہ لکہیا
حکم ہی میرا سب پتن شہر پر ‏ ‏ ‏ تماری پو عہدہ میرا پیشتر
جو کچہ فوج ہی او ہماری تمام ‏ ‏ ‏ برے ایک مسکان پر کرو سب مقام
ہزارون سون پیدل فرنگیان لشر ‏ ‏ ‏ ایدی بہیجلا ہون جہازان اپر
سلیخ خانی تیار کرو لشکرہ ‏ ‏ ‏ نہ پر کم رہی جنگ کی وقت بہی
تیاری بھی لشکر کی جنگی کرو ‏ ‏ ‏ ہین آتا ہون جلد سون بیلی کرو
لکہیا اکو پوچہیا وہ جارس کا جب ‏ ‏ ‏ فرنگیان حرب کی فکر مین تھی تب

غفور سون میرکاذب نی کیا مستعد دشمن کون
بہوئی نادر فرنگیان سب لکہی مکتوب سلطان کون

فرنگیان نی اس شاہ سلطان کون ‏ ‏ ‏ لکہی ایک نامہ جو ہی شاہ تون

تم ہیں شاہ سلطان عالی قدر   تمن داب شاہی کا سب ملک پر

١٦ اب تمین شاہ ہماری ہم بندی تمام   بھی عرض خدمت میں تم سوں کلام

فراسیس ہماری ہیں سب دشمنان   گئی اب انگون اپن مخلصان

نہیں شرط ہی دوستی کا سواب   نکالو فراسیس دشمن کون سب

وہ بخشو بھی کور پال بندر ملوک   اگر جنگ چہتی نہیں ہی سلوک

دیا پیک سلطان کون وہ خبر   بری جب کی نامہ لکھیا مامور

تھی جب وہ سلطان نامی کون سن   کیسی یہہ لکھی نین فرنگیان سخن

جواب ایسا لکھی سلطان کرون تم ذات کون عالی

پہوس سین فرنگیان پر رہی ترسان و لرزانی

لکھی یون وہ سلطان مخالف کون تب   کہ تون سب فرنگیان میں داناھی اب

یو سن بات میری تو دانای چہند   فراسیس کو نہیں کیا نین پسند

ہنرمند اس ذات کی ہوشیار   بلایا میری غرض کی کام کار

گئی ہیں وہ آمد بھوت روز سون   پدر کی زمانی سون ہی چال یون

نہیں بھوت بھولی ہیں اپنی کون لیون   میں فرزند اس شاہ حیدر کا ہون

میری کیا پدر کون نہیں جانتی   شکست کیا کو گئی بار نین مانتی

جو اگر پدر میری تلکہاٹ پر   قتل بھوت کر گئی تمن لاٹ پر

او بہیلی کون تکل پرم پاکس پر   گئی مار لشکر سکل تل اوپر

١٧ الف بھوت فوج کون وہ ستی مار کر   بھر لہو کی دوری شکلی خاک پر

جو او کام اول کا ماضی ہوا   اتا پھر کرون کام حالی نسوا

گئی قید بہیلی کو جب میری جد   سوای اسکی جنگان کری پی عدد

جنونی بجای تمن پر کہر کے   گئی تم گریزان شکست ہور سرکے

جواب میں پسر ہون اسی شیر کا   خدا پر توقع ہی میری اتا

بھی معلوم ہی سبکون میرا حرب   تماری ولایت پو میرا ضرب

اگر جنگ رکہتی ہین میر سون کام
نہین کچہ دونگ کی چلی او عام

لنگر مین مارو نکا تھل پر تمام
نکل جاوین کہہ بہاگتی صبح و شام

بہی چن چن کی مارون تمن ذات گون
تراشو نکا سب بیخ و بنیاد سون

نگہباش کا دیکہی فرنگیان تمام
رہی بہوت دہشت مین ساری مدام

لکہی سب دہ عدراس کی ہر مقام
خطان فوج ہر یک کو آنا تمام

دو بی شہر ار کاٹ او ویلور کر
سکل فوج آوی او یی ٹھار پر

مشیر کون اسیوقت نامہ لکہی
تون صاحب ہمارا ہی نوکر تیری

تون کرنا مدد ہمکون اسوقت پر
جو سلطان سون جنگ ہی پابر سر

ہماری ہین پیدل رسالان چہی ہزار
کمک سات اسوار چندین شمار

۷۰ اب سلیح خانی جنگی کتی دی کو سات
ہزاران سو اسباب بہیجو سنگات

روانہ کرو یک امیر خوش چلہن
بجالاوینگی ہم کئی ہین بچن

او قاصدنی جا کر دیا یون خبر
مشیر نی کہا مین کیا ہون فکر

مرتہی دئی انگلتین یون جواب
مدد کسکون نا ہم کرینگی شتاب

تمہین ہین جو ابن الغرض خاص و عام
غرض سون بہی کرتی ہو اپنا پیام

فرنگیان ہر یک ٹھار خطان چلا
ہر یک ملک سون فوج سون اپنی بلا

دئی دین پہ فوجان جمع آن کر
ہی آکو ویلور میدان پر

تیاری بہی لشکر کی ہونی لگی
ہر یک ملک سون آئی سب لشکری

فرنگیان ولایت کی چندین ہزار
ہی آکو اس ٹھار ویلور بہار

کتی توپ جنگی پیش سون لی چل
دہ بسیار باروت کو لی لی بہل

سلیح خانی جنگی کتی لیکو سات
کتی توپ گرنل لی آئی سنگات

کتی بیلداران زمین کہن اتہی
کتی سنگ تراشان جبل کہن اتہی

کی اسباب لشکر کی لی اپنی سات
کی ہتیاد جنگی لیئی اپنی ہات

رسد لشکر و کی سو چندین ہزار
بہی لشکر مین دوکان چلی پی شمار

کئی مستعد جب وہ لشکر تمام ... نہ پرکھ رکھی چیز پر یک سوں کلام
۱۸ الف یکایک حارس کی آیا پیام ... ملی جا کو حارس سوں بہتر تمام
کیا وہ فرنگیاں سوں حارس نی جب ... جو مستعد لشکر کرو اپنا سب
حکم سوں وہ حارس کی لشکر تمام ... ہو تیار آکر کئی ہیں سلام
تو حارس لکھا جلد اسٹوٹ کون ... جو سب فوج پٹنا ہی کی لیکو تون
شتاب آو ہو مستعد اس شہر پر ... گئی ہیں ہمیں کوچ سلطان در
چلی جب فرنگیان ویلور سوں ... وہ پونچی یکا ایک انبور کون
آیا میر عالم اپسی تھار پر ... ملیا اکو حارس کی لشکر بستر
ملیا میر اوا کو حارس سوں جب ... ہوی صبح فرنگیان نی خوش حال
دیا مصلحت میر عالم کلام ... کرو کوچ جلد سوں لشکر تمام
گئی کوچ جلد سوں وہ سربسر ... گئی بہوت جلد سوں اس گہاٹ پر
دیا جا کو قاصد نی شہ کون خبر ... فرنگیان چڑی گہاٹ پر سربسر
دو جا ایک لشکر بہی اسٹوٹ کا ... یہ سرحد اتا ہی اس باٹ کا
تب او شاہ بلاکر وزیران کیتین ... حکم ہی تمار پیو کہتا ہوں مین
تمین بہی ہزاران سوں بہیجو سوار ... کرو قتل تم سب فرنگیان کو خوار
لی باروت گاڑی کی توپان سنگات ... بہی شمشیر بازی کرو اپنی ساتھ
۱۸ ب روانہ کرو تم اتنی فوج کون ... بچی بہی ذرا جنگ اسٹوٹ سوں
لی باروت گوپی ہزاران کی بار ... گئی حکم پر بہوت شہ کی سوار
گئی فوج پکی سوں حارس اپر ... اگی گہاٹ سوں تین منزل لگہ
اتا وہ گذر بہان اگی لی بیان ... دیی اسٹوٹ سوں شہ کی جنگ کا
ہوا جنگ بسیار اس تھار پر ... نہ لا تاب بھاگیا وہ جنگل بہتر
گئی روز جنگل میں بہٹکیا اتھا ... اس اطراف سلطان کا لشکر جتنا
بھگا یی جب او شاہ اسٹوٹ کون ... گئی جنگ حارس سوں دو کرا تھا یون

دیکھیا فوج شہ کی ہر حارس نی دنگ　　ہوا کیا برا کر پرا کر بتنگ
چلیا راہ کو چھوڑ وادی تبنگ　　وہ جنگل مین پر کر ہوا زرد رنگ
اٹھائی تھی گھوڑ بی سواران تمام　　قتل کری چھتی تھی ہوی جلد شام
قضارا یکایک وہان پیدل ملی　　گئی خوب جنگہ پھر وہان سون چلی
فسنگ آ سواران کری چون تتنگ　　وہ یکبار چھوڑی انو پر فسنگ
گئی قتل پیدل اسے تھار پر　　زمین وہان تھی سو کی ہوی لہو مین تر
کیا تھا جب حارس نی جنگلی جنگل　　کبھی رات چلتا کبھی دن نکل
نہ تھا ملک جو آرام انگون تمام　　وہ سلطان کا پیم اٹھا صبح و شام
۱۹ الف گیتی روز ایسی چلیا او سفر　　کیا گھاٹ تب گلشن آباد پر

گئی تھی جنگ سلطان نی عدو سین خوب گونا گون
فتور اکثر ہوا جا مذلت چند شاہا نگون

عجب کچہ بچہ کا مان ھی کرتار کی　　جہان کون او چاہی تو خالی کری
فتح ہور شکست ہی تیری ہات مین　　شکست پر کسیکون دیوی بات مین
بلا شاہ وزیران کون کر مشورت　　کہ او شاہ دانا گئی یونچہ گت
رچی لاکو توپان کہ شہ داد کر　　گئی قایمی گلشن آباد پر
اتھا شیب اس گھاٹ کا مستقیم　　اتھی فوج چندین ھزاران مقیم
گیتی کیک سواران اتھی چند بار　　گولندا ز چندین اتھی باندار
گیتی چیز جنگی کی تھی بر مزید　　اتھا روز او چون شہادت کی عید
لی لشکر کون حارس نی رس گھاٹ پر　　مقابل ہوا شہ کی آ سر بسر
ہوا ابتدا جنگ سلطان سون　　پسر شاہ حیدر کی سلطان سون
وہ توپون کا آواز اسطور تھا　　برق چون خدا کا قہر سون ہوا
اندر وہان ہر اسپ دہوینکا تمام　　نہ اپنا پرایا نہ تھا کسکون کام
او چلتی تھی گولی ہزاران سون یون　　ابر سین برستی تھی بوند انکی یتون

ہوا جنگ پیدل کا ہر دو طرف   ہوئی لی شہیداں دو ہر طرف
۱۹ اب ہوئی بازی آتش کی بس خوب تر   ہوئی بہوت حارس کی لشکر بعتر
زمین لعل ہوئی جیوں سستی ہیں کُسم   سر رخ سات طبقاں زمین گاڑ سم
حکم جب ہوا شاہ سلطان سیں   سواروں کوں گہوڑی اٹھا دیکھیں
امر سوں اوشہ کی سواراں تمام   چلی بات میں لیکو جیھاں تمام
جو شمشیر بازی ہوئی پی شمار   قتل اوسکا لشکر کی کیی برابر
او حارس کا لشکر ہوا قتل اوپر   سستی آس جینی کی افسوس کر
قتل یوں کئی تھی کہوں بیشتر   ترا شی ہیں تھلاں کہ جیوں نیشکر
اگرچہ بہوت وقت ہوتا وہ جنگ   نہ تھا تاب حارس کوں لڑنیکا تنگ
دیکھیا جیز کاذب او حارس رخن   گئی شہ سواراں ضرب چو لدن
ہوئی تھی شکست بہوت حارس طرف   فتور کا کیا جیز کاذب حرف
چلی او جلدی گئی بہوت جنگ   سنی جب سواراں پہری وہ تنگ
وہ بہی وقت مشکل بہوت سب اپر   جو بہی نقد جان کوں دی تہی بیشتر
ہتی حارس کنی چند ہزاراں سوار   حکم جب کیا وقت بہی لگار نزار
سواراں جو حارس کی پیچہالی   جو بازی آتش زیادہ گئی
ضرب کیا تفنگوں کی شہ کی سوار   شہیداں ہوئی جنگ جو بیقرار
۲۰ الف فلک پر ملک یوں کہی ای خدا   امر دی اتا توں کریں جان فدا
تیری خاص بندہ پو مشکل ہی کیا بات   شدہ بار جو اسکی کریں پل میں
کیا اوج محفوظ دی کہو قلم   اچایا مقدر کا اسکی قسم
مقدر پو تدبیر چلتی اگر   نہ یوسف یعقوب کا پڑتا ہجر
چلی مور کیا سب وہ پیدل سوار   فسط فوج پر او گئی شہر یار
جو آخر فنا ہی جہاں سب تمام   شہیداں تو جیتی شہیدات کا جام
کہی ہیز کاذب کوں او شاہ جب   بلا فوج کوں اب کرو جنگ سب

کیا جیز کاذب وہ شہ سیں کلام   فتور کا سخن تب سستیا شہ پو رام
مقابل نکھونا فرنگیان سیں آب   فرنگیان مرینگی بجز قوت سب

سنی شاہ بات کاذب کی ضعیف ہوئی مسلمانی
قلعہ میں جب گئی شاہ نی ہوئی خورشید سمعیانی

چلو شہ قلعہ کون لرینگی جو ہم   یہی مارینگی گوری ہمن دمبدم
طبل کوی بجائی اُسن کوچ کا   عقل اسکی جاتی ہوا کی جبدا
گئی جب کی او شہ قلعہ کی اندر   بلا فوج اپنی گئی یک امر
حکم سون جو شہ کی اور لشکر تمام   وہ تیار بندی ہوئی ہیں مدام
میں گتتا ہون تمکون گرد تب یقین   گرد جنگ فرنگیان سون تم مسلمین
جب کر پاو نگی درجہ شہادت کا نام   بھی جنت میں پاونگی عالی مقام
گئی مستعد جب قلعہ کی اندر   گیی برجان پو توپان رکھی لا اوپر
تہی چندین گولندازگیی باندار   تو باروت گولی اتہی بی شمار
تہی چندین اعساکر سپہ باخبر   تھا اسباب جنگی ان بیشتر
سرانجام جنگی قلعہ پر دھری   قلعہ تاب ناگہ اس پر دل چلی
قلعہ جب ہوا مستعد مستقیم   اتھی جا بجا اسپو چوکیان مقیم
فرنگیان نی لشکر کو ایک تمام   گئی اکو جلدی پٹن پر مقام
اتھا شہر سیں باغ نزدیک تر   وہ لینی فرنگیان کیی اس فکر
فرنگیان سون حارس گیا مشورت   کہ یہہ باغ لیو اول منزلت
حکم سیں ہزاران فرنگیان چلی   اتہی فوج شہ کی وہان جا ملی
ہوا جنگ اس باغ میں بی شمار   ہوا بہوت حارس کی لشکر پو مار
نہیں گئی میں جنگ کی آتی ہی بات   اتہی رات او چونکہ شب برات
جب او مار گیا کر فرنگیان تمام   گئی ایک حملہ لیئی جب مقام
کہ او فوج شہ نی گئی مار چہور   فرنگیان جو بھاگی گئی باغ چھوڑ

بھوت مشکلی سین جیع تک ٹی ... فتوری زبردست کیونکر تلی
٢١ الف فرنگیان ہو خوش حال رہی باغ باغ ... سب اسلام کی دل بھوت داغ داغ

کتا ہون اب شہادت کا بیان اسکی جوانیکا

جوانمرد بہادر دل تھا فن مین جنگ رستم سا

حسن ہور علی خان اتہی نیک نام ... اتھا نام انکا سکل روم و شام
شجاعت کہون کان تجہی نین بسکت ... کہ تعریف جگلی اتہی پی کنت
حکم لی چلی شاہ سلطان کا ... انو شاہ کی تہی بہوت نیک خواہ
قطرجب فرنگیان گئی ان اپر ... لرائی پو مستعد جیون شیر نر
چلای دہ گہوری سواران تمام ... پیئی سب سون آگی شہادت کا جام
ہرافسوس یاران اتہی نوجوان ... شہادت سین پای جنت سا مکان
لکہا جلد حارس کون اشتوت کر ... سب احوال اپنا لکہیا مختصر
خبر کھ سنیا جب او حارس ہو دنگ ... براایک لشکر او بہجیا خدنگ
کمک جلد پونچی سو اشتوت کون ... ملیا اکو لشکر مین حارس سون یون
کیا سب فرنگیان کو حارس نے نام ... دیکہو اپنی قابو کا لیئو مقام
شریر دیکہتی ہین قلعہ بہی گیل ... ہی اشراف اسکی شہنشاہ دل
نہین استقامت بہی گسمین عظیم ... کلاپوش بیٹھس از ہرا ئین مقیم
او گہیری قلعہ کون فرنگیان تمام ... لگی مورچی جا بجا ہر مقام
شہادت دیا حقنی شہلون کرف ... ہوا ابتدا جنگ ہر دو طرف
٢١ ب کہ بسیار گولی چلی صبح و شام ... سوای شکستہ کی نہ تہی کوئی بام
ہر یک برج سون بہوت گولا چلی ... گئی گوہ زمین پر اتہی دل ملی
دہنادہین دہنکتا تہا توپان لگاپون ... ہزاران سون کرتوتی مغرابتیون
دو طرفہ چلی توپ ہر دمبدم ... ہوا سبعہ کوئی کا تہا پانی جزم
اتہا جنگ یکماہ دستور کا ... ہوی کی فرنگیان جہان سے فدا

کہی پر نیا کو نہ انو شاہ جب
فتح حیدر کا ہی علم تم پو سب

خبر سن فرنگیان کی او شاہ ذات
دی لشکر مع دین خان کی سنگات

گرانی فرنگیان کی ہوی بی شمار
رسد خرچ لانی گی پیدل سوار

سراں اور سپاہی فرنگیاں تمام ‏ ستو مار انکوں کرو قتل عام

وہ بی جان تلک اہل اسلام نام ‏ نہ دی درد انکوں دلانا آرام

شہادت پوگتا ہوں میں کہ او سادات سر حد کا

صفت انکی نہوی کم کیتی ہیں نام اپس جد کا

نواب نیپے سید غفار ایک تھی ‏ مراتب میں عالی بلند نیک تھی

اتھی وہ شجاعت میں رستم جوان ‏ پہلوان تھی شاہ پر جان فشان

اونی ہوی شہیدو اول نثار ‏ شہادت سو اپنی لیئی اعتبار

شہیدی شاہ ٹیپو کی شہادت کی چمن کی گل

ہوا درجہ شہید یکا سلطین باغکی سنبل

۲۴ الف آبی توں خدا یا انکوں اپنی تمام ‏ رکہیا بہوت تخت میں تا صبح و شام

تیرا نور روشن کیا پنج تن ‏ اتن نور سیتی چہاریا چمن

یقین کچہ وہ فرحت ندیکہی یہان ‏ پر آفات و فتنہ ہی دور جہان

دو دل بند جان روح علی و نبی ‏ جگر بند زہرا کی ات مجتبی

نورانی و نیپے سو ر لیوں پور آئی ‏ شہادت کی کانیسوں بہر صبر

کہ تدبیر کا کری اچادی علم ‏ ہوا مقدر میں ثابت قلم

سنی دوازدہ صد تیجہری سال ‏ چلرہ سیزدہ میں شہادت کمال

اتھاویس کو ماہ ذیقعدہ کی ‏ شنبہ روز دو پاس تاریخ یہ

وہ شاہ جوانمرد سلطان شہید ‏ نجومی نی تقویم بولیا مجید

دئی منجم کوں تب یہ جواب ‏ سنی غم وہ شہا کا نتہا کسیں تاب

اچہی پونچہ تقدیر حق کا امر ‏ مقدر پو میری ہوں با ندیا قمر

شہید میں جو ہوتا ہوں اب برابر ‏ کروں جان قربان اسلام پر

الہی محمد کی امت کوں اب ‏ جہان میں مذلت ندی انکوں سبب

رسول خدا کی میں فرمان پر ‏ دہروں سر لجا کر نبی پاؤں پر

توقع اراده رکہو حق اپر — امر پر خدا کی کرو تم جبر
اتہا صدق شہ کا نبی کی اپر — کہ ثابت ہو دیکہیا کوی ایسا بشر
اتہی در سون شہ کی فرنگیاں تمام — تیدی سرکشی توپ ہر یک مقام
اتہا جس طرف بیر کاذب حرام — اشارہ کیا جلد آو تمام
کیا ایک حلا چری سب تفنگ — حلی جب قلعہ پر او کر تیچہ جنگ
نہ لا تاب بہاگیا او کاذب نکل — اسیوقت اسکون کیا کوی قتل
کر نہار دیکہو کیا کیا نسول — پوشیدہ رکہیا تہا او مطلب اول
وی مقصد کون اپنی بہی پایا نہین — فلک کون بہی کام اسکا بہایا نہین
کہ دیکہ کرگ ده شیر سلطان شر — منکیا حیدری ده خاوند اپر
بہیا مشہور جگ مین سخن مین کیا — ملکس گہوری گوشتا اپی دب موا
بزرگان سون ہی قول کر نام نیک — خدا ہور بہشتہ کون پرنا ہی ٹیک
گرا جب پریا تہا او تقدیر کا — علاج نین ہیرا دست تدبیر کا
دیا کوی شہ کون ده جا کر خبر — کہ حلا فرنگیان چری قلعہ پر
۳۳الف دو لقمے نیتی شاہ سوی پو طعام — تو ساقی اجل کا دیا بہر کو جام
اتہی جلد سفرہ ملون شہ چہوڑ کر — بہری جلد اسوار تازی اپر
لی بر بنہ صمصام شاہ امام — فرنگیان کون کرنی اپس قتل عام
کرگ سون کیتی شاہ او بی نظیر — سبہی مار کر بہوت دشمن اسیر
کتی یک فرنگیان کی کاتی سران — نہ لا تاب بہاگی بہوت جاہلان
کہ ہاتف ندا یک دیا غیب کا — قتل سون تو رکہ ہات بندی خدا
تیری کام سون حقنی ہی بہوت شاد — حشر مین تیرا حقنی دیو یکا داد
کیا ہی خدا تجکون جنت مقام — کہ آراستہ یک بنایا ہی بام
فرشتی کیتی ہین تیری منتظر — کب آو یکا جنت مین سلطان بشر
کیتی ایک حوران ہین فردوس مین — طبق لی اکہری ہین تیری دس مین

کیا حق محمد کون میرا حبیب — شہادت تیری امتی کی نصیب
کہی ہین محمد خدا سون سوال — میری امتی خاص پر کیا ہی حال
شہادت کا اب جام تو نوش کر — آ جنت مین پاوی کا عالی قدر

قدر تیری مین امتی کا کیا
شہادت کا یک جام کوثر دیا

لکیا الغرض آکو ضرب تفنگ
دو ذکوش شاہ کی کیا سوخ زنگ

۴۳ ب دو جا ٹیک ضرب اگو سینہ اپر
جگر گوش شاہ کیا سب جھجر

مبارک بدن پر ہوی زخم کار
چھپی جیون گل لالہ نرگس مین خار

یقین کوئی ہی خاص حق کا یہان
انی دینکا وس کون دنیا کہان

دیکھو وقت ہی کون تھا کہل
چلی کمان جو اسو تست رستم کابل

طرف قبلی کی گئی پھر گئی شہ اوپر
سو کلمہ شہادت گئی شاہ ساز

ارسون او سبحان کی تب ملک
ہوی شاہ کی حاضر اتر کر فلک

کہی جب کی ای خاص بندی خدا
تہو نینکا شہید و نسون اتنون جدا

تمن واسطی ہم جو اتری ملک
لجاتی ہین تمنا بھی ساتو فلک

شہیدونکا ساقی دیا جام بھر
کیا شاہ کا روح پرواز کر

محمد کون یو شاہ کا غم ہوا
امت کون میرا خوب فرمان دیا

بھی غم سون پیمبر کی دن دوسرا
ہوا ایک طوفان قہر خدا

او بارش پڑن سون تہا کسمین ہوش
اتھا غم سون شہ کی بھی دریا کون جوش

کہ چھپا اسیوقت او رنگتا
فرنگیان کون کرتا اسپے جاقتا

کہ او شاہ کی غم سون عالم تمام
او زاری کری شاہ کی خاص و عام

ہریک کی زبان سون تہا شاہ کا نام
جو او شاہ کا غم سنیا سب پو دام

۴۴ الف ہوا غم او سلطان کا دو جہان
اتھی غم مین شاہ کی زمین و آسمان

کرو ذکر شاہ کا تمین صبح و شام
ھد افسوس ہی بھولنا شاہ کا نام

ای غوثی تون کر فاتحہ چشم نم
ھی تعریف مین شاہ کی عاجز قلم

ھزار ایک دو سو بھی سولا سال
مرتب کیا ماہ رجب کمال

کیا داستان سب کتاب پنج بیس
کیا بیت چھ سو پو سنجام چھپس

ای غوثی کون امید ہی حق سون بہی
کہ محشر مین بخشین محمد نبی

مصنف ۔ کا ... شاہ کا ... شاہ کا نام ... حشر ...

لغات

لغات "غرایب ہدا"

۱۲۲۳ ——— م ۱۸۰۸

مرتبہ میر میران خان جہان خان بہادر، یہ لغت مولف نے
اپنے فرزند غلام محمد خان کی خواہش پر لکھا تھا،

بزم ادب شعبۂ اردو وفارسی وعربی مہاراجہ کالج کے سالنامہ مخزن بابت ۱۹۵۶ - ۵۷ کے "ٹیپو سلطان شہید نمبر" میں عبدالواجد ایم اے مدیر مخزن کا ایک مضمون "میسور کی ایک گراں قدر فارسی تصنیف" کے عنوان سے چھپا ہے، یہ مضمون لفظ بہ لفظ اس انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے جس کو روزنامہ دکن ہرلڈ بنگلور کے "اتوار، جولائی ۲۶ ر ۱۹۵۳" کے پرچے میں محمود خان مرحوم صاحب "تاریخ سلطنت خداداد" نے شائع کیا ہے اس کا عنوان ہے 'Brahmin Who mastered Persian Language' یعنے "برہمن جس نے فارسی زبان میں مہارت حاصل کی" محمود خان کے مذکور مضمون سے مدیر مخزن نے یہ جملہ حذف کر دیا ہے :-

"مجھے بالکل معلوم نہیں تھا کہ یہ کتاب میرے خاندانی کتب خانے میں ہے، ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک پرانی مجلد کتاب سے کیڑے باہر نکل رہے ہیں میں نے کتاب نکالی تو معلوم ہوا کہ کتاب کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا ہے یہ ایک ہی اصل نسخہ ہے جو اب موجود ہے" (صفحہ ۷ کالم ۲)

مدیر مخزن نے یہ اعتراف نہیں کیا کہ ان کا اردو مضمون محمود خان کے انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے، یہ امر ادبی دیانت داری کے خلاف ہے، علاوہ مدیر مخزن نے محمود خان کے اصل مضمون میں چند جملے جن میں سراسر غلو ہے بڑھائے ہیں مثلاً "جنوبی ہندوستان میں خصوصاً حیدرآباد سے نیچے راس کماری تک کسی ایسے ہندو کا نام نہیں ملتا جس نے فارسی اور عربی تو در کنار دکنی زبان میں بھی کوئی چھوٹی موٹی تصنیف اپنی یادگار چھوڑی ہو" ص ۲۰ -

مدیر مخزن کو معلوم نہیں ہے کہ سلسلۂ ادارۂ ادبیات اردو میسور کی تیسری کتاب "مہتاب سخن" ہے، اس کو پروفیسر عبدالقادر سروری نے ۱۹۴۵ء میں جبکہ وہ مہاراجہ کالج میسور میں اردو کے پروفیسر تھے،

مرتب کیا تھا "مہتاب سخن" لالہ مہتاب رائے سبقت منشی نواب حیدر علی خان بہادر کے اردو فارسی کلام کا مجموعہ ہے، سبقت کے فارسی رقعات اور اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ "شمع مجلس" کے نام سے موسوم ہے اس کا سنہ ترتیب ۱۷۷۷ ہے، شمع مجلس میں ہسکوٹے کی فتح کی تاریخ ملتی ہے :-

نواب دیں پناہ جو ہسکوٹ فتح کرد ۔۔۔ با عقل خود شدم پئے تاریخ ہم سبق

از روئے امن ہاتف غیبم بگوش جاں ۔۔۔ گفتا زہے لوازم امداد فضل حق

۱۱۷۳ + ۱ = ۱۱۷۴ م ۱۷۶۱

جون ۱۷۶۱ میں حیدر آباد کے بسالت جنگ نے ہسکوٹے کا محاصرہ کیا تھا، اور سر فتح کرنے کا ارادہ رکھتا تھا جو مرہٹوں کے قبضہ میں تھا لیکن بسالت جنگ کا خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا اور وہ بہت مضطرب تھا، حیدر علی نے فضل اللہ خان کی معرفت تین لاکھ روپے بطور نذر پیش کئے، بسالت جنگ نے حیدر علی کو سرا کی نوابی دی اور حیدر علی خان بہادر کا خطاب دیا، حیدر علی نے اسی سال اگست میں ہسکوٹ فتح کیا،

'مہتاب سخن' میں سروری صاحب نے 'شمع مجلس' سے غزلیات اردو، فارسی مثنوی، قصیدہ جلوس میمنت مانوس حضرت قدر قدرت ٹیپو سلطان، غزلیات فارسی او قطعات فارسی شائع کئے ہیں، اردو اشعار کی تعداد دو سو انچاس (۲۴۹) اور فارسی اشعار کی تعداد تین سو چوبیس (۳۲۴) ہے' سروری صاحب نے لکھا ہے کہ "رقعات کی کل تعداد (۱۰۳) ہے، ان میں سے (۵۲) خطوط سرکاری مراسلت سے متعلق ہیں .... خطوط کا دوسرا حصہ جو سبقت کی خانگی مراسلت پر مشتمل ہے ...... ان کی تعداد (۹۴) ہے" ظاہر ہے کہ اعداد کے لکھنے میں کاتب نے غلطی کی ہے کیوں کہ ترپن اور چورانوے جملہ ایک سو سینتالیس (۱۴۷) ہوتے ہیں سبقت کے بارے میں سروری صاحب لکھتے ہیں "سبقت اردو کا نفیس شاعر اور فارسی کا بے مثال انشا پرداز تھا..... وہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں استادانہ قادر الکلامی اور شایستہ شعری مذاق کے ساتھ قلم اٹھاتے ہیں"

سبقت اور اس کی نظم و نثر کے پیش نظر مدیر مخزن کے مذکورہ جملے کو پھر پڑھیں تو حیرت ہوگی، اسی جملے میں ایک عبرت انگیز اور رنج دہ بات یہ ہے کہ "خان جہان خان کو 'ہندو' کہا گیا ہے،" یہ بات اسلام اور تبلیغ اسلام کے اصول کے خلاف ہے۔ مدیر مخزن نے اسی بات کو اپنے مضمون کے اختتام میں دہرایا ہے، لکھتے ہیں" اس کتاب کو ایک برہمن نے لکھا تھا، جس کو سلطان شہید نے مسلمان بنا کر

فارسی اور عربی کی تعلیم دی" غالباً یہ غیر اسلامی بات مدیر مخزن کے خیال میں اس لئے آئی ہوگی کہ ولکس نے لکھا ہے کہ خان جہاں خان سلطان کی شہادت کے بعد مرتد ہوجانا چاہتا تھا یعنے وہ صرف سلطان کے غلبہ کی وجہ سے (۱۷۷۳ سے ۱۷۹۹ تک) سولہ برس مسلمان رہا تھا، ولکس اور اس کے شرکا کے بارے میں تاریخ ٹیپو سلطان (۱۹۵۱) کے مصنف محب الحسن خان کا یہ قول ٹیپو سلطان کے ہر مورخ کی نظر میں ہونا چاہیئے: "ٹیپو کی شہادت کے بعد بینٹس (بی ٹ سں ن)، کرک پاٹرک اور ولکس نے سلطان کو متہم اور بدنام کرنے کی مہم میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی اور ان کے اقوال کو اندھا دھند طور پر بعد کے انگریزی اور ہندوستانی دونوں مورخوں نے اختیار کرلیا ہے۔ (صفحہ ۳۶۴)

نشانِ حیدری میں خان جہاں خان کے بارے میں لکھا ہے کہ ۱۷۹۳ میں ٹیپو سلطان نے اپنے بعض افسروں کو میر میران کا خطاب دیا، سید غفار کو سب سے پہلے یہ خطاب ملا، پھر محمد رضا، خان جہاں خان، پورنیا اور دوسروں کو، میر میران کو سالانہ بارہ ہزار آٹھ سو اسی (۱۲۸۸۰) پگوڈا ملتے تھے، ایک پگوڈا کے ساڑھے تین روپے ہوتے ہیں (محب الحسن خان)

" وہمدراں زماں ہر یک از اعیان نامدار بالقاب میر میراں مخاطب گردیدند ..... مخفی نماند کہ سید غفار حلال نمک میر میران اول شدہ و محمد رضا بن ابراہیم صاحب .... نیز علم میر میرانی برافراشت وبہ بنکی نواب مشہور گردید ..... وخان جہان خان و پرنیا زنار دار سوائے اینہا بعضے از قوم نوائط و مشایخ زادگان کہ از کسبِ سپہ گری و فن سرداری معرّا بودند منظور نظر پرورش عام حضرت اسلام پرورگشتہ میر میراں و صاحب نوبتُ نقارہ گردیدند و بجمیع میر میراں طرہ ہائے طلا پر جواہر و پدکہائے مرصع عنایت و مرحمت گردید" (نشانِ حیدری صفحہ ۳۷۵)

ولکس اور خان جہان خان

بدنور (حیدر نگر یا نگر) کا حاکم ایاز قوم کا نایر تھا، حیدر علی نے اس کو ۱۷۶۶ میں مالابار میں گرفتار کیا تھا وہ مسلمان ہوگیا، اور اپنی صلاحیتوں اور وجاہت کی بدولت حیدر علی کا اعتماد حاصل کیا، ۱۷۷۹ میں وہ چتلدرگ کا حاکم مقرر ہوا اور ۱۷۸۲ کی ابتدا میں اس کو حیدر نگر کے اہم ضلع کا حاکم مقرر کیا گیا، اسی زمانے میں انگریزوں نے ایاز کو سبز باغ دکھائے، پہلے تو ایاز نے انہیں رد کردیا، لیکن حیدر کی وفات (۷ دسمبر ۱۷۸۲) کے بعد اس نے جنرل میتھیوس سے سمجھوتہ کرلیا اور ۲۸ جنوری ۱۷۸۳ میں پورا

بدنور کا ضلع اس کے حوالے کر دیا، خان جہان خان جو پیدائشی برہمن تھا، ایاز کا منشی تھا اور اس کی عمر سترہ برس کی تھی، ٹیپو نے جب ۲۸ اپریل ۱۷۸۳ میں دوبارہ بدنور پر قبضہ کر لیا تو خان کو مسلمان بنایا اور اس کو اسلامی عقائد کی اعلیٰ تعلیم دی، سرنگاپٹم پر آخری حملے کو روکنے اور قلعے کے ٹوٹے ہوئے مقام سے دشمن کو ہٹانے کی کوشش میں خان مذکور بہت بری طرح زخمی ہو کر گرا تھا صحتیاب ہونے کے بعد انگریزوں نے اس کو کرشن راج وڈیر کی پیدل فوج کا سپہ سالار مقرر کیا، پھر خان جہان خان نے وزیر پورنیا کی وساطت سے اپنے دوبارہ برہمن بنا لیئے جانے اور برہمنوں میں اپنے پہلے مقام کی بحالی کی کوشش کی، گروؤں کی ایک منتخب جماعت نے یہ فیصلہ کیا کہ خان مذکور کو دوبارہ برہمن تو بنا لیا جا سکتا ہے لیکن اس کا وہی مقام تسلیم نہیں کیا جا سکتا جو کسی ایسے برہمن کا ہے جو مسلسل برہمن رہا ہے، خان نے کہا کہ یا تو اس کو پورے حقوق ملیں یا وہ کچھ بھی نہیں چاہتا، اس نے مجھ سے کہا (خان نے ولکس سے) میں اپنے بزرگوں کے مذہب کو ترجیح دیتا ہوں، لیکن ان گروؤں نے چاہا تھا کہ ایک بہتر دنیا کو میرا موجودہ راستہ روک دیں اور دوسرے راستے سے بھی پوری رکاوٹوں کو نہ ہٹائیں، اگر میں ان الہامات میں سے جن کے ذریعے قادر مطلق بنی نوع انسان کے مختلف گروہوں کی ہدایت کرتا ہے کسی ایک کی پیروی کروں گا تو مجھے یقین ہے کہ میں اپنا راستہ اس دنیا میں گم نہیں کروں گا، مجھے ایک مسلمان کے جو حقوق حاصل ہیں ان کی وجہ سے میں اپنے آپ کو ایک نصف ذات باہر برہمن سے زیادہ معزز محسوس کرتا ہوں۔"

یعنی بروایت ولکس خان جہان خان کی نظر میں مسلمان کا درجہ (a half out cast Brahmin) ایک نصف ذات باہر برہمن سے بہتر اور ایک پورے برہمن سے کم تر تھا حالانکہ خان جہان خان نے خود اپنی تالیف 'غرایب ہدا' میں اپنے عقاید کا اظہار یوں کیا ہے :-

"...... حمد مبدعی است کہ ...... تحیت و درود سرورے کہ فروغ رسالتش ظلمت کدۂ تیرہ درونان کورے ضلالت را بشمع ہدایت و ایمان نور آگین ساخت و قصر ہوشش بمعماری کریمہ ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین سر رفعت و برتری بالائے عرش بریں بیفراخت ...... رسالۂ این پریشان مقالہ کہ از سمساران مدرسہ و مکتب مشتری جنس علم و ادب بگمہ دیدہ اگرچہ دیدنی نیست

اما بپاس حمد و سپاس ربّ الناس کے حرف بے صرفۂ خود را درپناہ آن کشیدہ دیدنی ست التماس این عجز اساس کہ از خان جہان جز نام کالائے کہ بکام آید نخریدہ ہرچند شنیدنی نیست لیکن نظر بر شفاعت (کارروان سرا) جان جہان کہ بآن روشن و مزین گردید شنیدنی ست" خاتمہ :-

"شکر بدرگاہ حق کردم و کشتی عزم — چوں کہ دریں بحر فکر در زدم از روے جزم

گشتہ خدا ناخدا شرط رسالت مآب — بردہ بساحل جہاز ختم نمودم کتاب"

یعنے جو مولف لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کو کبھی حذف نہیں کرتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمراہی کی تاریک گلی میں بسنے والوں کے سیاہ دلوں کی اندھیری کو ہدایت کی شمع سے روشن کرنے والا اور ایمان کے نور سے بھر دینے والا مانتا تھا، ویسے مولف کو کوئی مسلمان کہہ دے کہ وہ پھر بھی برہمن تھا تو عبرت ہوتی ہے،

خان جہان خان مسلمان ہونے سے پہلے برہمن تھا، لیکن مسلمان ہونے کے بعد وہ برہمن نہیں تھا ورنہ تاریخ اسلام میں خصوصاً قرن اوّل میں ایک بھی مسلمان کہاں ملے گا،

مدیر مخزن کی غلو پسندی کی ایک اور مثال یہ ہے :-

یہ کتاب جنوبی ہند میں لکھی گئی جہاں لغت کی کوئی دوسری کتاب اس سے پہلے یا بعد میں ابھی تک نہیں لکھی گئی اور یہ کہ "بجائے قدیم طرز یعنی حروف تہجی کی ترتیب کے ایک جدید طرز پر یعنی الفاظ متحد المعنی کی ترتیب پر یہ لغت لکھا گیا ہے۔"

غرایب ہدا ۱۰۰۸ میں لکھی گئی یہ نام تاریخی ہے :-

ز خوان جہان ریزہ برداشتم — بکچکول این نامہ بگذاشتم

کہ اطفال طالب شوند کامیاب — غرایب ہدا سال و نام کتاب

(غ ر ا ی ب ہ د ا) ۱۲۲۳ ھ

لیکن مدیر مخزن نے یہ نام چار بار لکھا ہے تین بار غرائب ہدا (غ ر ا ئ ب ہ د ا) اور ایک بار غرائب ہدیٰ (غ ر ا ئ ب ہ د ی) "صنعت تاریخ میں ہمزہ کا کہ اس کی صورت یہ ہے (ء) بعض ایک عدد شمار کرتے ہیں اور بعض بشکل یا لکھ کر دس عدد محسوب کرتے ہیں، اور بعض مہمل چھوڑ دیتے ہیں، عدد نہیں لیتے تینوں صورتیں جائز ہیں" (بحر الفصاحت ص ۹۹۶) اس لحاظ سے غرائب ہدا کے ۱۲۱۴ ہوتے ہیں یا ۱۲۱۳، اور غرائب ہدیٰ کے ۱۲۲۳ ہوتے ہیں یا ۱۲۲۲،

مولف نے کیسا مستقل لفظ اور املا تجویز کیا تھا اور مدیر مخزن کی غفلت نے اسے کس قدر مشتبہ اور غیر مستقل بنا دیا، اب رہا یہ ادعا کہ اس سے پہلے جنوبی ہند میں کوئی لغت نہیں لکھا گیا بس ادعا ہے.

میرے علم میں اردو کے دو لغت ہیں ایک خوانِ یغما جس کو شاہ طاہر (وفات ۱۷۰۳) نے کرنول میں لکھا ہے. اور دوسری رازقِ باری جس کو سید محمد ولی اللہ موسوی (وفات ۱۷۷۰) نے ارکاٹ میں لکھا ہے، ان دونوں کا ذکر کتب خانۂ نواب سالار جنگ مرحوم کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست میں ملتا ہے، اسی کتب خانے کی فارسی قلمی کتابوں کی فہرست میں غرایب ہذا سے پہلے کے فارسی لغت تلاش سے مل جائیں گے، اس کے علاوہ حیدرآباد کی اسٹیٹ لائبریری کی فہرستیں دیکھنی ہوں گی، غرض کافی تلاش کے بعد ہی کوئی کہہ سکتا ہے کہ جنوبی ہند میں غرایب ہذا سے پہلے کتنے لغت لکھے گئے تھے،

میرے کتب خانے میں فارسی لغت کا ایک کرم خوردہ ضخیم مخطوطہ تھا لیکن میرے کتب خانے میں صرف ریاستِ میسور میں اردو سے متعلق مخطوطات کے لئے جگہ ہے اس لئے میں نے اس مخطوطے کے آخر کے صرف چار صفحے اس لئے رکھ لئے کہ ان میں انشا پردازوں کی بعض اصطلاحوں کے معنے میسوری اردو میں لکھے ہوئے تھے اس لغت کے نام اور اس کے مرتب کا اب پتا چلانا آسان نہیں، ان چار صفحوں میں پہلے صفحے کی پہلی سطر یہ ہے، "اسماءِ افراس مہ شمس و قمر بدرجۂ تفصیل ابتث"

حروفِ تہجی میں ابتث یعنے اب ت ث ج ح خ د وغیرہ کی ترتیب پر لکھے جاتے ہیں، نہ کہ ابجد یعنے اب ج د، ہ و ز وغیرہ کی ترتیب پر، اس لئے ٹیپو سلطان نے الف کا ایک، بے کے دو، جیم کے تین، دال کے چار وغیر مروجہ اعداد کی بجائے الف کا ایک بے کے دو، تے کے تین، ثے کے چار وغیرہ اعداد کو رواج دیا تھا، ظاہر ہے کہ مذکور مخطوطہ ٹیپو سلطان کے زمانے میں لکھا گیا تھا، یہ ایجاد سلطان کے ساتھ ختم ہو گئی چنانچہ غرایب ہذا میں جو ۱۸۰۸ کی تالیف ہے صفحہ ۳۴ پر بیانِ ابجد ملتا ہے بیانِ ابتث نہیں ملتا، مذکور مخطوطے میں بھی غرایب ہذا کی طرح متحد المعنیٰ لفظ یک جا جمع کر دئے گئے ہیں، ممکن ہے کہ اس مخطوطے کا علم خان جہان خان کو تھا، بہر حال الفاظ متحد المعنیٰ کو یکجا جمع کرنے کی اولیت

کے خان جہان خان مستحق نہیں، میں نے اس لغات کا نمونہ اس مضمون کے آخر میں دیا ہے۔

اب رہے عوابِ بہ ّ کے بعد کے لغت جو جنوبی ہند میں لکھے گئے ان کے بارے میں گلزارِ اعظم (۱۸۵۵) میں یہ معلومات ملتی ہے :-

(۱) نام گذارش خان، تخلص شاعر، وطن مدراس، ولادت ۱۸۱۲ء "بتالیف کتابے جامع اکثر لغات و محاورات مسمی بفرہنگ چار سخن پرداختہ" ص ۲۳۹

(۲) نام مولوی محمد مہدی، تخلص آصف، وطن مدراس، ولادت ۱۸۰۲ء، کتاب دلیل ساطع مشتمل بر حل لغات ہندی و دلیل الشعراء محتوی بر الفاظ و محاورات فارسی و گلزار عجم یعنی مختصر برہان قاطع و املا نامۂ اصفی ...... و عبارت فارسی تحریر نمودہ" ص ۳۹۸

مذکور لغت ایک صدی پہلے لکھے گئے ہیں، اور اس عرصے میں کتنے لغت تالیف ہوئے ہیں ان کا حال تلاش ہی سے معلوم ہو سکتا ہے، ادبی دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ مدیر مخزن "لغت کی کوئی دوسری کتاب اس سے پہلے یا بعد میں ابھی تک نہیں لکھی گئی" کی بجائے یوں لکھتے کہ "لغت کی کسی دوسری کتاب کے اس سے پہلے یا بعد میں ابھی تک لکھے جانے کا مجھے علم نہیں ہے"

مدیر مخزن نے اپنا مضمون اس جملے پر ختم کیا ہے "مسلمانوں کے پونے دوسو سالہ عہد میں پورے جنوبی ہندوستان میں یہی ایک مہتم بالشان علمی و ادبی کتاب ہے جو تصنیف ہوئی"

یہ نثر میں قصیدہ نگاری ہے اور اس طرز کے قصیدہ نگاروں کے بارے میں خواجہ حالی نے کیا خوب کہا ہے "ممدوح کی ذات میں جو واقعی خوبیاں ہوتی ہیں ان سے اصلا تعرض نہیں کیا جاتا، بلکہ بجائے ان کے ایسی محال باتیں بیان کی جاتی ہیں جو کسی متنفس پر صادق نہ آسکیں ... .. غرض کہ کوئی بات ایسی بیان نہیں کی جاتی جس پر ممدوح فخر کر سکے، یا جس سے لوگوں کے دل میں اس کی عظمت اور محبت پیدا ہو، اور اس کے محاسن و مآثر زمانے میں یادگار رہیں" (ص ۹۷ مقدمہ شعر و شاعری نامی پریس کانپور)

نشانِ حیدری ٹیپو سلطان کی شہادت ۴ مئی ۱۷۹۹ کی شام کو ہوئی اور دو تین برس کی سعی سے ۹ رجب ۱۲۱۷ھ م ۵ نومبر ۱۸۰۲ میں میر حسین علی کرمانی نے "نشانِ حیدری" ختم کی "بسعی دو سہ سالہ تفصیل حقیقت از اجداد و آبائے دولتمنداں موصوف

بہ تجسس وتلاش بسیار در یافتہ قلم بند ساخت" یہ کتاب بڑی قیمتی ہے کیونکہ اس کو ایک ایسے شخص نے لکھا ہے جس نے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو قریب سے دیکھا تھا اور یہ واحد معاصر تاریخ ہے، جس میں ان دونوں شاہوں کے دورِ حکومت کے تفصیلی حالات ملتے ہیں" اما مفصل ذکر سلطنتِ خدا بخش آن والا فطرتان ذی شوکت احدے بیک کاغذ نہ نوشتہ وتشریح کماہی احوال آن بخت آوران کہ فروغ صدق داشتہ باشد کسے بر یک وجہ بیان نساختہ" (ص ۴-۳) کرمانی نے اس کے اختتام کی تاریخ ع بےسر کذب گفت ذکر دو شاہ' سے نکالی ہے [نشانِ حیدری فی الحقیقت کس سنہ میں لکھی گئی ۱۲۱۶ میں یا ۱۲۱۷ میں اس کی مفصل بحث اسی رسالے کے مضمون 'شہادت جنگ سلطانی' میں ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ نے لکھی ہے]

۱۲۱۶ = ۲۰ - ۱۲۳۶

فتح المجاہدین

یہ کتاب میر زین العابدین شستری (برادر خورد حقیقی میر ابو القاسم خان حیدر آبادی المخاطب بہ میر عالم شستری) نے سلطان کے حکم سے ۱۷۸۳ میں لکھی تھی، اس میں سلطان کی فوج کے اصول وقواعد اور اس کے نظام کی تفصیل ملتی ہے یہ کتاب اس لئے اہم ہے کہ یہ ایک ہی کتاب ہے جو سلطان کے فوجی انتظام کے متعلق ہے، علاوہ میر حسین علی کرمانی کی علمیت وادبیت سے کون انکار کرسکتا ہے، وہ خود بھی لکھتے ہیں" برائے انضباط شیرازۂ ایں نسخۂ تازہ ایجاد صفحہ سال وماہ و اوراق روز وشب در نوردید چین اوراق واجزا را بہ رشتۂ الفاظ معنی بار آب ورنگ صدق وصفا در داد" (ص ۴)

"نشانِ حیدری را فکر کردم کماہی واقعاتش ذکر کردم
کشیدم لعل وگوہر ہا بیتاں بسلک لفظ ومعنی ہائے شایاں" ص ۴

غرایب ہدا کی واقعی خوبیاں

غرایب ہدا کا مطالعہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ موٴلف نے بیشتر عربی اور فارسی لفظوں کے ہندی اور کنڑی مترادفات لکھے ہیں، ہندی مترادفات میں بہت سے لفظ ایسے ہیں جو شمالی ہند اور میسور میں مشترک ہیں، مثلاً مالا، کنگن، پایل، چوغا، ساری، کن پٹی، کانا، بوڑھا، کبڑا، توتلا وغیرہ میں نے ایسے لفظ چھوڑ دئے اور صرف وہی لفظ چن لئے جن میں میسور اور شمالی ہند میں اختلاف ہے، مثلاً اکروٹ بجائے اخروٹ، اگیٹی بجائے انگیٹھی، اندراون بجائے

اندارا بن، ایرنڈی بجائے ارنڈ، بدخ بجائے بطخ، بگولا بجائے بگلا وغیرہ، اس لحاظ سے غرایب ہدا، میسوری اردو کا بھی لغت ہے، اور شمالی ہند کی اردو کا بھی اور لسانی اعتبار سے نہایت مفید قابل قدر اور مستند ہے، آج بھی میسوری اردو میں یہ تمام لفظ جوں کے توں استعمال ہوتے ہیں، مؤلف نے تیس ۳۰ سے زیادہ کنڑی کے لفظ بھی لکھے ہیں، یہ اس لئے نہیں کہ کنڑی مؤلف کی مادری زبان تھی، بلکہ اس لئے کہ کنڑی اس ملک کی زبان ہے اور ٹیپو سلطان کے دفاتر میں فارسی، کنڑی اور مراٹھی تینوں زبانیں بیک وقت رائج تھیں۔ (محب الحسن خان تاریخ ٹیپو سلطان ص ۳۳) اور میسوریوں کے لئے عربی اور فارسی کے کنڑی مترادفات اصل الفاظ سے زیادہ مانوس تھے، مؤلف نے کنڑی اور کنڈڑی دونوں لفظ استعمال کئے ہیں مثلاً نصف مربع معروف بزبان کنڑی نگڑی نامند، ص ۴۷۰، خور (پارڑھ) بزبان کنڈڑی کالاودی نامند ص ۴۶۹ وغیرہ۔

میں نے ذیل میں غرایب ہدا کے کل میسوری اور کنڑی لفظوں کو حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، تاکہ الفاظ تلاش کرنے میں سہولت رہے، ممکن ہے کہ الفاظ کے انتخاب میں بعض لفظ چھوٹ گئے ہوں، لیکن اس سے کتاب کی افادیت میں نقصان نہیں ہوتا۔

خان جہان خان نے ان لغتوں سے استفادہ کیا ہے:-

"...... ومعنی الفاظ منتخبہ از ہفت کتاب بصحت رسانیدہ چنانچہ میم منتخب اللغات وجیم نشان فرہنگ جہانگیری و لام اشارہ لطایف اللغات والف آیہ فرہنگ ابراہیم شاہی و یا ایماے اختیارات بدیعی و تا اطلاع تحفۃ المومنین و کاف کفایۃ المجاہدہ بر بالاے ہر لفظ مرقوم ساخت۔" ص ۷

غرایب ہدا

(۱)

میسور	شمالی ہند	میسور	شمال
اڈا	سر دل	اجوان	اجواین
اتی دھورا	[illegible] میٹھی لکڑی	اسمان گیری	چھت گیری
اٹی	انٹی سوت	اکروٹ	اخروٹ

اگل	چٹخنی
اگیٹی	انگیٹھی، آتش دان
النبہ	گُرمتا
انبلی	املی
انٹوال کائی	[illegible] ریٹھ
اندراون	اندرائن
اندہ	اندھا
انڈوای	[illegible] اورام اشتین
انکوڑہ	آنکڑہ
انگل بیڑا	گز دمہ
انگوٹی	انگوٹھی
اوکلی	اوکھلی
اُلی	سکنہ
اولی جاولی	[illegible] جڑوان
اٹیمّ	منجنیق [illegible]
ایرنڈی	ارنڈ
ایترہ	پھلا، آنکھ کا ٹینٹ

(ب)

بام	اَرَش
بتہ	بٹہ
بٹی	بیگار [illegible]
بدوخ	بطخ، بط
بڑای	بڑھئی
بگولہ	بگلا
بلمر	باقلہ
بلشش	بالشت
بنڈا	بڑا پتھرا
بنڈا	پشتارہ
بتی	[illegible] چاشنی زر و سیم، گرفتن، عیار سنجیدن
بڑبڑا	بلبلہ، حباب
بول	گوند، مر
بھنگار و پنچرس	ہفت جوش، اروی
بھوسکارا	[illegible] بہت ہاتھی کا ایک زیور
بھوموتر	[illegible] سلسل بول
بھونسا	بھوسا

(پ)

پاتال گرڑی	[illegible] چاہیوز، کنوئیں میں گرے ہوئے برتن نکالنے سے آنکڑے
پادرس	[illegible] پارا
پتھرے	پتھر کی جمع
پتی ورتا	[illegible] پارسا عورت
پنچرس اور بھنگار	روی، ہفت جوش
پھسل بنڈا	جائے لغزیدن
پھکی	سفوف
پھلڈا	پلڑا ترازو کا

پھنس — کٹھل

پھنگنی — پھنسی

پوجاریاں — پوجاری کی جمع

پوڑی — چکسے کی پڑی

پولی — چھتہ شہد کی مکھیوں کا

پہنچی — پہنچی، دستہ بند

پٹبا — توندیلا، بڑے پیٹ والا

پسیلا — یرقان، مرض

(ت)

تارق — بالائے بیخ زبان یعنی حنک

تالیس پتری — [illegible] تالیسپتری తాలీసపత్రి زرنب

تابیل — کچھوا

ترس — کفشار

تکڑی — [illegible] نصف مربع گونیا

تکرٹا — ترنبد، دوائی

تھُلّی — فرقوط، سوجی کا ایک قسم کا نمکاری یا میٹھا پکوان

تھنڈکالہ — سردی کا موسم

توُر — تور کی دال

تورنا — نسف اوسانا

تیریا — سنناوریۂ

(ٹ)

ٹھیوا — مرتب نے اس کے معنے نگین کے لکھے ہیں حالانکہ انگوٹھی میں وہ مقام جس میں جوہر جڑا ہوتا ہے ٹھیوا ہے

(ج)

جاپالا دیبجا [illegible] جمال گوٹا

جاپڑی — باز، جوتری

جٹاماسی — سنبل طیب

جلّی — [illegible] بلّی چہو

جواری — جوار، ذرت

جوگال — جگالی

جووہ — جوا، نباد

جھانج — جھانجھ

جھنگا — جھینگا

جھنگر — جھینگر

(چ)

چاکو — کارد

چام جوں — قمل الشعار

چاندگران — چاندگرہن

چچونڈا — چچھوندا

چُڈا — چڈھا

چکولی [illegible] لاکچہ [illegible]

چُکہ — چوکا، ساگ

چمٹی — چیونٹی

چمڑ بجڑی — چمگادڑ، شب پر

چڑی	چڑیا
چونلائی	بقلۃ الیمان ساگ
چوہ	سرخ بادہ
چھاچ	چھاچھ
چھائیں	کلف، چھائیاں
چھپڑا	پھرک چشم
چھیک	پرغونہ
چکڑ	کیچڑ
(خ)	
خن خنا	اغن وہ جوناک سے باتیں کرتا ہے
(د)	
داڑھی	ڈاڑھی
دن اندلہ	دنوندھا، ایک مرض جس میں دن کو کم دکھائی دیتا ہے
دنڈی	ڈنڈی ترازو کی
دنڈیا	کوتوال
دھانمڑی	دھان کا کھیت
دھنکنی	پادنگہ
دھوڑوائی	صرع ۔ مرگی
دھنیاں	دھنیا
دھوپ کالہ	تابستان
دیسا درنہ ہیرگے	اجوائن
دینٹ بان	پان کی ڈنڈی یا ڈنٹھل

دیوک	دیمک
دیول	مندر، کلیسا
دیولاں	دیول کی جمع
(ڈ)	
ڈاڑ	داڑھ
ڈہٹی	دف، طبلک
ڈوٹی	چچو، بلّی، بیل
(ر)	
رای	رائی
رتنالو	رتالو
رنگید	کرگس
رگت پٹی	جذام
رگت ہندی	نقطہ سرخی کہ در چشم پیدا شود از ضرب وسقطہ
ریٹ	رینٹ (ناک)
ریچھ	ریچھ
رومی	متھانی، وہ لکڑی جس سے دودھ متھتے ہیں
(ز)	
زنگی ہرڑہ	ہلیلۂ سیاہ
(س)	
ساڑھو	ساڑھو
سبزک	پرندہ، عکہ
سنپات	غشی

سنڈے کائی [illegible] عنب الاذ
سنک — سنکھ، ناقوس
سورج گران — سورج گرہن
شوَرَ — شوَر، خوک
سوی — سویا، ساگ
سیتفا [illegible] پل
سیگے کائی — چنار وشتی
سینب — { نغشر جلد، پوست بشرہ نبات خشک شود و ازاں چیزے مجوّں بسوسی جدا می بشود }
سیبنڈ — زقوم
سیونتی — سیوتی

(ش)

شیش — سیسہ، سرب
شنات، جین تو پہ [illegible] شہد

(ص)

صندل بڑی — قرص اگر

(ع)

عود بتی — اگر کی بتی

(غ)

غلیتہ — سیلی، طانچہ

(ک)

کاڑا — کاڑھا جوشاندہ

کالا ودی — [illegible] پاڑھہ، خو
کانجہ کوری — استقات، حرفش، دارالعب
کاماٹی — بیل دار وحفار
کاملے — [illegible] یرقان
کپل — [illegible] فربہ
کتھیل — رصاص
کٹمل — کھٹمل ساس
کرپان — سعفہ، قرحہ
کڑائی — پاتیلہ، کڑاہی
کسنبہ — معصفر
کسنڈ — ہفت جوش، دھات
کگّنکائی — [illegible] الماس
کلتھی — دانہ سرخ، ایک غلّہ کا نام ہے جس کو ماش کہتے ہیں (انوار اللغات)
کلنگڑا — کلندرا، تربوز
کمبار — کمہار، کلال
کنچُو [illegible] یا جفر پٹی — تارکش
کمبل — کمل
کنکڑی — ککڑی، قثاء
کنھوٹہ — کھوٹا
کوڑاڑی — کلہاڑی
کوسل — زوبین
کولا — شغال

کول بادا	یرقان
کولو	کولھو
کونبی	دہقان
کونچی	کلوتہ، دختران نارسیدہ
کھادی	کھدر، کرباس
کھام	کھم، کھمبا
کھرکھر مونڈہ	دم الاخوین
کھری	کھریا مٹی، سفید مٹی
کھڑاوا	کھڑاؤں
کھوّا	کھویا، دودھ کا ماوا
کھوڑا	کندۂ چوبین کہ در پای محبوسان و مقیدان می نہند، مقطرت
کھو	کھو، کھوہ گڑھا جس میں اناج رکھتے ہیں
کھینکڑا	کیکڑا
کیٹ	چرک آہن
کیلاہائی	جمع مقاصل
کینچی	قینچی

(گ)

گار	اولا، تگرگ
گاروڑی	شعبدہ باز
گجگا	اگت بگت
گدگڑا	گدلا، کدر
گدل	مرغ عیسی
گل	شست، مچھلی پکڑنے کا کانٹا
گلیری	گلہری
گنڈبھیرونڈ	سیمرغ
گنڈمال	خنازیر
گنڈی	درۂ کوہ
گنڈی	گھنڈی، تکمہ
گودہ	خروج مقعد، کانچ نکلنا
گلیر	گولر، انجیر دشتی
گوم	ذنب
گونی	جوال، گون
گھاٹ	کُتل، زمین بلند
گھانٹی	گھنٹی، جرس
گھرگوٹ	گرگٹ
گھن پوڑپوٹے بیجا	اصابع الصوص
گھوڑ	گھورا، کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ
گھوڑپھوڑ	سوسمار
گھول کلاں	خرفہ
گھولن	جانوروں کا خاک میں لوٹنا
گھیری	دوار، سر کا گھومنا
گید	گدھ

(ل)

لاک	لاکھ (گوند)
لانڈگا	بھیڑیا، ذئب

لٹھو	لٹو
لوبا	لوبیا
لوٹ	سیلاب، موج
لولکی	نرمہ گوش، کان کی لو
لونی	لونیا، لونیا ساگ
(م)	
ماپھل	مازون
مچھی	مچھلی
مڈّی	دُرد، تلچھٹ
مکّا	گونگا
مسمبر	جسر
مسوڑے کے رتہ کاں	مسوڑوں کے درد کی ٹیسیں
مصلی	رقعہ
مگر	مگرمچھ
ملکاٹ	تہتُّوع، قے کرنا
مَندا	گلّہ، رمہ
منگنا	منگنی
موہ توتا	توتیا، سبز، نیلا تھوتھا
موڑھی	ہیضہ
مُکھی	مکّا، مشت
مولے بال بیجا	چاکسو
موہری	موری، نالی
موس	کٹھالی، بوتہ
میانی	قطب، کیل جس پر چکی گھومتی ہے
مینڈھپل	(مین پھل) اندراین
(ن)	
ناگر	قلبہ، ہل
نلبے ہو	چرانا
نلبے اون	چرائینا
نھبُو	بارش، مطر
(و)	
واڈکی	اجوائن
ولتی	اولتی
(ہ)	
ہرڑہ	ہلیلہ
ہسلی	ہنسلی
ہلڈا	ہلیلہ
ہمیبی	ہمیان
ہنگ	ہینگ
ہنوداں	ہنود کی جمع

جن الفاظ کی لغتوں اور مقامی لوگوں سے اس مضمون کی کتابت کے وقت تک تصدیق نہ ہوسکی انھیں یہاں لکھ دیا گیا ہے، انشاءاللہ اس مجلے کی دوسری جلد میں ان کی

وضاحت کی جائے گی :-

فرقوط بہندی تتلی گویند۔ کات و ہقماع درہندی دینٹ پان گویند۔ کشو بہندیش کفائی خوانند نیز خرارا نامند۔ منجنیق بہندی مکرڈبی نامند۔ گونیا ادا غ بیل ڈالنے کی رسی معماروں کی ڈوری) بزبانِ کنڑی چھیئے دہارا گویند۔ کلوتہ دختران نارسیدہ بہندیش کونچی خوانند، زوبین بہندیش کوسل خوانند، لیشا گنڈ پالاں باشد بہندیش چھٹی گویند، پادنگہ چوبے باشد کہ چوں پا بریک سر آں چوب بزور نہند سر دیگرش بلند شود و ہمیں کہ پا بردار ند آں سر بر غلہ بخورد بنوعی کہ سبوس از غلہا و پوست از شلتوک جدا شود آنرا دنک نیز خوانند بہندی ڈھینکی نامند۔ پرغونہ بہندی چیک نامند، ولقہ حلقہ از رسن کہ در گردن ستور بندند بہندی دادن نامند۔ چماق گرزشش پرہ بہندیش تساری گویند ہیضہ درہندی موڑسی گویند۔ یرقان یعنی کول بادا و مرض پیلا نیز گویند، داء الثعلب علتیست کہ موئے بریزد بہندی بادخورہ گویند۔ بیان زکاۃ شرلاق معروف بگمنڈی کدایم خوانند۔ بزاز جامہ فروش بہندی چاٹہ نامند۔ معصفر بہندیش کسنبہ خوانند۔ فارہ بہندیش انکوڑہ خوانند۔ کردہہ البسان خام باشد کہ بردوک بپیچیدہ شود بہندی کھنڈکے نامند۔ چاپجی کوزہ بود کہ سرش تنگ شکمش بزرگ باشد۔ آنرا پر شراب کنند بہندی کھنڈکے بکنڑی تترانے نامند۔ دباغ آنکہ پوست را پیراید بہندی دہور نامند۔ ادیم پوست و یا پوست دباغت کردہ بہندی ادہورے نامند۔ ہراسہ (کھٹکا) بہندی منچاکہ گویند۔ کرگن غلہ خوید کہ ہنوز خوب نرسیدہ باشد بہندیش ہولڈہ خوانند۔ سکرنہ بمعنی خارپشت بہندیش سیہی و سارسل نامند۔ جرام بہندی رگت پیٹی گویند۔

ان میں سے بعض لفظ مجھے جو لغت مہیا ہو سکے ان میں نہیں ملے۔ مثلاً فرقوط، کات وہقماع، کشو، شرلاق وغیرہ اور بعض معنوں سے کنڑی جاننے والے ناواقف ہیں، مثلاً مکرڈبی، چھیئے دہارا، کدایم، کھنڈکے، تترانی وغیرہ اس لئے جو اصحاب مذکورالفاظ اور ان کے معنوں دونوں سے واقف ہیں وہ براہِ کرم مضمون نگار کو اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

میں نے اوپر لکھا ہے کہ میرے کتب خانے میں ایک قلمی لغت کے صرف چار صفحے رہ گئے ہیں۔ جن میں غرایب بدا کی طرح متحد المعنی لفظ یک جا جمع کر دیئے گئے ہیں اس لغت کا نمونہ ذیل میں دیا گیا ہے :-

اسماء افراس :-

فرس ، اسپ ، رخش ، تکاور ، ابرش ، شبدیز ، اشقر ، شبرنگ عادیہ ، یارم ، خیل ، توسن ، جنیب ، ابلق ، اورق ، بادپا ، برق رفتار ، ملمع اورد ، ہسکر ، نوندیہ ، صبغ ، غبر ، مجحل ، خت قلاب ، ادلی اجنح ، دی صبح ، ادہم ، جلجوب ارس ، سنجاب ، اشہب ، جواد ، جیاد ، کمیت ، ضابی ، سوکف ، جید ، صافن ، بارہ بود ، بارگے ، بوز ، جنگ ، سمند ، خنگ ، کلکون ، شبرنگ ، جہانگرد ، ات ، دشت نورد

اصطلاح انشا پردازان را بکار آید :-

قلندر مست	لقمۂ ملولان	خاتون نازک	بوسۂ مرداں	لب بوسۂ زنان	خدیو معاملہ	
روٹ	ٹھومرا	سیویاں	پان	مے	آچار	
بانوی عقیمہ	غلام مغرور	قطائف یک ستانہ	تیر آتش	ہزار سوراخ	پیرایہ فقر	دانۂ کشتاح
سوایے	کھجور	شیرنی	باریک سیویاں	چیلا	چکولیاں	پلاؤ

یہ صرف نقل مطابق اصل ہے ، اور میں نے ان الفاظ کی صحت کے بارے میں تحقیق آئندہ مجلے کے لئے ملتوی رکھی ہے ۔

ضمیریں :- او ، اونو ملے ، اینو میں ، ہمیں

گردانیں :- کرنا کیا کیے گیا نیں کیا نیں کیئے گیا کریگا

کیا جائے گا نکریگا کیا نہ جائیگا کرتا ہے کیئے جاتا ہے ، نیں کرتا ہے

کیا نیں جاتا ہے کر کیا جا مت کر مت کیا جا

کیا او کیئے اونو کیا تون کیئے تمین کیا میں کیئے ہمیں

سیکیا او سیکیا تون سیکے تم سیکیا میں سیکے ہمیں

سیکے گا او سیکے گئے انو سیکے گیا تون سیکے گئے تمیں

سیکے گیا میں سیکے گئے ہمیں نیں سیکیا او نیں سیکے انو

نیں سیکیا تون	نیں سیکے تمیں	نیں سیکیا ہیں	نیں سیکے ہمیں
نیں سیکے گا او	نیں سیکے گئے انو	نیں سیکے گیا تون	نیں سیکے گئے ہمیں
سیکے گا او	سیکے گے انو	سیکے گا تون	سیکے گے تمیں
سیکوں گا ہیں	سیکے گے ہمیں سب	سیکے جائیگا ۔	

ریاستِ میسور میں مسلمان

(اس میں سنین عیسوی ہیں)

ہوی سلا سومیشورا (۱۲۳۳ - ۵۴) کے عہد میں ہوی سلا سلطنت یعنے کرناٹک کے حدود جنوب میں ترچناپلی اور شمال میں پندھاپور تک تھے" اس کے جانشینوں کے عہد میں ایک زمانے میں جنوب میں پُدوکوٹہ کی پوری ریاست اور ضلع راملناڈ کے بھی کچھ حصے سلطنتِ ہوی سلا میں شامل تھے، اس کے چار نائب سلطنت یا صوبہ دار ہوتے تھے اور ان کے صدر مقام آرگ[1]، آرگ یا چندر گُتّی یا ملے راجیا سے مراد ضلع سیموگہ اور شمالی کیانرا کے حصے ہیں، (سالیٹور جلد ۱ ص ۲۹۹) ہس پٹنا[2] ملے ہیدملباگل[3] اور پینگنڈہ[4] تھے، آرگ میں ریاست میسور کے ملناڈ کے اضلاع اور گووا سے منگلور تک ساحل شامل تھا، ہس پٹنا ملے بیڈ میں ملے بیڈ پائے تخت تھا لیکن ہس پٹنا میں جو بعد میں وجیانگر کے نام سے مشہور ہوا فوج کی ایک اہم بیرونی چوکی تھا، اس میں سلطنتِ ہوی سلا کا پورا درمیانی حصہ داخل تھا، ملباگل میں ضلع کولار کا اکثر حصہ اور قریب کے خطے دریائے پالار کے ساتھ ساتھ جنوب میں کم از کم ترووتم اور وِرنچی پورم تک پھیلے ہوئے تھے اور پینگنڈہ میں ٹمکور اور کولار کے ضلعوں کے شمالی حصے اور Ceded[1] Districts کا آدھے سے زیادہ حصہ داخل تھا، ہوی سلا ناڈ کی یہ تقسیم وجیانگر کے پہلے خاندان سنگما کے خاتمے (۱۳۳۶ - ۱۴۶۷) تک برقرار رہی۔

سلطنتِ ہوی سلا کے حدود خواہ وہ ہوی سلا اور وجیانگر کے خاندانوں کے زمانوں کے ہوں یا ۱۷۸۲ یعنے حیدر علی خان کی وفات کے وقت کے ہوں یا ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد ۱۷۹۹ میں معاہدۂ سرنگاپٹم کے بعد کے ہوں یا ۱ر نومبر سنہ ۵۶ء ۱۹ میں بھارت کے اضلاع کی نئی

---

[1] سنہ ۱۷۹۲ اور ۱۷۹۹ کے معاہدوں کی رو سے نظام حیدرآباد کو میسور کے جو علاقے ملے تھے انھیں نظام نے ۱۸۰۰ میں انگریزوں کے حوالے کردیا، تاکہ ان کی آمدنی سے انگریزوں کی ایک امدادی فوج حیدرآباد میں مقیم رہے انہیں موجودہ مدراس کے ضلعے بلاری کڈپہ اور ضلع کرنول کے چار تعلقے شامل ہیں ۱۸۸۲ میں ضلعٔ بلاری کے دو حصے کیے گئے ایک بلاری اور دوسرا انت پور، امپیریل گزیٹیر آف انڈیا (۱۹۰۸) جلد IX صفحہ ۳۲۰

تقسیم کے بعد کے ہوں ، بہر حال اِن حدود میں ملک کافور رجب ۱۳۱۱ میں داخل ہوا اور سلطنتِ ہوی سلا کے راجا بلالا سوم کی رہبری میں مدورا پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں کے ہندو راجاؤں کی فوجوں میں مسلمان سپاہی کافی تعداد میں ہیں اور جنوب بعید میں حیثیت اور اقتدار والے مسلمان بکثرت آباد ہیں، ۱۳۱۱ سے ۱۳۲۳ تک مدورا پر سلطنتِ دہلی کا اثر اور پھر ۱۳۷۸ تک باقاعدہ مسلمانوں کی اس پر حکومت رہی، سلطنتِ کرناٹک کے حدود میں بلالا سوم ۱۳۴۳ میں بیس ہزار مسلمان سپاہی مدورا پر فوج کشی کے لئے فراہم کرسکا تھا، بلالا کا بیٹا بلالا چہارم تقریباً دو سال دہلی میں مسلمانوں کے ماحول میں رہ چکا تھا اور اس وقت اس کی عمر چھبیس ۲۶ برس کی تھی، اور یہ باپ بیٹے ۱۳۳۹ تک یعنے اٹھائیس ۲۸ سال تک سلطنتِ دہلی کے ذمی اور ۱۳۲۶ میں محمد بن تغلق کے پھپیرے بھائی گرشاسپ کے معاملے میں بدنامی کی حد تک وفادار رہے۔

محمد بن تغلق نے ۱۳۳۰ میں ہری ہرا اور اس کے بھائی بکا کو کمپیلی کا شاہ اور وزیر بنا کر بھیجا، کمپیلی کے حدود میں سابق ریاستِ میسور کا اکثر حصہ شامل تھا اور موجودہ ریاست میسور میں کمپیلی داخل ہے' یہ دونوں بھائی ۱۳۲۶ میں مسلمان ہو گئے تھے اور پورے دس برس مسلمان رہے، پانچ چھے برس کے عرصے میں مسلمان بادشاہ ہری ہرا اور مسلمان وزیر بکا نے اپنے دلی کے اثرات کو ضرور کمپیلی میں عام کیا ہوگا، ۳۶ - ۱۳۳۵ میں یہ دونوں بھائی مرتد ہو گئے، ظاہر ہے کہ دلی کے ماحول میں ان کے دل و دماغ پر اسلامی عقاید و اعمال کا اور ان کی زبانوں پر فارسی، عربی اور ہندی کا یقیناً اثر ہوا ہوگا، لیکن تاریخوں میں اس کا مذکور نہیں اور ان کے اسلامی نام تک محفوظ نہیں رہے، یہی بھائی وجیا نگر کی سلطنت اور شہر دونوں کے بانی تھے، اور وجیا نگر کے حدود میں میسور کی پوری سابق ریاست داخل تھی، وجیا نگر کے راجا سالوا نرسمہا ۹۱ - ۱۴۸۶ کے عہد میں اس کے مشہور جنرل نرسا نائکا نے سرنگاپٹم فتح کیا اور وہاں اپنی کامیابی کا ستون نصب کیا، تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جس میں سرنگاپٹم منظر پر آتا ہے، وجیا نگر کے کرشنا دیوا رایا (۱۵۲۹ - ۱۵۰۹) نے سرنگاپٹم کے سردار کی لڑکی تروملامبا سے شادی کی، اور سرنگاپٹم کے ایک نوجوان سردار نے جو غالباً ولی عہد تھا رائچور کی جنگ میں عادل شاہی فوجوں کے مقابلے میں نمایاں حصہ لیا، ۱۵۷۰ میں رام رایا کے بھائی ترملا نے اپنے بیٹے راما کو سرنگاپٹم میں اپنا

نائب مقرر کیا تو سرنگا پٹم ایک اہم مقام بن گیا، راما کے بڑے بیٹے تروملا کی تربیت پینگنڈہ میں ہوئی تھی اور ونکٹا دوم (۱۶۱۴ - ۱۵۸۵) نے اپنے بھتیجے تروملا کو سولھویں صدی کے آخر میں یا سترھویں صدی کے شروع میں مدورا کے باغی نایک کے مقابلے کے لئے بھیجا لیکن وہ نایک سے مل گیا تو ونکٹا نے فوج کی کمان دوسرے سپہ سالار کو دے دی اس پر تروملا اپنے باپ کے صوبہ داری کے مقام سرنگا پٹم کو چلا گیا، ۱۶۱۰ میں جب ونکٹا بہت سی مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا اور تروملا کو کمک پہنچنے کی امید نہیں تھی تو میسور کے راجا وڈیر نے ۱۶۱۰ میں سرنگاپٹم پر قبضہ کر لیا، دو سال بعد ایک سند کے ذریعے ونکٹا نے راجا وڈیر ۱۶۱۷ - ۱۵۷۸ کو سرنگاپٹم کا وسیرائے مان لیا، اور اس کو تروملا پر کامیابی کی مبارکباد دی، یہاں سے ریاست میسور کی بنیاد پڑی اور اسے وجیانگر کے شہنشاہ کی منظوری مل گئی، راجا وڈیر کے بیٹے چامراج وڈیر ۳۷ - ۱۶۱۷ نے بتدریج پورا چن پٹن کا صوبہ فتح کر لیا، اور کنٹھیرا نرسا ۱۶۵۹ - ۱۶۳۸ کے عہد میں ریاستِ میسور کے حدود مدورا کے نایک کے حدود سے جا ملے تھے،

حیدر علی خان کے زمانے میں شہر وجیانگر ریاستِ میسور میں داخل تھا اور آج بھی اسی ریاست میں ہے، اسلام اور وجیانگر کے بانیوں ہری ہرا اور بکّا کا مذکور تعلق وجیانگر کے پورے حکمرانوں میں نمایاں ہے، اور لاکھوں مسلمان ان سے متوسل تھے، اور یہ حقیقت ہے کہ وجیانگر اور بہمنی حکومتوں کی ایک دوسری سے جنگیں مسلمانوں اور ہندوؤں کی جنگیں نہیں تھیں، بلکہ ہندو حکمرانوں اور مسلمان حکمرانوں کی آپس میں جنگیں تھیں، دکن کے مسلمان حکمران خود بھی آپس میں اپنے کثرت سے لڑتے تھے لیکن وجیانگر اور بیجاپور کے حکمرانوں اور رعایا میں اس قدر گہرے مراسم قایم ہو گئے تھے کہ وجیانگر کے مسلمان گویا بیجاپور کے مسلمان تھے، سلطنت وجیانگر (خصوصًا سابق ریاستِ میسور) میں مسلمانوں کی کیفیت پر یورپ کے مؤرخوں اور ہندوؤں کی لکھی ہوئی مستند تاریخوں میں کافی مواد محفوظ ہے، لیکن کسی مسلمان یا غیر مسلمان مورخ نے ان اطلاعات کو یکجا نہیں لکھا۔ میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے یہ کام میں نے انجام دیا ہے، اس پس منظر کے بغیر یہ جاننے کی کوشش کرنا کہ ریاستِ میسور میں اردو کی کیسے نشو نما ہوئی بے سود ہے اور اس کے بغیر ریاست میسور میں اردو زبان اور ادب کی تاریخ لکھنے والے کسی قابل اعتبار نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے

چوں کہ وجیانگر کی سلطنت میں مسلمانوں کے حالات سے بہت کم لوگ صحیح طور پر واقف ہیں میں نے وضاحت سے کام لیا ہے،

ریاستِ میسور میں حیدر علی خان سے پہلے کے کسی مصنف کا آج تک پتا نہ چل سکا اور جن شاعروں اور ادیبوں کی تحریریں ملتی ہیں کم و بیش ان سب کا ذکر شائع ہو چکا ہے، میں نے اس مضمون کے آخر میں ان سب ماخذوں کا ذکر کر دیا ہے، لیکن چوں کہ ریاستِ میسور میں اردو کے عنوان پر لکھنے والوں کے پیشِ نظر اس ریاست میں اردو بولنے اور لکھنے والوں کی کوئی مربوط تاریخ نہیں تھی، اس لئے ان کی نظر حیدر علی خان کے زمانے سے آگے نہ بڑھ سکی، توقع ہے کہ میری اس تحریر کے پیشِ نظر میسور میں اردو کے ذخیرے کی تلاش کی نئی نئی راہیں کھل جائیں گی اور آئندہ کوئی معتبر اور مستند کام ہو سکے گا،

جنوبی ہند سے اسلام کا تعلق شمالی ہند کی بہ نسبت بہت قدیم ہے، مسلمانوں کا پہلا بیڑا مغربی ساحل پر بمبئی کے شمال مشرق میں بندرگاہ تھانہ کو ۶۳۶ میں حضرت عمرؓ کے ایک عامل کی فوج لایا تھا، اس کے فوراً بعد مسلمان تاجر دکن اور جنوبی ہند سے اپنے قبل اسلام کے تعلق کو برقرار رکھتے ہوئے ساحل مالابار کے بے شمار حصوں میں مقیم ہو گئے، اور مشرقی ساحل پر تقریباً تیرہ عرض بلد تک اور تیرہ سے آٹھ عرض بلد تک کی جنوبی ہند کی پوری سرزمین پر اور راشٹراکوٹا کے پورے ملک میں مستقل طور پر لاکھوں کی تعداد میں مسلمان بسنے لگے، ان تاجروں کو ہندو راجاؤں کی پوری سرپرستی حاصل تھی اور یہ تاجر یہاں کی زبانیں بولتے اور یہاں کے لباس پہنتے تھے (التیکر صفحہ ۲۲۷)

ایک عرب سیاح اِصطخری ۹۵۰ میں ہندوستان آیا تھا وہ لکھتا ہے کہ "راشٹراکوٹا کے شہروں میں مسجدیں ہیں اور ان سب میں جمعے کی اور پنجوقتہ نمازیں پڑھی جاتی ہیں، منبروں پر سے اذانیں دی جاتی ہیں اور تکبیریں اور تہلیلیں علانیہ کہی جاتی ہیں، اور وہ بڑی وسیع سلطنت ہے اس سلطنت کے شہروں میں جو مسلمان ہیں ان پر حکومت کرنے کے لئے مسلمان حاکم راجا کی طرف سے مقرر ہیں"

سلیمان (۸۵۱) لکھتا ہے کہ ہندوستان بھر میں راشٹراکوٹا خاندان کے راجا کے برابر کوئی دوسرا راجا عربوں کو عزیز نہیں رکھتا، اس کی رعایا بھی اس قدر عربوں سے محبت کا

ثبوت دیتی ہے، راشٹراکوٹا خاندان کے راجا لمبی مدت تک زندہ رہتے ہیں اور بہتوں نے پچاس سال تک حکومت کی ہے اس لئے رعایا کا عقیدہ ہے کہ ان راجاؤں کی عمروں کی درازی اور ان کے ملک میں ترقی عربوں سے محبت و مروت کی وجہ سے ہے مسعودی (۹۵۵ - ۹۴۳) لکھتے ہیں کہ سندھ اور ہند میں کوئی راجا ایسا نہیں ہے جو بالکھیڈ کے راجا کے برابر اپنے ملک میں مسلمانوں کی عزت کرتا ہے۔ اس لئے اسلام اس ملک میں خوب ترقی پر ہے مسجدیں اور جامع مسجدیں بنائی جاتی ہیں اور ان میں باقاعدہ نمازیں ہوتی ہیں (نائی نار تیسرا باب)

دکن کے راشٹراکوٹا خاندان کا پائے تخت مانیا کیتھا یا موجودہ مال کھیڈ تھا، یہ گلبرگے کے جنوب مشرق میں تقریباً چالیس پینتالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور ریاست میسور کے موجودہ حدود میں داخل ہے، اس کی حکمرانی مہاراشٹرا، کرناٹک، مملکتِ نظام اور ریاستِ میسور پر تھی۔ اور اس خاندان کی مسلمان تاجروں سے دوستانہ رواداریوں کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کی سوار فوجوں کا پورا انحصار عربی گھوڑوں پر تھا اور اس معاملے میں وہ عربوں کے محتاج تھے اور یہی حال بعد میں وجیانگر کی حکومت کا تھا، راشٹراکوٹا خاندان نے مسلمانوں کو اس قدر آزادی دے رکھی تھی کہ ان کے آپس کے معاملے انھیں کے قاضی طے کرتے تھے (الٹیکر صفحہ ۴۱۵)

سیاح مسعودی اور ابن بطوطہ (چودھویں صدی) شہادت دیتے ہیں کہ پورے مغربی ساحل پر مسلمان اور مسجدیں تھیں، مشرقی ساحل پر بھی مسلمانوں کی آبادیاں تھیں، ان میں کائل پٹنم اور ناگور سب سے اہم ہیں، گیارہویں صدی کے شروع میں یعنی ملک کافور کے دکن آنے سے تین سو سال پہلے ترچناپلی کے قریب ایک اسلامی مُبلّغ نتھڑ ولی (سید نظہر ولی) جو ترکستان سے آئے تھے، بڑی گرمی سے اسلام کی تبلیغ کرتے تھے اور انھوں نے بے شمار ہندوؤں کو مسلمان بنایا، ان کا مزار آج بھی وہاں ہے۔

ایک روایت ہوی سلا خاندان کا پہلا راجا سلا سنہ ایک ہزار چھ میں تخت نشین ہوا اس خاندان کے ایک راجا بٹی دیوا (۱۱۰۴ تا ۱۱۴۱) (رریس صفحہ ۳۳۶) کے بارے میں راماُنجاچارُ کی سوانح عمری کے مصنف گوندا چاریہ لکھتے ہیں (صفحہ ۱۸۰) بٹی دیوا جین مذہب کا پیرو تھا، ایک دن اس نے ٹنور میں جو سرنگا پٹم کے شمال میں تقریباً سات میل کے فاصلے پر بیلگوڑے کے راستے میں ہوی سلا

حکومت کا ایک پائے تخت تھا، اپنے ہم مذہب علماء کے ساتھ کھانا کھانا چاہا، لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کہا "اے راجا! دہلی کے ترکی شہنشاہ نے تجھے اور تیرے ملک کو گرفتار کیا اور یہ بتانے کے لئے کہ تو نے اپنی آزادی اور شہنشاہی کھو دی ہے، تجھے ایک انگلی سے محروم کر کے تجھ پر ایک نشان چھوڑا لیکن ہماری رسم ہمیں اس شخص کے گھر میں کھانے کی اجازت نہیں دیتی، جس کے ایک انگلی نہ ہو، کیا تو بھول رہا ہے کہ تو بٹی دیوا یعنے انگلی کا راجا ہے۔

اس روایت کے مطابق مسلمان فاتح ہوی سلا کی سلطنت میں ملک کافور کی آمد سے دو سو سال پہلے آئے تھے۔

دورسمدرا کے راجا ویرنرسمہا کے بیلور میں ایک عطیے سے جس کی سند تانبے کی تختی پر کندہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ Varanasi کے تمام علاقوں کے باشندوں سے اس خراج کی رقم وصول کرنے کا انتظام کیا گیا تھا جو ترشکوں (ترکوں) کو دینا لازمی تھا اس لئے سنہ ۱۲۷۸ء سالے ٹور کے نزدیک سب سے پہلی تاریخ ہے جس میں شمال کے مسلمانوں کے ٹھیٹ کرناٹک میں نفوذ کا ثبوت ملتا ہے۔

ایک اور روایت ۱۳۱۱ میں ملک کافور نے دورسمدرا کو جو ہوی سلا سلطنت کا پائے تخت تھا فتح کیا تو دہلی کے سلطان کی لڑکی راجا کی شجاعت کا حال سن کر اس پر عاشق ہو گئی اور خودکشی کر لینے کی دھمکی دی اگر راجا نے اس سے شادی نہیں کی، راجا نے اپنی تلوار مناسب شان سے جلوس کے ساتھ دہلی بھیجی، شہزادی کی اس تلوار سے شادی ہوئی، شہزادی دورسمدرا آئی اور دس برس تک ان میں اتفاق رہا پھر راجا کو احساس ہوا کہ وہ راجپوت ہے اور شہزادی ادنیٰ ذات کی ہے تو اس نے رشتہ توڑ دینے کی کوشش کی جو ۱۳۲۶ میں مسلمانوں کی دوبارہ فوج کشی کا باعث ہوئی۔"

(دی میسور ٹریبس اینڈ کیاسٹس چوتھی جلد)، بہرحال اس روایت سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کی ابتدا ہی میں کرناٹک کے ہندو مسلمانوں سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے کہ ایک مسلمان شہزادی سے ان کے راجا کی شادی ہو سکتی تھی، بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ جنوب میں مسلمان بکثرت تھے اور ان کو عبادت اور تبلیغ کی پوری آزادی تھی (جنوبی ہند کی تاریخ از شاستری صفحہ ۲۱ - ۲۲۰)

بابا نتّا (نتھڑ ولی) کی درگاہ کے سجادہ نشینوں کی ان کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے وجیانگر کے راجا بڑی قدر کرتے تھے، پندرھویں صدی کے آخر میں سالوا نرسنگا رایا نے درگاہ کو

بہت سے قریے جاگیر میں دئے تھے، تاکہ ان کی آمدنی سے علم نجوم وزائچہ کو ترقی دی جائے، سداسوارایا نے ان قریوں میں مزید اضافہ کیا اور سولھویں صدی کے آخر میں ونکٹاپتی راباءول نے اور اضافے کئے پھر ۴۰-۱۶۳۹ میں ونکٹاپتی رایادوم نے اور اضافے کے ساتھ ان عطیوں کی اسناد کی تجدید کی، تجدید کی اس لئے ضرورت ہوئی کہ اصل اسناد گم ہو گئے تھے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سالیٹور صفحہ ۱۳-۱۲ ۱۴م جلد ۲)
اس سے ظاہر ہے کہ ہندو حکمران پورے اخلاص سے اسلام کے پیروؤں کو اپنی حکومت میں پناہ دینا چاہتے تھے، اس سلسلے میں ڈاکٹر سالیٹور کی کتاب کے آٹھویں باب "خارجی تعلقات - ہندو مسلم دوستانہ تعلقات" کا بغور مطالعہ بہت مفید ہے۔

مدورا کے نایک خاندان کی رانی منگمال نے ترچناپلی کے قریب چند قریے ۰۲-۱۷۰۱ میں بابا نتا کی درگاہ کو دئے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ سجادہ نشین کی ایک پیشین گوئی کہ تنجاور کی حکومت کے اپنے معاملات میں کامیابی ہوگی، سچی ثابت ہوئی تھی (مہالنگم صفحہ ۳۲۰)

مسلمانوں کے ساتھ وجیانگر کے حکمرانوں کے اس سلوک کی پیروی صوبائی حکمران بھی کرتے تھے چنانچہ چلکور نامکلشیکھرا پانڈیا نے ۶-۱۵۵۵ میں تنکن پلی کی مسجد کو ایک قریہ دیا تھا اور اکیری کے نایک اپنی ریاستوں میں مسلمانوں کے مفاد کی روایتی طور پر نگہداشت کرتے تھے،

ھناوار ریاست میسور کے مغربی ساحل پر شمالی کیانرا میں ایک بندرگاہ ہے یہ چودہویں صدی کے آخر میں ایک مسلمان گورنر جمال الدین محمد ابن حسن کے ماتحت تھی جو ابن بطوطہ کی ایک روایت کے مطابق ایک ہندو راجا ہریب (ہری ہرادوم) کا ماتحت تھا (سالیٹور صفحہ ۷۰)

ھناوار کے جنوب میں بھٹکل کی بندرگاہ کے بارے میں بار بوسا ۱۵۱۴ میں لکھتا ہے کہ "بڑا شہر ہے، بہت بڑی تجارت کا مقام ہے، اس میں بہت سے مسلمان اور ہندو ہیں۔ جو تجارت کے ماہر ہیں، اس بندرگاہ میں بہت سے جہاز ہر طرف سے آکر جمع ہو جاتے ہیں اور عمدہ سفید چاول اور بورا شکر لے جاتے ہیں۔" ریاست میسور کے ضلع جنوبی کیانرا کی بندرگاہ منگلور کے بارے عبدالرزاق ۱۴۴۵ میں لکھتے ہیں کہ "منگلور میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی بہت گنجان آبادی ہے اس میں مسلمانوں کی بہت سی مسجدیں ہیں جن میں محمد صلعم کی بڑی عزت کرتے ہیں۔"

۱۸ نومبر ۱۳۱۰ کو ملک نائب کافور ہزارہ دیناری ہوی سلا ناڈ یعنے ریاست میسو یا کرناٹک گئے

پائے تخت دور سمدر را یا ہلے بیڈ کو مغلوب کرنے دہلی سے روانہ ہوا اور دیو گیری پہنچ کر وہاں سے ۷ فروری ۱۳۱۱ کو آگے بڑھا پانچ دن کوچ کرنے کے بعد ہوئی سلا کی سرحد پر قیام کیا، اس زمانے میں سلطنت ہوی سلا یعنے کرناٹک کا راجا ویر بلالا سوم تھا اور اس کی مدت حکومت ۱۳۴۳-۱۲۹۲ تک تھی۔ فوج میں بعض افسر مقرر تھے جو آگے بڑھکر ترجمانوں کی مدد سے ملک کے حالات سے واقف ہوتے تھے چنانچہ عصامی کی فتوح السلاطین میں ہے :-

چو بہرام کرہ چو قتلغ نہنگ — چو محمود سرتیہ با ہوش و ہنگ

اباجی مغل بود در لشکرش — بفرمان شہ بود فرماں برش

ببردی اباخود یکی ترجماں — کہ واقف بدی در تمامی زباں

دیو گیری کے رام دیو نے ملک کافور کی امکان بھر تائید کی اور اپنے ایک سپہ سالار پرسرام دلوا کو رہبری کے لیئے ساتھ بھیجا، اس زمانے میں بلالا دور سمدر ا میں نہیں تھا، وہ اپنی سلطنت کے جنوب میں پانڈیا کی سرحد پر کنگو نامی مقام میں پانڈیا کے ملک پر حملے کی تیاری کر رہا تھا کیونکہ بڑے بیٹے سندر پانڈیا نے اپنے باپ ماڑورمن (Maravarman) کو قتل کر دیا تھا اس لیئے کہ اس نے چھوٹے بیٹے ویر پانڈیا کو جو کنیز زادہ تھا تخت نشیں کر دیا تھا اور ان دونوں بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی ویر بلالا اس سے فائدہ اٹھاکر پانڈیا کے ملک پر قابض ہونا چاہتا تھا لیکن ملک کافور کی آمد کی خبر سن کر وہ فوراً ہلے بیڈ پہنچ گیا تھا، ہوی سلا کے حالات سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد ملک کافور ۲۵ فروری کو دور اسمدر ا کے قلعے تک پہنچ گیا اور تین دن بعد ۲۸ فروری کو بلالا لڑے بغیر مطیع ہوگیا، اور سلطنت دہلی کا ذمی بن گیا،

دور سمدرا سلطنت ہوی سلا کا شمال مغرب میں ایک پائے تخت تھا، اس سلطنت کے دو اور پائے تخت تھے، وسط میں کنڈانی اور جنوب میں کنتور یا اس کا بدل نرود نالای۔ ملک کافور دور سمدرا سے ۱۰ مارچ کو بلالا کی رہبری میں معبر کی طرف بڑھا، معبر ایک وسیع اور طاقتور سلطنت تھی، اس کے حدود جزیرہ عرب پر کولین سے ساحل کارومنڈل کے ساتھ ساتھ نلور تک جو شمالی دریائے پنار پر ہے وسیع تھے اور اس میں پورا تملناڈ شامل تھا، دریائے وی گی پر مدورا کا قدیم شہر معبر کا اصل پائے تخت تھا ایک اور شہر جس کا نام ویر دھاول پٹنم یا ہیر دھول پٹن

یا بیر دھول ہے، اور جو ساحل کارومنڈل پر جنوبی ارکاٹ کے تعلقے ٹِنڈی وَنَم میں اُرَے یُور کے قریب واقع ہے، معبر کے شمالی علاقوں کا ثانوی پائے تخت تھا، یہاں کے راجا کے پاس ہندو فوج کے علاوہ مسلمانوں کی بھی ایک طاقتور سوار فوج تھی، اس نے ہوی سلا کے راجاؤں سے کنگو چھین لیا تھا اور دوبار ان کے پائے تخت دور سمدر کا محاصرہ کیا تھا، ۲۶ر مارچ ۱۳۱۱ میں ملک کافور بیر دھول کے نواح میں پہنچا، مسلمانوں کی سوار فوج نے ملک کافور کا راستہ روکا اور بہت سخت مقابلہ کیا لیکن راجا انھیں اطلاع دئے بغیر قلعے سے فرار ہوگیا، اس کی اطلاع فوج کو دوسری صبح کو ہوئی مسلمان بہت مایوس ہوئے کہ انھیں فریب دیا گیا ہے اور انھیں ویرا پانڈیا نے علانیہ دشمن کے حوالے کردیا ہے، اس لئے انھوں نے ہتھیار رکھ دئے ملک کافور نے ان کے ساتھ رعایت برتی اور اچھا سلوک کیا، پھر بلالا کی رہبری میں مسلمان سوار فوج نے ویرا پانڈیا کا تعاقب کیا۔

لیکن ویرا پانڈیا ہر موقع پر بچ نکلا، آخر کار ۱ر اپریل ۱۳۱۱ کو ملک کافور بیر دھول واپس ہوگیا، پھر ملک کافور پوری فوج کے ساتھ ۳ر اپریل کو بیر دھول سے کوچ کیا اور ۱۰ر اپریل کو مدورا پہنچا، وہاں سے سندرا پانڈیا بیوی بچوں سمیت فرار ہوچکا تھا، ملک کافور مدورا سے آگے نہیں بڑھا (ونکٹرمنیا صفحہ ۶۹) اور شنبہ ۲۴ر اپریل ۱۳۱۱ کو دہلی کی طرف روانہ ہوا، بلالا اس کو پہنچانے سوجا لنا تک گیا، جو دیوگیری کے جنوب مشرق میں تھوڑے سے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔

ملک کافور بلالا کا اس کی رہبری کی وجہ سے بہت ممنون تھا اور سمجھتا کہ اگر اس کی خاطر مدارات کی گئی تو اس کی دوستی آئندہ معبر کو فتح کرنے میں بہت مدد دے سکتی ہے، اس لحاظ سے وہ بلالا کے فرزند اور ولی عہد کنور بلالا کو اپنے ساتھ دہلی لے گیا،

دہلی میں سلطان علاؤالدین نے ایک دربار عام میں جو سنہری محل میں ۳۰ر اکتوبر ۱۳۱۱ کو منعقد ہوا تھا ملک کافور کی پزیرائی کی اور اس کو خلعت بخشا، ملک کافور نے نوجوان بلالا کا سلطان سے تعارف کرایا، اور معبر کی مہم میں اس کے باپ نے جو قابل قدر خدمت کی تھی اس کا ذکر کیا، بلالا سے سلطان بہت خوش ہوا، اس کے بیٹے سے بڑی شفقت سے پیش آیا، اس کو خلعت دیا اس کے سر پر شاہی دستار رکھی اور اس کو ایک چتر بھی بخشا اور ملک کافور نے بلالا کا

ملک (سلطنت ہوی سلا) جو فتح کر لیا اسی کو بحال کر دیا، اور اسس کو دس لاکھ تنکے انعام میں دیئے، مذکورہ فتح یابی کے بعد سلطان نے کنور بلالا کو دور سمدرا کو بھیج دیا۔
(فتوح السلاطین صفحہ ۲۹۰)

غرض چوں ملک نائب سرفراز | بحضرت در آمد بصد عز و ناز
رسانید بر شہ بسے پیل و مال | بپا بوس شہ بردرای بلال
بخندید شہ چوں گل بامداد | بنائب ملک خلعتے خاص داد
بلال سرافراز را گفت شاہ | کہ رہبر ہمی بود پیش سپاہ
ابا خلعت خاص چترش دہند | کلاہ کیانی بفرقش نہند
برو تنکہ دہ لک انعام داد | بسے وعدہایش باکرام داد
ازاں پس رواں کرد در کشورش | بدو داد انعام بوم و برش

عصامی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کافور بلالا سوم کو دہلی لے گیا تھا نہ کہ اس کے بیٹے بلالا چہارم کو، یہ مغالطہ اس لئے ہوا ہے کہ باپ بیٹے دونوں کے نام ایک ہی ہیں، لیکن بیلے ہیڈ کے ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ کنور بلالا راجا ۶ رمئی ۱۳۱۳ کو دلی سے واپس آیا تو باپ نے سرحد پر بیٹے کی پذیرائی کی اور اس کی واپسی پر خدا کا شکرانہ ادا کیا اور سب پرانے اور نئے ٹکس معاف کر دیئے تاکہ رعایا خوشی منائے (رسالہ بیتوڑ صفحہ ۵ جلد ۱) اور کوڈلی کے راماناتھا کے مندر کو عطیہ دیا، ملک کافور کی ۱۳۱۱ میں دلی کو واپسی کے بعد ویرا پانڈیا اور سندرا پانڈیا میں پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی، سندرا جو ویرا پانڈیا کا مدمقابل نہیں تھا دلی کو علاؤالدین کے پاس بھاگ گیا، اور وہاں سے مسلمان فوج کے ایک دستے کے ساتھ واپس آیا لیکن اس عرصے میں پانڈیا کے ملک پر کیرالا کا سردار روی ورما قبضہ کر چکا تھا اور اس نے کانچی پہنچ کر اپنے سر پر تاج رکھا تھا، بہرحال سندرا پانڈیا لڑ بھڑ کر مدورا تک پہنچ گیا اور وہاں کسی کو کسی طرح جم گیا،
علاؤالدین کی زندگی میں رام دیوا کے بیٹے راجا شنکر کی شکست کے بعد ملک کافور دیوگیری کا پہلا گورنر مقرر ہوا، وہ ۱۳۱۳ سے ۱۳۱۶ تک گورنر رہا، ممکن ہے کہ کنور بلالا اسکے ساتھ دلی سے واپس آیا ہو، علاؤالدین کے انتقال تک دکن اور جنوب کے راجا سلطنت دلی

کے باج گزار رہے، ۱۳۱۵ میں سلطان علاؤالدین کے طلب کرنے پر ملک کافور دلی گیا تو دیوگیری کا انتظام اپنے سپہ سالار عین الملک کے حوالے کر گیا، علاؤالدین کے انتقال کے بعد ملک کافور نے اس کے چھ سال کے لڑکے شہاب الدین عمر کو تخت نشین کر کے خود ولی بادشاہ بن گیا، اور علاؤالدین کے تیسرے بیٹے مبارک خان کو جس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی قید کر کے اندھا کرنا چاہا، لیکن مبارک نے سپاہیوں کو قائل معقول کر کے اپنا لیا، انھیں سپاہیوں نے اسی رات کو علاؤالدین کی وفات کے ۳۵ دن بعد ملک نائب کو قتل کر دیا، مبارک پہلی اپریل تک قائم مقام بادشاہ بنا رہا، پھر شہاب الدین عمر کو اندھا کر کے خود قطب الدین مبارک شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوگیا، اس نے گجرات کے ایک شودر کو مسلمان بنایا اس کا نام حسن رکھا اور اس کو خسرو خاں کا لقب دے کر وزیر اعظم بنا دیا، سلطنتِ دلی کے امور میں افرا تفری سے فائدہ اٹھا کر دیوگیری کے راجا رام دیو کے داماد ہرپال نے بغاوت کر دی اور دیوگیری کے مسلمان گورنر کو بھگا دیا، اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے مبارک خود دکن آیا اور ہرپال کو قتل کر دیا، مبارک نے ۱۳۱۸ کی برسات دیوگیری میں گزاری، برسات کے بعد اس نے دیوگیری میں ملک اک لاکھی کو گورنر مقرر کیا، اور خسرو کو ورنگل خراج وصول کرنے بھیج کر خود دلی چلا گیا، سلطان کا تسلط تلنگانہ پر بحال کر کے اور خراج لے کر خسرو بہت جلد دلی پہنچ گیا، ملک اک لاکھی نے دیوگیری میں بغاوت کر دی تو مبارک نے اس کو فرو کرنے کے لئے دوبارہ خسرو کو دیوگیری بھیجا اس نے ملک اک لاکھی کو پکڑ کر دلی بھیج دیا اور خود معبر کی طرف بڑھ گیا، مبارک نے دوبارہ عین الملک کو دیوگیری کا گورنر بنایا اور وہ ناصر الدین خسرو خان کی وفات ۱۳۲۰ تک گورنر رہا (ونٹ رمنیا صفحہ ۱۵۷) خسرو مدورا پہنچ کر خود مختاری کے خواب دیکھنے لگا لیکن وہ دلی واپس جانے پر مجبور کیا گیا،

۱۴ اپریل ۱۳۲۰ کی رات کو خسرو خان اور اس کے ایک ساتھی جاہریا نے مبارک کو قتل کر دیا صبح کو خسرو ناصر الدین خسرو شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا، ۵ ستمبر کو فخر الدین محمد جونا (محمد تغلق) کے باپ غازی ملک نے اندرپت کے پرانے قلعے کے پاس خسرو کو شکست دی اور اسے قتل کر دیا، چوں کہ علاؤالدین کے خاندان کا کوئی فرد باقی نہیں رہا تھا، غیاث الدین ۸ ستمبر کو غیاث الدین تغلق شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا، (کیمبرج ہسٹری III صفحہ ۱۲۶ - ۱۱۹)

جب دیوگیری سے مبارک کی فوج کا ایک دستہ دورسمدر کی طرف بڑھا تو اس وقت بلا لا

تملناڈ میں تھا، لیکن اس کے ایک افسر کٹاری سالوا راسیا نائکا نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور انھیں لوٹ جانے پر مجبور کیا، بلالا کے افسر کے اس رویّے نے دلّی کی سلطنت کو بلالا سے کچھ بدگمان بنا دیا۔ لیکن بلالا نے مسلمانوں سے اپنی دوستی قایم رکھنے کی غرض سے ۱۳۲۶ میں اس بدگمانی کو بڑی خوبی اور دانشمندی سے دور کردیا، چنانچہ محمد بن تغلق کی تخت نشینی ۱۳۲۵ میں ہوئی تو غیاث الدین تغلق کے بھانجے بہاؤالدین گرشاسپ نے جو گلبرگے کے قریب سرحد پر (شولاپور کے شمال میں دس میل کے فاصلے) ساغر یا ساگر نامی مقام میں گورنر مقرر ہوا تھا بغاوت کردی اور خود مختار بن بیٹھا، محمد بن تغلق نے اپنے پھپھیرے بھائی کو گرفتار کرنے کے لئے گجرات کے گورنر احمد ایاز ملک زادہ عرف خواجۂ جہاں کو بھیجا خواجۂ جہاں نے مجیر ابورجا گورنر دیوگیری کے ساتھ دریائے گوداوری کے قریب بہاؤالدین کا مقابلہ کیا وہ شکست کھا کر بھاگا اور بیویوں اور بچوں سمیت اپنے دوست کمپیلہ کی پناہ میں چلا گیا، یہ کمپیلی[1] کا راجا تھا، راجا اس وقت کمتّا میں تھا جو آنے گنڈی سے تقریباً آٹھ میل ہمپی کے مغرب میں ہے، خواجۂ جہاں نے کمتّا کا محاصرہ کرلیا اور کمپیلہ کا سپہ سالار مارا گیا تو کمپیلہ اور بہاؤالدین کمتّا سے بھاگ کر ہسدرگ میں قلعہ بند ہو گئے لیکن جب شکست یقینی ہوگئی تو بہاؤالدین اپنے قبیلے کے ساتھ بلالا کی طرف جو اس وقت ٹنور میں تھا (سیول صفحہ ۱۷) فرار ہوگیا لیکن کمپیلہ لڑ کر

---

[1] کمپیلی کا بانی ممڈی سنگا ہے یہ دیوگیری کے رام دیوا کے امرا میں سے تھا، علاؤالدین نے جب ۱۲۹۴ میں رام دیوا کو مطیع کیا تو ممڈی سنگا نے جنوب کی طرف ہجرت کی اور کمپیلی کی بنیاد رکھی اور کتبوں اور لوحوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم ۱۳۰۲ تک وہ رام دیوا کے ماتحت رہا ۸-۱۳۰۷ میں ملک کافور نے جب دکن پر چڑھائی کی اور رام دیوا کو گرفتار کرکے اس کو بال بچوں سمیت دلی بھیج دیا تو ممڈی سنگا بھی بالکل آزاد ہوگیا، لیکن رام دیوا جلد ہی دلی سے دیوگیری واپس بھیج دیا گیا۔ ۱۳۱۲ میں رام دیوا کے مرنے کے بعد رام دیوا کا بیٹا شنکرا دیوا نے خراج دینا بند کردیا تو ملک کافور پھر دکن آیا شنکرا دیوا بھاگ گیا، اس مرتبہ علاؤالدین نے کافور کو دیوگیری کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اس لئے کافور وہاں کے انتظام میں لگ گیا اس زمانے میں ممڈی سنگا مرچکا تھا اور اس کا بیٹا کمپیلہ دیوا کمپیلی کا راجا تھا اس نے کافور کی اطاعت قبول نہیں کی اس پر ملک کافور نے کمتّا کا محاصرہ کرلیا اور ایک ہفتے کے بعد شاید دلی سے اس کی طلبی ہونے کی وجہ سے اس کا محاصرہ اٹھا لیا، پھر وہ دلی چلا گیا، اور عین الملک کو دیوگیری میں اپنا قایم مقام بنا گیا اس زمانے میں یعنے ۱۳۱۵ سے ۱۳۲۶ تک کمپیلہ دیوا سے مسلمانوں نے تعرض نہیں کیا۔ پھر جو سابقہ گرشاسپ کے معاملے میں پڑا تو جان ہی گئی۔

فر

قتل ہوگیا۔ (۱۳۲۶) خواجۂ جہاں نے اس کے گیارہ بیٹوں کو دیوگیری بھیج دیا وہ وہاں جاکر مسلمان ہوگئے محمد بن تغلق اس زمانے میں دیوگیری میں تھا، ابھی خواجۂ جہاں دورسمدرا کی طرف بڑھنے کا قصد ہی کر رہا تھا کہ بلالا نے بہاؤالدین کو گرفتار کرکے اس کو خواجۂ جہاں کے حوالے کرنے کے لئے خود ہسدرگ کی طرف روانہ ہوا، بلالا کی اس فوری دانشمندی اور دوراندیشی نے اس کے اخلاص اور وفاداری کا یقین دلایا، اور خواجۂ جہاں اپنی فوجوں اور قیدی کے ساتھ دیوگیری واپس ہوگیا، زوال کمپیلی کے کچھ عرصے بعد تک محمد دیوگیری میں رہا اور پائے تخت کو دلی سے دیوگیری میں منتقل کرنے کا انتظام کرتا رہا

ملک کافور نے مدورا پر قبضہ رکھنے کے لئے وہاں کوئی فوج نہیں چھوڑی بلکہ وہ مدورا سے جلد لوٹ جانے پر مجبور ہوگیا تھا، اس کے تقریباً دس سال بعد مبارک نے خسرو خان کو فوج دے کر معبر فتح کرنے بھیجا، لیکن وہ بھی ناکام لوٹا۔ پھر محمد بن تغلق نے ایک فوج ۱۳۲۳ میں معبر کو بھیجی، اس فوج نے معبر فتح کرلیا، اور پانڈیا خاندان کے ایک راجا پراکرما دیوا کو پکڑ کر دلی بھیج دیا، ۳۵ - ۱۳۳۴ تک تقریباً بارہ برس مدورا سلطنتِ دلی کے ماتحت رہا۔

محمد بن تغلق کے زمانے سے پہلے معبر میں مسلمان حکمراں نہیں تھے لیکن پانڈیا سلطنت میں مسلمانوں کو بلند مقام حاصل تھے اور ان کی تعداد کثیر تھی، اور ان کی سماجی اور مالی حالت قابل رشک تھی، چنانچہ وصاف لکھتا ہے کہ تقی الدین کو سندر پانڈے کی سلطنت کے نظم و نسق میں راجا کی زندگی میں اور اس کی وفات ۱۲۹۲ کے بعد تھوڑے عرصے تک اعلیٰ حیثیت اور اقتدار حاصل تھا برنی لکھتا ہے کہ خسرو خان نے سراج الدین تقی خان نامی ایک بہت بڑے مالدار کو لوٹ لیا اور قتل کردیا، فتوح السلاطین کے مصنف عصامی نے بھی یہ واقعہ لکھا ہے جس سے معبر کے مسلمانوں کی ثروت اور خسرو خان کی سفلگی اور غارت گری کا اندازہ ہوتا ہے:-

تقریباً ۱۳۳۵ میں مدورا کے گورنر احسن خان نے بغاوت کردی، اس کی تنبیہ کے لئے ایک فوج بھیجی گئی لیکن وہ وہیں کی ہو رہی اور مذکورہ گورنر سید جلال الدین احسن شاہ کے لقب سے خود مختار بن گیا، یہاں مسلمانوں کی یہ آزاد حکومت بیالیس برس یعنے ۷۸ - ۱۳۷۷ تک رہی اس کا آخری بادشاہ سکندر شاہ تھا۔ دریائے کاویری کے جنوب کا پورا ملک اور ساحلی علاقہ رامیشورم تک ان کے ماتحت تھا، گرشاسپ کی بغاوت نے محمد بن تغلق کو اس امر کا احساس دلایا کہ

دکن اورجنوبی ہند سے دور رہ کران پر تسلط رکھنے میں دشواریاں ہیں، اس لئے ایک مرکزی مقام کو پائے تخت بنانا ضروری ہے، چنانچہ ۱۳۲۷ میں اس نے دیوگیری کا نام دولت آباد رکھا اور اس کو پائے تخت قرار دیا محمد دولت آباد میں پانچ یا چھ مہینے رہا ہوگا کہ ملتان اور سندھ میں بغاوت ہوگئی، محمد تغلق وہاں کا انتظام کرنے گیا اور ۱۳۳۰ میں دولت آباد واپس ہوگیا، دو ڈھائی سال دولت آباد میں گزرے تھے کہ دوآب میں بغاوت ہوگئی ۱۳۳۳ میں محمد تغلق اس کو فرو کرنے کے لئے گیا، وہاں سے وہ ۱۳۳۴ کے وسط میں دِلّی واپس آیا اور کچھ ہی آرام لیا تھا کہ خبر پہنچی کہ مدورا کے گورنر سید جلال الدین احسن نے بغاوت کردی، محمد ۵ رجنوری ۱۳۳۵ کو دہلی سے روانہ ہوا اور دولت آباد اور بیدر سے ہوتا ہوا ورنگل پہنچا تھا کہ فوج میں ہیضہ پھیل گیا، بادشاہ خود بیمار ہوگیا اور اس کی صحت کئی مہینوں تک بحال نہیں ہوئی، محمد نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کردیا، اور دلی واپس ہوتے ہوئے اس نے عام اجازت دے دی کہ جو بھی دلی کا باشندہ دولت آباد سے واپس دلی جانا چاہے اس کو اجازت ہے، اکثر لوگ آٹھ برس بعد اپنے وطن دلی کو واپس گئے، اور بہت سے دولت آباد ہی میں رہ گئے،

۱۳۲۹ میں بلالا نے آزادی کا اعلان کرکے کمپیلی پر حملہ کردیا اس وقت کمپیلی کا گورنر ملک محمد تھا، سلطان نے ہری ہرا کو بادشاہ اور اس کے بھائی بکا کو وزیر بنا کر کرناٹک کی حکومت عطا کی اور انھیں فوج دے کر بلالا سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا، ہری ہرا اور بکا پہلے ورنگل کے پرتاب رُدرا کے نوکر تھے، ورنگل مفتوح ہونے اور پرتاب رُدرا کی گرفتاری کے بعد یہ دونوں بھائی کمپیلی کو بھاگ گئے، اور وہاں کے راجا کمپیلہ کے وزیر اور خزانہ دار ہوگئے اور راجا کے خاندان میں شادیاں کیں، پھر جب کمپیلہ مارا گیا اور اس کے لڑکے گرفتار ہوکر دیوگیری گئے تو ہری ہرا اور بکا بھی ان قیدیوں کے ساتھ دیوگیری بھیج دئے گئے، سلطان نے ان بھائیوں کی شجاعت اور صداقت سے خوش ہوکر انھیں آزاد کردیا اور مسلمان بنا کر اپنے ساتھ رکھا (سالیتوُر جلد ۱ صفحہ ۵)، راج کال رتنیا کے حوالے سے)

ہری ہرا اور بکا نے دریائے کرشنا پار کرکے بلالا پر حملہ کیا، پہلی دفعہ ان بھائیوں کو کامیابی نہیں ہوئی، لیکن دوسری دفعہ انھوں نے بلالا کو پوری شکست دی اور مضبوطی سے کمپیلی میں جم گئے

اس وقت کمپیلی کے ماتحت یہ علاقے تھے :-

بلاری اور رائچورا ور دھاڑ واڑ کے ضلعے، تنگ بھدرا کے کنارے تین اہم قلعے کمپیلی[1]، کمٹ[2]، ہسدرگ[3] چتلدرگ اور سیموگہ کے ضلعے، شمال میں دریائے کرشنا تلنگانہ کا اکثر حصہ، پورا کڈپے کا ضلع اور جنوب میں ٹنڈے منگلم تک جو تملناڈ میں ہے،

۱۳۳۰ سے ۱۳۳۵ تک ہری ہرا پوری وفاداری سے اپنی نیابت کے فرائض انجام دیتا رہا یعنے ۱۳۲۴ سے ۱۳۳۵ تک پورا دکن اور جنوبی ہند سلطان محمد کے قبضے میں تھا۔ اور اس کی پانچ صوبوں میں تقسیم ہوئی تھی، دیوگیری[1]، تلنگانہ[2]، کمپیلی[3]، دورسمندرا[4]، معبر[5] اور ان دس سال کے عرصے میں ان مقبوضات میں مسلمانوں کی آبادی ہندوؤں کے لیے خوفناک حد تک بڑھ گئی تھی، (فرشتہ برگس I صفحہ ۴۲۷) لیکن جب ہری ہرا نے ۳۶-۱۳۳۵ میں حالات کا جائزہ لیا کہ مدورا میں سید جلال الدین احسن شاہ خود مختار ہو گیا ہے اور ورنگل اور تلنگانہ میں کا پیا نایکا نے مسلمانوں کا جوا اتار پھینکا ہے، اور وہاں کے گورنر ملک مقبول کو دیوگیری بھگا دیا ہے اور اس مہم میں بلالا جیسے سلطنت دلی سے مرعوب راجا نے کاپیا کو فوجی کمک بھیجی ہے اور خود سلطان دیوگیری سے چلا گیا ہے اور امرا کو دلی منتقل ہو جانے کی اجازت دے دی ہے تو ہری ہرا کو جرأت ہوئی کہ وہ اسلام ترک کر دے اور اپنا آبائی مذہب اختیار کر کے آزادی کا اعلان کر دے چنانچہ اس نے دشمنوں یعنے مسلمانوں پر فتح حاصل کرنے کی خوشی منائی اور تنگا بھدرا کے جنوبی ساحل پر اپنے پایۂ تخت آنے گنڈی کے مقابل ایک نئے شہر وِدّیا نگر (علم کا شہر) یا وجیا نگر (فتح کا شہر) کی بنیاد ۳۶-۱۳۳۵ میں رکھی، پہلا نام ان دونوں بھائیوں کے گرو مادھوا چاریا، ودّیارنیا (علم کا جنگل) کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ودّیارنیا ۱۳۳۱ میں سرنگیری کا گرو ہوا اور اس کا انتقال ۱۳۸۶ میں ہوا، یہ شنکرا چاریہ کے سرنگیری مٹ کا بارھواں گرو تھا، شنکرا چاریہ کی ولادت ۷۳۷ میں اور وفات ۷۶۹ میں یعنے بتیس[32] سال کی عمر میں ہوئی،

وجیا نگر کی سلطنت اور شہر کی ابتدا کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے، ایک دبستان کے مؤرخ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق کرناٹک سے ہے اور دوسرے دبستان کے مورخ کہتے

ہیں کہ اس کا تعلق تلنگانہ سے ہے اور اس کی بنیاد تقریباً ۱۳۳۶ میں رکھی گئی، میرے نزدیک یہی قول مرجح ہے۔ Dr. Saletore بھتے ہیں کہ اس کی بنیاد دس سال بعد ۱۳۴۶ میں رکھی گئی وغیرہ،

سلطنتِ وجیانگر کے جنوبی ہند کے باشندوں کے پاس مختلف نام ہیں وجیانگر یا ودیانگر یا صرف ودیا، آنے گنڈی، کُنجر کونا، ہسن پٹنا، یا ورپاکشا پٹنا، ہمپی ہستناوتی یا صرف ہستناوتی (سالیٹور صفحہ ۱۱۲) وجیانگر کے ساہوں کا پائے تخت ہمیشہ وجیا کہلاتا تھا خواہ وہ آنے گنڈی، ہمپی چندرگری میں ہو یا پنگنڈے ہیں، چنانچہ پنگنڈے کا نام وجیانگر پنگنڈہ تھا،

ہری ہرا نے ۱۸ اپریل ۱۳۳۶ کو ہمپی میں اپنی تخت نشینی کا جشن منایا، ہری ہرا سے شکست کھا کر بلالا نے اپنی ریاست کرناٹک کے جنوب میں ترونا ملای کو اپنا صدر مقام بنا لیا اور سوچا کہ کم از کم اگر وہ جنوب میں مدورا سے مسلمانوں کو ہٹانے میں کامیاب ہو جائے تو پھر ہری ہرا سے نبٹ لے گا، چنانچہ اس نے بہت بڑے پیمانے پر تیاری کی اور ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج مہیا کی جس میں سے بیس ہزار صرف مسلمان تھے اس فوج کے ساتھ ۱۳۴۳ میں بلالا نے کنتور پر حملہ کر دیا جو مدورا کے راستے پر قبضہ رکھنے کا اہم مقام تھا اور مدورا کے سلطان غیاث الدین دمغانی کے قبضے میں تھا، اس جنگ میں ہی ۱۳۴۳ کے آخر سے اگست کے وسط تک کسی درمیانی مدت میں ترچناپلی کے قریب بلالا مارا گیا، اسی سنہ میں ایک کتبے سے جو ضلع کڈوہ کے ایک قریے میں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس قریے کے حاکم کنکیا گوڈا نے اپنے راجا ویر بلالا کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ کی اور مارا گیا، اکتوبر ۱۳۴۰ میں بلالا نے تروونا ملای میں اپنے بیٹے بلالارایا کی تاج پوشی کی، یہ تاج پوشی غالباً باپ کی کبرسنی اور مدورا اور وجیانگر کی طرف سے بڑھتی ہوئی پریشانیوں کی وجہ سے ہوئی، بلالا سوم کی عمر اسّی کے لگ بھگ تھی اور وہ پچاس برس تخت نشین رہا، بلالارایا کی عمر تاج پوشی کے وقت پچپن کے قریب تھی۔ یہ دونوں بلالا اپنے موروثی مقبوضات کے مرکز سے دور تروونا ملای میں اچھے دنوں کے انتظار میں بیٹھے رہے، اور وجیانگر کا ہری ہرا ہوی سلا کے ملک پر قبضہ کرنے کی تیاری کرتا

رہا۔ بلکہ ۱۳۴۰ میں وہ موجودہ ضلعہ بنگلور کے تعلقے نلمنگل تک آیا اور دوبارہ چار سال بعد آنے کے لئے واپس ہوگیا۔ ۱۳۴۴ تک ہوی سلا حکومت کے کل شمالی حصے وجیانگر کے مطیع ہوگئے اور ۱۳۴۶ کے وسط تک ہوی سلا خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور پورے ہوی سلا کا ملک وجیانگر میں شامل کر لیا گیا۔ پھر پانچویں بھائی ہری ہرا، کمپا، بکا، ماریا اور مدیا اور ان کے اہم رشتہ دار اور سردار ۱۳۴۶ میں سرنگیری میں جمع ہوئے، اور مشرقی ساحل سے مغربی ساحل تک ملک فتح کر لینے کی خوشی میں وِجیوتسَوا یعنے فتح کا جشن منایا اور وجیانگر کے راجا کرناٹک کے راجہ کہلاتے تھے (سالیٹور صفحہ ۳۹)

دوسرے ہی سال ۱۳ اگست ۱۳۴۷ میں سلطان ابوالمظفر علاؤالدین بہمن شاہ (۱۳۴۷ - ۵۸) نے گلبرگے میں بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کی وجہ سے دکن اور جنوبی ہند میں ہندو تہذیب پر اسلام کا اثر اور نفوذ مستقل ہوگیا،

۱۳۴۹ میں علاؤالدین نے وجیانگر پر حملہ کیا اور رائچور پر قبضہ کر لیا، پانچ سال بعد ایک معاہدے کی رو سے جو علاؤالدین اور اس کے رشتہ دار شاہ مدورا میں ہوا تھا علاؤالدین نے وجیانگر پر پھر حملہ کیا، اس دفعہ علاؤالدین نے تنگ بھدرا تک سب ملک فتح کر لیا،

علاؤالدین کے بیٹے محمد نے (۱۳۵۵ - ۷۷) گولکنڈہ فتح کیا، مال غنیمت میں ایک تخت ملا، جس میں فیروزے جڑے ہوئے تھے، اور اصل میں وہ محمد بن تغلق کے لئے بنا ہوا تھا ۲۱ مارچ ۱۳۶۵ میں محمد گلبرگے میں اس تخت پر بیٹھا اور بہت بڑا جشن منایا اور ارباب نشاط کو ایک ہنڈی دی کہ وہ روپیہ وجیانگر کے خزانے سے وصول کریں بکا (۱۳۴۴ - ۷۷) نے برافروختہ ہو کر قاصد کی توہین کی اس پر محمد اور بکا میں سخت جنگ ہوئی اور دونوں فوجوں نے توپوں کا استعمال کیا اور ان توپوں کے چلانے والے یورپین اور عثمانی ترک تھے آخر کار صلح اس لئے ہوئی کہ بکا نے رقاصوں اور گویوں کو روپیہ دینا گوارا کر لیا،

ہری ہرا اور بکا کے زمانے میں یعنے ۱۳۳۶ سے ۱۳۷۷ تک وجیانگر کے حدود یہ تھے:۔
نلور، کڈپہ، پنگنڈہ، چندرگری، شمالی و جنوبی ارکاٹ، اضلاع چنگل پیٹ، اضلاع سیلم و چیتور، ملباگل، یہ صدر مقام تھا، وجیانگر کے حکمران بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا یہاں کا نائب ہوتا تھا

ضلع کولار، سیموگہ، شمالی اور جنوبی کیانرا، منگلور دوسرا صدر مقام،

وجیانگر کے راجا رائچور پر گاہ بے گاہ حملہ کر دیتے تھے اور گلبرگے سے فوجیں بھیجنے میں دیر لگتی تھی اس لئے ۱۳۹۸ء میں ہری ہرا دوم (۱۴۰۴ - ۱۳۷۷) نے رائچور پر حملہ کیا تو فیروز شاہ نے اس کو شکست دی اور رائچور کو گلبرگے کے علاقے سے علاحدہ کر کے ایک مستقل علاقہ بنا دیا، اور اس کا پہلا گورنر فولاد خان مقرر ہوا، ۹۹ - ۱۳۹۸ میں بہمنی حکومت اور وجیانگر میں بڑی دہشت ناک جنگ ہوئی، فیروز نے (۱۴۲۲ - ۱۳۹۷) ہری ہرا دوم کا کرشنا کے کنارے سے وجیانگر تک تعاقب کیا اور بہت بڑا تاوان وصول کر کے صلح پر راضی ہوا، سالانہ خراج دینے کا ہری ہرا دوم نے وعدہ کیا تھا لیکن دو سال بعد جب مالوہ اور گجرات کے سلطان اس کے حلیف بن گئے تو اس نے خراج دینا بند کر دیا، ہری ہرا دوم کے بیٹے دیوا رایا اول (۲۲ - ۱۴۰۶) نے تخت نشینی کے بعد مدگل کے ایک سنار کی بیٹی سے زبردستی شادی کرنی چاہی لیکن وہ خاندان بچ نکلا، اس پر غضب ناک ہو کر اس نے مدگل کے قرب وجوار میں چند قریے برباد کر دئے اس ظلم کا بدلہ لینے کے لئے فیروز نے وجیانگر پر حملہ کیا آخر ان شرطوں پر صلح ہوئی کہ دیورایا اول اپنی ایک بیٹی کی شادی فیروز سے کرے اور بنکاپور کا قلعہ اور ضلعہ جہیز میں دے، علاوہ بڑی مقدار موتیوں کی، پچاس ہاتھی اور دو ہزار ناچنے اور گانے میں ماہر لڑکے اور لڑکیاں اور ایک بڑی رقم تاوان کی نقد دے، راجا کی بیٹی کی شادی انتہائی شان و شوکت سے ہوئی اور سنار کی لڑکی نہال یا پرتال کا بیاہ فیروز نے اپنے بیٹے حسن سے کر دیا۔

ڈاکٹر سالیٹور کو اس روایت کی صحت میں شبہ ہے، کیونکہ صرف فرشتہ نے اس شادی کا ذکر کیا ہے اور علی بن عزیز اللہ طباطبائی مصنف برہان مآثر نے جو فرشتہ کا معاصر ہے اس کا ذکر نہیں کیا، فرشتہ نے اپنی تاریخ تقریباً ۱۵۸۹ اور ۲۷ - ۱۶۲۶ کے درمیان لکھی اور برہان مآثر ۱۵۹۱ سے ۱۵۹۵ اور ۹۶ کے درمیان لکھی گئی، علاوہ کتبوں اور ہند و ادب میں اس شادی کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ لیکن سالیٹور کہتے ہیں کہ اور بھی کئی واقعات ایسے ہیں جن کا ذکر فرشتہ نے کیا ہے لیکن برہان مآثر نے نہیں کیا، علاوہ اس قسم کی کارروائی ہندو حکمرانوں کے لئے کوئی انوکھی نہیں، کیونکہ وجیانگر کے سالوا نرسمہا کا وزیر ۱۵۰۵ء میں کنانور کے پرتگالی وسسرائے کے پاس پیغام لے گیا تھا کہ راجا اپنی لڑکی کی شادی شاہ پرتگال کے لڑکے سے جو ذات کا عیسائی تھا کرنے آمادہ ہے، لیکن ۳۶

روایت کی بھی کوئی آزاد شہادت موجود نہیں ہے۔

۱۴۲۳ میں فیروز شاہ کے بھائی احمد شاہ (۱۴۲۲-۳۵) نے وجیانگر پر چڑھائی کی اور اس جنگ کا خاتمہ اس وقت ہوا جبکہ وجیارایا (۱۴۲۲-۲۶) نے خراج کا بقایا جو ایک کثیر رقم تھی ادا کرنا منظور کیا، سلطان جب واپس ہوا تو وجیارایا کا بیٹا دیوارایا اس کو دریائے کرشنا تک پہنچانے گیا، احمد شاہ بہت سے قیدیوں کو اپنے ساتھ لے گیا ان میں دو قابل برہمن نوجوان بھی تھے جو مسلمان ہو گئے، ان میں سے ایک فتح اللہ عماد الملک ہے جس نے برار میں عماد شاہی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اور دوسرا احمد نگر میں نظام شاہی حکومت کے بانی ملک احمد نظام الملک کا باپ ملک حسن ہے۔ دسوتھ انڈیا صفحہ ۲۳۹) حسن (Tima Bhat) جس کا لقب ملک نائب تھا مرہٹی برہمن تھا اور اس کا اصل نام تیمابھٹ اور اس کے باپ کا نام بھیریو $\frac{Bhareo}{Bahri}$ (Bhairon or Bhairava) تھا، جو بعد میں بحری بن گیا، برہان مآثر کے مصنف نے حسن کے بیٹے احمد کو سلطان محمد شاہ بہمنی کی اولاد ثابت کرنے کی فضول کوشش کی ہے (The Indian Antiquary. Vol. XLIX) تخت نشینی کے فوراً بعد علاؤالدین مرحوم (۱۴۲۲-۳۵) نے اپنے بھائی محمد کو دیورایا دوم (۱۴۲۲-۴۶) سے خراج کا بقایا وصول کرنے کے لئے وجیانگر بھیجا تو بقایا وصول ہو گیا۔

وجیانگر کے راجاؤں کی افواج میں مسلمان سپاہیوں کی ایک قوی جماعت ہوتی تھی تاریخ فرشتہ کے مطابق یہ دستور دیورایا دوم کے وقت میں شروع ہوا، روایت ہے کہ دیورایا دوم نے ۱۴۳۷ میں اپنے اہم امرا اور برہمنوں سے مشورہ کیا کہ اس کو ملک، آبادی اور آمدنی میں بہمنی سلطانوں پر فوقیت ہونے کے باوجود وہ کیوں اکثر ان کے مقابلے میں ہار جاتا ہے، انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کی فوقیت دو وجوہ سے ہے، ایک ان کی سوار فوج کے گھوڑے بہتر ہیں، دوسری ان کے پاس ماہر تیر اندازوں کی کثیر جماعت ہے، اس مشورے کی بنا پر دیورایا دوم نے مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کرنے کا حکم دیا، تاکہ وہ ہندوؤں کی فنونِ جنگ میں تربیت کریں، ان کو جاگیریں دیں، اور ان کے لئے شہرِ وجیانگر میں مسجد بنائی، ۱۴۳۰ء میں دیورایا دوم کی فوج میں دو ہزار ماہر تیر انداز اور دس ہزار شہسوار مسلمان تھے، اس نے دربار میں تخت کے قریب ایک مرصع کرسی پر قرآن

رکھوایا تھا تاکہ مسلمانوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا نہ ہو کہ وہ ایک ہندو کو سلام کر رہے ہیں، بعض مسلمان افسروں کا ذکر کیفیت میں ملتا ہے ان میں سے ایک افسر کے خاندان کی جاگیر میں ۱۳۹۳ سے ۱۴۹۷ تک تقریباً سو برس پانم (Paneam) کا قلعہ اور اس کے مضافات رہے، یہ قلعہ پہلے ثابت الملک کو ۱۳۹۳ میں پروڈھا دیورایا نے دیا تھا، پروڈھا دیورایا کا دوسرا نام دیورایا اول ہے اور یہ دیورایا دوم کا دادا تھا، اس لیئے فرشتہ کا یہ بیان غلط ہو جاتا ہے کہ دیورایا دوم نے ۱۴۳۷ میں مسلمانوں کو وجیانگر کی فوجوں میں داخل کرنے کی ابتدا کی اس مسئلے میں مزید تحقیقات کی ضرورت ہے پانم کے جاگیرداروں کے نام یہ ہیں:-

ثابت ملک ۱۳۹۵-۱۴۱۳، خانخانان وڈیا ۱۴۱۴-۴۴، سلطان وڈیر ۱۴۴۵-۸۴ راجا خان وڈیر ۱۴۸۵-۹۷، ۱۴۴۰-۴۱ کے ایک کتبے میں دیورایا دوم کے ایک ملازم احمد خان کا ذکر ہے، جس نے ایک کنواں کھدوایا تھا (مہالنگم صفحہ ۳۱۹) حقیقت یہ ہے کہ فوج کی بھرتی کے لیئے کوئی خاص مذہب یا فرقے کے لوگ مخصوص نہیں تھے، غیر ملکی سیاحوں کی اطلاعات سے ۱۳۵۶ کے کتبے کی تصدیق ہوتی ہے کہ وجیانگر کی فوجوں میں یہ سپاہی تھے:- ترک، یونا، تنگو، پانڈیا اور ہوی سلا (سالیٹور صفحہ ۴۲۱) وجیانگر کا پہلا راجا ہری ہر اول ۱۸ اپریل ۱۳۳۶ میں وجیانگر میں تخت نشین ہوا تھا، یعنے ایک کتبے میں جو بنائے سلطنت کے بیس سال بعد نصب کیا گیا تھا۔ وجیانگر کی فوجوں میں مسلمان سپاہیوں کا ذکر ملتا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قیام سلطنت کے زمانے سے بلکہ ۱۳۳۰ میں ہری ہر اور اس کے بھائی بکا کے مسلمانوں کی حیثیت سے کمپیلی کے حکمران بنائے جانے کے زمانے سے وجیانگر کی افواج میں مسلمان سپاہی تھے،

اسی دیورایا دوم کے زمانے میں ایران کے شاہنشاہ خاقان سعید مرزا شاہ رخ نے اپنے سفیر عبدالرزاق کو کالی کٹ کے شاہ زامورن کے پاس بھیجا، اس کو کالی کٹ آئے ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ دیورایا نے اسے فوراً وجیانگر آنے کی دعوت دی اور وہ منگلور اور بیلور کے راستے وجیانگر پہنچا، منگلور پر وجیانگر کی حکومت تھی وہ ۱۴۴۳ کے اپریل کے آخر سے ۵ دسمبر تک وجیانگر میں رہا پھر منگلور گیا اور وہیں سے ایران چلا گیا (میجول صفحہ ۸۷)

دیورایا ہفتے میں دو بار عبدالرزاق کو باریابی دیتا تھا ایک موقع پر اس نے ترجمان کے

ذریعے کہا کہ تمہارے شہنشاہ جب کسی سفیر کو طلب کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کھانا بھی کھاتے ہیں چوں کہ ہم اور تم ایک ساتھ نہیں کھاسکتے، یہ سونے سے بھری تھیلی ہم سفیر کو دیتے ہیں' مذکور سفیر اپنے سفرنامے میں لکھتا ہے :-

وجیانگر کے سیاسی نظام پر اس کا فوجی نظام غالب تھا، شہنشاہ ایک بڑی فوج مہیا رکھتا تھا جس میں بکثرت ہاتھی سوار اور پیدل سپاہی ہوتے تھے، اور جاگیرداری نظام کے تحت ملک کے طول و عرض میں دو سو سے زیادہ نایک یا فوجی افسر تھے جنھیں محاصل وصول کرنے اور ایک معین رقبے کے انتظام کا اختیار دیا گیا تھا، تاکہ وہ جنگ کے موقع پر شاہی افواج کی ہاتھیوں گھوڑوں اور سپاہیوں کی مقررہ تعداد سے تائید کریں، مملکتِ وجیانگر میں باقاعدہ فوجی مدرسے تھے جہاں رنگروٹوں کو تیراندازی اور شمشیرزنی وغیرہ کی تربیت دی جاتی تھی اور انھیں فوج میں بھرتی ہونے کے قابل بنایا جاتا تھا، لیکن توپ خانہ عموماً غیرملکیوں کے ماتحت ہوتا تھا، عبدالرزاق کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ مسلمان مملکت وجیانگر کے ہر خطے میں موجود تھے تاکہ فنون جنگ میں ملکیوں کی تربیت ہوسکے،

١٥٠٩ کے آخر میں بہمنی حکومت کے اہم امرا(عادل شاہی، نظام شاہی، قطب شاہی) بیدر میں جمع ہوئے اور سلطان محمود بہمنی (١٤٨٢ - ١٥١٨) کی قیادت میں سلطنتِ وجیانگر پر حملہ کیا لیکن مسلمانوں کی تربیت اٹھاکر ہندوؤں میں مقابلہ کرنے اور مقابلہ سہنے کی صلاحیتیں بڑھ گئی تھیں، چنانچہ کرشنا رایا (١٥٠٩ - ٢٩) نے انھیں شکستِ فاش دی، اس جنگ میں سلطان محمود اکیلا ہوگیا۔ اور گھوڑے پر سے گر گیا، شاید پاؤں رکاب میں پھنس گیا تھا، اور قریب تھا کہ گھوڑے گھوڑوں کی ٹاپوں میں کچل جائے، لیکن کرشنا رایا کی فوج کے ایک افسر رام راجا تما نے اس کو مرنے سے بچا لیا، اور اس کی جان بخشی کی، پھر اس نے محمد کو اس کی فوج کے چند سپاہیوں کے سپرد کردیا، جو اتفاقی طور پر وہاں پہنچ گئے، انہوں نے اس کو مرزا لطف اللہ کے ڈیرے میں پہنچادیا، جہاں اس کے زخموں کا علاج کیا گیا، (فردر سورس صفحہ ١٩٢) کرشنا رایا نے یوسف عادل شاہ کا تعاقب کیا اور اس کو کادل کنڈے کے قریب (١٥٠٩) میں قتل کردیا۔

(GOR X P.P. ١٥٣ - ٧٦)

یوسف کے مرنے کے بعد اس کا کم عمر بیٹا تخت نشین ہوا تو کمال خان نے جو اس کے باپ کا داہنا ہاتھ تھا ملک کا انتظام اپنے قبضے میں لے لیا، اور گلبرگہ اور بیدر فتح کر کے سلطان محمود دوم کو بیدر میں اس کے محل میں قید کر دیا، اس پر بریدشاہ، نظام شاہ قطب شاہ وغیرہ نے بیدر پر قبضہ کر لیا، پھر وہ بیجاپور کی طرف بڑھے، بلگام بیجاپور کے علاقے میں تھا وہاں کے ہندوؤں نے بغاوت کر دی اور کرشنا رایا سے درخواست کی کہ وہ آکر بلگام پر قبضہ کر لے، کرشنا رایا بیجاپور کے حاکم کو کرشنا تنگبھدرا کے دوآب سے ہٹانے کے موقعے کا منتظر تھا فوراً درخواست منظور کر لی اور اگست ۱۵۱۰ میں رائچور کا محاصرہ کر لیا، اتحادیوں نے کمال خان کا مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، پھر کمال خان نے امیر برید کو اپنا حلیف بنا لیا، اور اسمٰعیل اور اس کی ماں بوبوجی خانم کو جو ایک مرہٹی سردار مکند راؤ کی بیٹی تھی بیجاپور میں قید کر دیا، ادھر امیر برید نے محمود دوم کو بیدر میں قید رکھا اور ادھر کمال خان بیجاپور میں شاہ بننے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ مادر شاہ نے اس کو مئی ۱۵۱۱ میں قتل کرا دیا، کمال خان ایرانی تھا، ایرانی اور خراسانی اس لیے ترکوں اور رومیوں کے خلاف ہو گئے، اور خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں،

۱۵۱۰ کے وسط میں کرشنا دیو نے رائچور کے قلعے کا محاصرہ کیا تھا مسلمانوں کی مذکور کشمکش کے زمانے میں اس نے رائچور کا قلعہ لے لیا اور گلبرگہ پہنچا، امیر برید کو جس نے محمود دوم کو بیدر میں قید کر رکھا تھا شکست دی اور شہر پر قبضہ کر لیا، وہاں سے وہ بیدر کی طرف بڑھا اور اس کو بھی ۱۵۱۲ میں فتح کر لیا، اور محمود دوم کو قید سے چھڑا کر تخت پر بٹھایا اور یہ لقب اختیار کیا "یون راجیا ستھا پنا چاریہ" یعنے مسلمانوں کی شاہی کو بحال کرنے والا راجا، کرشنا رایا سیاست داں اور جنرل دونوں تھا، وہ جانتا تھا کہ بہمنی حکومت اگر برائے نام بھی باقی رہی تو دکن کی مسلمان شاہیوں کو چین نصیب نہ ہوگا، ۱۵۱۳ کے شروع میں کرشنا رایا نے گلبرگہ میں اپنی فتح کا ستون نصب کیا، اور تینوں شاہوں سے خراج لینے لگا،

کرشنا رایا کو مسلمانوں پر اس قدر اعتماد تھا کہ رائچور کے خلاف مہموں میں وہ اپنے مسلمان ملازمین کو فوج کی قیادت سپرد کر دیتا تھا۔ (سیویل صفحہ ۳۲۹)

اسمٰعیل کے ایک درباری اسد خاں لاری کی پیدا کی ہوئی ایک غلط فہمی کی بنا پر کرشنا رایا

سنے

نے ۱۵۲۳ء میں گلبرگے کو فتح کرلیا [پرتگالی سیاح Paes لکھتا ہے کہ شہر وجیانگر کے مسلمانوں کے محلے میں بہت سے مسلمان ملکی تھے، ان کی تنخواہیں مقرر تھیں اور یہ کرشنارایا کی محافظ فوج میں ملازم تھے، اس شہر میں ہر قوم اور ہر مذہب کے تاجر تھے جو قیمتی جواہر خصوصاً ہیروں کی تجارت کرتے تھے (سیول صفحہ ۲۵۷)

اس کے بازاروں میں غلے کی افراط تھی لیکن گیہوں کم ملتے تھے اس لئے کہ گیہوں صرف مسلمان کھاتے تھے، (سیول صفحہ ۲۵۷) عیدوں کے موقعے پر افواج کے مظاہرے کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے " پھر مسلمان انھیں ہرگز نہیں بھلانا چاہیئے کیونکہ وہ بھی نظر کے سامنے تھے، اپنے سپروں، برچھیوں، ترکی کمانوں، بہت سے گموں، نیزوں اور بانوں کے ساتھ اور مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ان میں ایسے لوگ تھے جو ان ہتھیاروں کا استعال بخوبی جانتے تھے (سیول صفحہ ۲۷۸]

وہاں اسمٰعیل نے محمود بہمنی کے تین بیٹوں کو قید کر رکھا تھا، کرشنارایا نے انھیں چھڑادیا، سب سے بڑے بیٹے کو تخت نشیں کیا اور دو چھوٹوں کو اپنے ساتھ وجیانگر لے گیا اور ان سے عمدہ سلوک کیا اور ان میں سے ہر ایک کو سالانہ پچاس ہزار سونے کے سکے (pardaos) وظیفہ ملتا تھا، لیکن ہندو سرپرستی میں بہمنی سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی اس کوشش میں کامیابی کے کوئی امکان نہیں تھے (فرد رسورس صفحہ ۱۵-۲۱۴) دکن کے مسلمان بادشاہوں پر واضح ہوگیا کہ ان کا وجود خطرے میں ہے خصوصاً اس لئے کہ کرشنارایا ان کے داخلی اور انتظامی امور میں دخل دینے لگا ہے۔

کرشنارایا ایک جنگ آزمودہ سپاہی، سیاست دان، منتظم، اور علوم وفنون کا مربی تھا، اور پورا جنوبی ہند اس کے ماتحت تھا [اگرچہ اس کا تعلق دکن سے نہیں ہے پھر بھی یہ حقیقت نظر میں ہونی چاہیئے کہ ۱۵۲۶ء میں بابر نے دلی فتح کی اور مغل حکومت کی بنیاد رکھی، ۱۵۳۰ء میں ہمایوں اور ۱۵۵۶ میں اکبر تخت نشیں ہوا] کرشنارایا کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھائی اچیوتادیوا بنا (۱۵۳۰-۴۲ء) حالانکہ رام رایا بھی جو کرشنارایا کا وزیر اور داماد تھا تخت نشینی کی آرزو رکھتا تھا،

رام رایا پہلے قلی قطب شاہ (۱۵۰۸-۴۳ء) کا ملازم تھا، قطب شاہ نے وجیانگر کے نواح میں کچھ اضلاع فتح کیے اور ان کا انتظام رام رایا کے سپرد کیا، لیکن جب عادل شاہ نے ان پر حملہ کیا تو رام رایا پسپا ہوکر گولکنڈے پہنچا، قطب شاہ نے اس کو بزدلی کا طعنہ دیا، اور وہ خفیف ہوکر وجیانگر

کو چلا گیا، کرشنا رایا نے بتدریج اس کو داماد بھی بنایا اور وزیر اعظم بھی، چنانچہ لفظ "الیا" یعنی داماد اس کا لقب بن گیا،

اسمٰعیل کے مرنے (۱۵۳۴) اور اس کے بیٹے ملّو عادل شاہ کے تخت نشین ہونے پر امرا نے اسد خان لاری کے بہکانے سے بغاوت کردی، اچھیوتا رایا نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رائچور کے دوآب اور دریائے کرشنا تک بیجاپور کے ملک پر قبضہ کر لیا، اور ملّو کو اپنی پیش کردہ شرطوں پر صلح کرنے پر مجبور کیا، لیکن چند ہی مہینوں میں اس کے بھائی ابراہیم عادل شاہ (۱۵۳۴-۵۷) نے ملّو کو اندھا کر کے تخت سے ہٹا دیا، ابراہیم نے تخت نشینی کے بعد تین ہزار غیر ملکی مسلمانوں کو ۱۵۳۵ء میں برطرف کر دیا تو رام رایا نے انہیں اپنے پاس ملازم رکھ لیا،

رام رایا کو اپنی فوجی قوت پر اعتماد ہو گیا تو اس نے اچھیوتا کو قید کر لیا اور اپنے راجا ہونے کا اعلان کیا اور اپنے جلوس کی تیاریاں کرنے لگا لیکن امرا کی مخالفت کی وجہ سے وہ اچھیوتا کے بھائی رنگا کے بیٹے سداسوا کو برائے نام راجا بنا کر اس کے وکیل کی حیثیت سے ملک کا انتظام کرنے لگا، اس پر جنوب بعید کے امرا نے خراج دینے سے انکار کر دیا تو رام رایا اچھیوتا کو اپنے ایک معتمد ملازم کے حوالے کر کے جنوب کی طرف گیا، لیکن ملازم نے اچھیوتا کو آزاد کر دیا، اور خود اس کا وزیر اعظم بن گیا، اچھیوتا کا سالا سلک راجو نوکر کو قتل کر کے آپ وزیر بن گیا یہ خبر سن کر رام رایا جنوب سے واپس ہو رہا تھا کہ ابراہیم عادل شاہ نے وجیا نگر کا محاصرہ کر لیا لیکن جلد ہی ابراہیم نے محاصرہ اٹھا لیا، کیوں کہ فتنہ باز اسد خان نے رام رایا اور برہان نظام شاہ کو بیجاپور پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا تھا، اس لئے ابراہیم نے رام رایا اور اچھیوتا سے صلح کر لی اور ان دونوں میں صلح کرا دی، پنگنڈہ، ادھونی، گٹی، گنڈی کوٹہ اور کرنول پر رام رایا نے قبضہ کر لیا تھا، ان اضلاع کے علاوہ اچھیوتا وجیا نگر کی پوری سلطنت کا راجا مان لیا گیا، اچھیوتا نے صلح کرانے کے معاوضے میں ابراہیم کو بھاری رقمیں دیں، اچھیوتا کا انتقال ۱۵۴۲ء میں ہوا تو اس کا سالا سلک راجو ترو ملا (سالکم تمّا) اچھیوتا کے کم عمر لڑکے ونکٹا کو تخت نشین کر کے خود اس کا وکیل بن گیا، نادر شاہ نے روپے بھیج کر عادل شاہ کو جو کوچ کر چکا تھا راستے سے لوٹا دیا نیل کنٹھ شاستری لکھتے ہیں کہ ردّ عمل کے طور پر رام رایا نے گٹی میں سداسوا کو راجا بنا دیا،

اور عادل شاہ سے مدد طلب کی، وہ وجیانگر آیا لیکن اس عرصے میں رعایا تروملا کو راجا بنا چکی تھی، اس نے وجیانگر کے قریب عادل شاہ کو شکست دی، پھر اس نے ونکٹا اور شاہی خاندان کے کل افراد کو قتل کر دیا اور اس کی حکومت مجسم ظلم بن گئی، تو پھر امرا نے عادل شاہ کو دعوت دی کہ وہ آکر خود وجیانگر کا بادشاہ بن جائے" اگرچہ عادل شاہ نے ہمیشہ کی طرح مستعدی سے ان کی درخواست قبول کر لی، لیکن اس کے حد سے زیادہ غرور نے سب کو اس سے متنفر کر دیا، اور اسے کسی فائدہ کے بغیر مجبور ہو کر واپس جانا پڑا۔"

ہنری ہراس لکھتا ہے کہ "دوسری مرتبہ رعایا نے ابراہیم کو طلب کیا تو سالکم تما نے بھی ابراہیم کو لکھا کہ اگر وہ وجیانگر پہنچ جائے گا تو وہ ابراہیم کو وجیانگر کا بادشاہ مان لے گا، اور بیجاپور سے وجیانگر تک ہر دن کے سفر کا خرچ تین لاکھ ہن دے گا، ابراہیم وجیانگر آیا تو سالکم استقبال کو گیا اور شہر میں لاکر تختِ شاہی پر بٹھایا، اور سات دن تک خوشی منانے کا حکم دیا، لیکن رام رایا اور اس کے بھائیوں ترومل اور ونکٹادری اور ان کے ہم خیال امرا نے سالکم تما کو خط بھیجا جس میں اپنی بغاوت پر ندامت کا اظہار اور عادل شاہ کے وجیانگر میں جم جانے کے مضر نتائج کا ذکر تھا، امرا کی اس بظاہر محکومی کے بعد تما نے ابراہیم کی موجودگی ضروری نہیں سمجھی، اس نے ابراہیم کو پچاس لاکھ ہن اور شاندار تحائف جن میں بارہ عمدہ ہاتھی اور چند خوبصورت گھوڑے بھی تھے دے کر بیجاپور لوٹ جانے پر رضامند کر لیا، ابراہیم ابھی بیجاپور کے حدود میں داخل نہیں ہوا تھا کہ رام رایا نے وجیانگر پر قبضہ کر لیا اور سالکم نے با خلاف روایات خودکشی کر لی یا مارا گیا، وجیانگر میں دوبارہ سدا سوا کی تخت نشینی ہوئی اور رام رایا وزیر اعظم بنا،

رام رایا (۶۴-۱۵۴۲) نے بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کو فوج میں داخل کر لیا نور خان اور عجلی خان دو مشہور افسر اس کی فوج میں تھے، (ہراس صفحہ ۳۳)

علاوہ رام رایا دکن کی مسلمان حکومتوں کے معاملے میں دخل دے کر انھیں آپس میں لڑانے لگا، اسے توقع تھی کہ اس طرح وہ انھیں کمزور بنا کر اپنی طاقت بڑھا سکے گا، ۱۵۴۸ء میں رام رایا نے کلیانی کا قلعہ فتح کرنے میں جو بیدر کے قبضے میں تھا، برہان نظام شاہ (۵۳-۱۵۰۸) کی مدد کی یہ قلعہ برہان کی وفات تک احمد نگر کے قبضے میں رہا۔ ۱۵۵۱ء میں

رام راجا نے رائچورا ورمدگل کے قلعے فتح کرنے میں برہان نظام شاہ کی پھر تائید کی اور اپنے بھائی ونکٹادری کو برہان نظام شاہ کی تائید کے لئے چھوڑ کر خود وجیانگر واپس آگیا، اس کے فوراً بعد بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں، اور رام راجا بارہ[۲] لاکھ ہن کا تحفہ ابراہیم عادل شاہ سے قبول کر کے اپنے بھائی ونکٹادری کو معقول فوج کے ساتھ سیف عین الملک کو جس نے بیجاپور کا محاصرہ کر رکھا تھا، وہاں سے ہٹانے کیلئے بھیجا ونکٹادری کو کامل فتح ہوئی (سالیٹور صفحہ ۴۰)

برہان کے بیٹے حسین نے گولکنڈہ کے ابراہیم قطب شاہ سے مل کر بیجاپور پر چڑھائی کی اور ۱۵۵۷ میں گلبرگے کا محاصرہ کرلیا، ابراہیم عادل شاہ نے رام رایا سے تائید چاہی تو وہ خود فوج لے گیا، لیکن رام رایا نے خونریزی روکنے کے لئے سب جماعتوں کے نمائندوں کی ایک مجلس بھیما اور کرشنا ندی کے سنگم پر بلائی اور آپس میں معاہدہ ہوا کہ اگر کسی نے کسی پر بے جا حملہ کیا تو دوسرے سب متحدہ طور پر مظلوم کی تائید کریں گے (سوت انڈیا شاستری ۱۹۵۵)

چار شاہوں کی اس مجلس کے فوراً بعد ابراہیم عادل شاہ مر گیا، اس کا نوجوان بیٹا علی عادل شاہ (۱۵۵۷ - ۸۰) تخت نشین ہوا، اس زمانے میں رام رایا کے دخل دینے سے بیجاپور کا ایک پرانا خاندانی جھگڑا طے ہوگیا، ابراہیم عادل شاہ کا بھائی شہزادہ عبداللہ گووا کو بھاگ گیا تھا، چند امیروں نے جو اس کے ساتھ تھے، اور سردار اسد خان قلعہ دار بلگام نے پرتگالیوں سے کہا کہ وہ عبداللہ کو ابراہیم کے مقابلے میں بیجاپور کا اصل شاہ مان لیں گے، تو وہ انھیں پورا کوکن کا علاقہ دے دیگا، لیکن ابراہیم نے پرتگالیوں کو پرانی دوستی کا واسطہ دیا۔ اور پرتگالیوں نے فیصلہ ابراہیم کے حق میں کیا، چند سال بعد برہان نظام شاہ نے دوبارہ گووا کے ویسرائے کو آمادہ کیا کہ وہ اعلان کردے کہ عبداللہ بیجاپور کا شاہ ہے اور پنڈا کا قلعہ جو بیجاپور کے ماتحت ہے فتح کرلے۔

ویسرائے نے ۱۵۵۴ میں عبداللہ کو بیجاپور کا شاہ مان لیا اور بڑا شاندار جشن منایا، اور فوج کشی کر کے بیجاپور سے پنڈا کا قلعہ لے لیا اور عبداللہ نے اس کو اپنا صدر مقام بنالیا، اس عرصے میں ابراہیم کا انتقال ہوگیا، عبداللہ پرتگالی فوج کے ساتھ بیجاپور کی طرف بڑھا، علی عادل شاہ نے چچا کا مقابلہ کرنے کے لئے رام رایا سے مدد مانگی، اس نے پچاس ہزار سپاہی بھیجے، عبداللہ

کو شکستِ فاش ہوئی، وہ بھاگ کر احمد نگر میں جا چھپا، رام رایا اور علی احمد نگر کی طرف بڑھے چونکہ کچھ ہی عرصے پہلے احمد نگر، بیجاپور اور وجیا نگر میں صلح کا معاہدہ ہوا تھا، برہان نظام شاہ نے عبداللہ کو قید کر دیا، نظام شاہ کی وفات کے بعد قطب شاہ کی سفارش پر عبداللہ کو رہا کر دیا گیا اور وہ گوواچلا گیا (ہراس صفحہ ۹۲ سے ۹۴)

علی عادل شاہ نے وجیانگر سے دوستانہ تعلقات کو قوی تر بنانے کے لئے ایک غیر معمولی اقدام کیا انھیں دنوں میں رام رایا کا ایک بیٹا مر گیا تھا تو علی تعزیت ادا کرنے خود وجیانگر گیا۔ انتہائی اعزاز کے ساتھ اس کی پزیرائی ہوئی رام رایا کی بیوی نے علی کو منہ بولا بیٹا بنا لیا، تین دن کے قیام کے بعد علی وجیانگر واپس ہو گیا۔

چار بادشاہوں کے معاہدے کی خلاف ورزی سب سے پہلے حسین نظام شاہ نے کی اور بیجاپور پر ۱۵۶۰ء میں حملہ کر دیا، علی نے وجیانگر میں پناہ لی، رام رایا معاہدے کے مطابق گولکنڈے کے ابراہیم قطب شاہ کے ساتھ نظام شاہ کے مقابلے کو بڑھا۔ لیکن نظام شاہ پیچھے ہٹ گیا، اور کلیانی کے قلعے کی مدافعت اپنے ایک ہندو افسر بھوپال راج کے سپرد کر دی، متحدہ فوجیں قلعہ فتح کرنے کے لئے ایک دستہ چھوڑ کر احمد آباد کی طرف بڑھیں اور نظام شاہ کو شکست دی اور اس کا دولت آباد تک پیچھا کیا، نظام شاہ نے مدافعت کو بے سود سمجھ کر کلیان کا قلعہ علی کے سپرد کیا، اس پر علی رام رایا کا واقعی ممنون ہوا، پھر رام رایا نے بیدر پر چڑھائی کی اور برید شاہ کو شکست دی، اس کے بعد سے برید شاہ رام رایا کے دشمنوں کے خلاف جنگوں میں رام رایا کا ساتھ دینے لگا۔

پہلے بھی لکھا جا چکا ہے وزیر اعظم ہونے سے پہلے رام رایا کچھ عرصے تک گولکنڈے کے قطب شاہی دربار میں نوکر تھا، اس لئے وہ گولکنڈے کے اندرونی معاملات کی تفصیل سے خوب واقف تھا، اور دربار گولکنڈہ کے ہندو اور مسلمان امیروں میں اس کے دوست تھے [ہندو دوستوں میں راجا اِتمّدی (عماد شاہی)، جگدیو راؤ سب سے اہم تھا اس لئے کہ وہ ایک جری سپاہی اور قابل سپہ سالار تھا، جمشید قطب شاہ کے زمانے میں اس نے اہمیت حاصل کی اور سلطنت کے امور میں اس کو سب سے اونچا مقام حاصل تھا، جمشید کی وفات کے بعد وہ حکومت سے اختلاف رائے کی وجہ سے

برار کے عماد شاہ کا ملازم ہو گیا، لیکن جلد ہی یہ ملازمت ترک کر دی اور وجیانگر چلا گیا، دکن کے مسلمان شاہوں سے جنگوں میں اس ہندو سردار سے رام راجا کو بہت مدد ملی (سور سز صفحہ ۲۵۸)

ابراہیم قطب شاہ سے رام رایا کا تعلق دوستانہ تھا کیونکہ ابراہیم اپنے بھائی جمشید قطب شاہ کے عتاب سے بھاگ کر بیدر سے ہوتا ہوا وجیانگر آیا تھا تو اس کے ساتھ سیدجی، ریحان حبشی المخاطب بہ حمید خان، کناجی برہمن اور دوسرے ملازم تھے، رام رایا نے ابراہیم کے خرچ کے لئے وجیانگر کے ایک فوجی افسر عنبر خان حبشی کی جاگیر ابراہیم کے نام پر منتقل کر دی تھی (ہیراس ۸۳)

۱۵۵۰ء میں جمشید مر گیا تو رام رایا نے تخت حاصل کرنے میں ابراہیم کی مدد کی تھی، لیکن بتدریج وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے گئے اور ابراہیم نے صرف بے دلی سے احمد نگر کے خلاف جنگ میں رام رایا کا ساتھ دیا تھا، بعد میں وہ علانیہ احمد نگر کا حلیف بن گیا، اور بیجاپور پر چڑھائی کی اور کلیانی کا محاصرہ کر لیا، رام رایا قلعہ بچانے کے لئے بڑھا اور اپنے بھائی وینکٹا دھری جگدیو، اور عین الملک جیلانی کو گولکنڈے کے جنوبی اضلاع پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تو نظام شاہ اور قطب شاہ کلیانی سے ہٹ گئے، احمد نگر کا دوسری مرتبہ وجیانگر کی افواج نے محاصرہ کر لیا، لیکن دریائے سینا (Sena) چڑھائی پر ہونے سے یہ محاصرہ ناکام رہا، ابراہیم کو جنگ میں ہار ہوئی، وہ بمشکل گولکنڈہ پہنچا، اس کے فوراً بعد رام رایا احمد نگر سے واپس ہوا اور گولکنڈے کی طرف بڑھا بہت زحمتوں کے بعد ابراہیم نے کوول کنڈہ، گن پورہ اور پنگل کے قلعے رام رایا کو دیکر ۱۵۶۳ء میں صلح کر لی،

مذکور جنگوں اور ان کے نتائج سے مسلمان حکمرانوں کی آنکھیں کھلیں اور انھیں یقین آیا کہ ان کے متحد ہوئے بغیر ان کی شاہیاں دکن میں نہیں رہ سکتیں، چنانچہ ابراہیم قطب شاہ اور حسین نظام شاہ نے جنھیں سب سے زیادہ نقصان پہنچا تھا اتحاد میں پہل کی حسین کی سب سے بڑی لڑکی بی بی جمالی (Tamalli ؟) کی شادی ۱۵۵۸ء ہی میں ابراہیم قطب شاہ سے ہو چکی تھی، اب بیجاپور کے علی عادل شاہ نے حسین نظام شاہ کی لڑکی چاند بی بی سے شادی کی، شولاپور کا قلعہ جہیز میں ملا اور حسین کے بڑے لڑکے شہزادہ مرتضیٰ نے جو بعد میں مرتضیٰ نظام شاہ ہوا علی کی ایک بہن فلاح بی بی ہدیہ سلطانہ سے شادی کی، غرض ہند و مورخوں کے مطابق پانچوں شاہوں نے

اور مسلمان مورخوں کے مطابق برار کے سوا سب نے رام رایا کے خلاف تیاریاں کیں، غرض مسلمان شاہوں کی فوجیں بیجاپور کے میدانوں میں جمع ہوئیں اور جنوب کی طرف بڑھیں اور ۲۶ر دسمبر ۱۵۶۴ کو تالیکوٹہ پہنچیں جو دریائے کرشنا کے قریب ایک چھوٹا سا قلعہ ہے، رام رایا اور مسلمان شاہوں کی فوجوں میں ایک مہینے تک بہت سی چھوٹی چھوٹی جنگیں ہوئیں، لیکن ۲۳ر جنوری ۱۵۶۵ کو راکشیی اور تنگڈی نامی دو قریوں کے درمیان آخری جنگ ہوئی، دونوں فوجیں تقریباً چار گھنٹے آپس میں لڑی ہوں گی کہ رام رایا کی فوج کے دو اہم مسلمان افسروں نے جن کے ماتحت ڈیڑھ لاکھ کی فوج تھی غداری کر دی، ان دو افسروں میں سے ایک کا نام عین الملک جیلانی تھا اور اس کی فطرت میں غداری تھی کیوں کہ یہ عین الملک قبول خان کا بیٹا تھا، جو ابراہیم قطب شاہ کا ایک سپہ سالار تھا (ہراس صفحہ ۳۴) پھر وہ ابراہیم عادل شاہ کا ملازم ہوگیا لیکن بغاوت کردی اور شکست کھا کر احمد نگر بھاگ گیا، اور وہاں حسین نظام شاہ نے اس کو قتل کر دیا (ہراس صفحہ ۸۷) اس پر عین الملک جیلانی نے رام رایا کی ملازمت کرلی۔ ۱۵۶۳ سے پہلے ونکٹادری، جگدیو اور عین الملک جیلانی نے گولکنڈہ پر حملہ کیا تھا (ہراس صفحہ ۹۰) اسی عین الملک کو رام رایا اپنا بھائی کہتا تھا، اور سداشیو نے اس کی درخواست پر بیون ہلی کا قریہ برہمنوں کو جاگیر میں دیا تھا۔ ۲-۱۵۵۱ اس جاگیر کی سند میں عین الملک کا نام "عینان ملک راؤ صاحب" لکھا ہے۔ (Epigraphia Indica XVII, P. 210) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ (ہراس صفحہ ۲۱۲ اور مہالنگم صفحہ ۱۶۳-۱۶۲) ایک روایت ہے کہ (ہراس صفحہ ۲۱۳) رام رایا کا سر خود نظام شاہ نے اڑایا جب رام رایا کا چہیتا بیٹا علی عادل شاہ جو رام رایا کو باپ کہہ کر پکارتا تھا بوڑھے راجا کی جان بچانے پہنچا تو رام رایا قتل ہو چکا تھا، لیکن ہندو مورخ کہتے ہیں کہ خود علی عادل شاہ نے رام رایا کو قتل کیا تھا اور وہ علی کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے اس طرح راجا کو بے عزتی سے بچالیا، اور اس نے رام رایا کی لاش کو کاشی بھجوا دیا، اس طرح اس نے اپنے منہ بولے باپ کو قتل کرنے کے جرم کا کفارہ ادا کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وجیا نگر کی ہندو رعایا علی عادل شاہ سے کس قدر حسن ظن رکھتی تھی، (رام راجا چرترے، سالیٹور صفحہ ۴۰۹ جلد 1) لیکن نظام الدین احمد

نے جس نے سب سے پہلے راکششی تنگنڈی کے معرکے کا بیان قلمبند کیا ہے لکھا ہے کہ "ایک گولہ جو حسین نظام شاہ کی فوج کی طرف سے سر ہوا تھا رام راج کو لگا اور وہ مرگیا، اور اس کی فوج کو شکست ہوگئی"۔ (فرد رسورس صفحہ ۲۹۰) مسلمان شاہوں کی افواج کے وجیانگر پہنچنے سے پہلے رام رایا کا بھائی ترو ملا ایک ہزار پان سو پچاس ہاتھیوں پر خزانہ لاد کر بچ نکلا اور پنگنڈے میں مقیم ہوگیا (ہسٹری آف انڈیا، شاستری صفحہ ۱۳۵) لیکن ایس کرشنا اینگار نے لکھا ہے کہ ترو ملا تقریباً ۳۵۰ ہاتھیوں پر خزانہ لاد کر لے گیا۔ (Ancient India
، South India صفحہ ۲۰۰) History and Culture by
Dr. S.K. Aiyangar Vol II 1941)

کمپیلی کے راجا کے پاس بہاؤالدین کے پناہ لینے کے زمانے سے راکششا تنگنڈی کی جنگ تک ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کی توقیر اور آپس میں خیر سگالی کی کوششیں کیں، ہندو حکمرانوں نے جس طرح مسلمانوں کے سفیروں کی آؤبھگت کی اور جس طرح مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کے خلاف تائید پہنچائی اور جس رغبت سے انھوں نے غیر ملکیوں کو اپنے یہاں نوکر رکھا اور سب سے بڑھکر انھوں نے جس طرح اپنی مملکت میں اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کی یہ سب اس امر کے بیّن ثبوت ہیں کہ ہندوؤں نے مسلمانوں سے مصالحت کی امکان بھر کوشش کی اور ان خصوصیتوں میں مسلمان ہندوؤں کے دوش بدوش تھے۔ مسلمان مورخین نے وجیانگر کے خلاف دکن کے سلاطین کے اتحاد کے جو وجوہ لکھے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) رام راجا اسلام اور مسلمانوں کی بے قدری کرتا تھا، اس نے احمد نگر سے جنگ کے زمانے میں اپنے سپاہیوں کے وحشیانہ کردار کی حوصلہ افزائی کرکے مسلمانوں کے احساسات کو مجروح کیا۔

(۲) وہ مسلمان بادشاہوں اور ان کے سفیروں سے بدتمیزی سے پیش آتا تھا۔

(۳) وہ ان کا حلیف اور دوست ہونے کے باوجود ان کے ملکوں پر قبضہ کرلیتا تھا۔

(۴) وہ اس قدر قوی ہوگیا تھا کہ ان کی سلطنتیں خطرے میں تھیں ان میں سے دوسرا اور چوتھا اعتراض درست ہوسکتا ہے اور ان اعتراضوں کے بارے میں کوئی صفائی پیش کرنیکی

ضرورت بھی نہیں، لیکن پہلا اور تیسرا اعتراض بے بنیاد ہے، یہ حقیقت نظر میں ہونی چاہیئے کہ رام رایا کی ملازمت میں مسلمانوں کی بڑی تعداد تھی اور اسے ان کے عقائد کا اتنا ہی لحاظ تھا جتنا کہ دکن کے مسلمان شاہوں کو ان کی مسلمان رعایا کا تھا، رفیع الدین ابراہیم شیرازی بیجاپور میں علی اور ابراہیم کے میر حاجب تھے، ان کی تصنیف "تذکرۂ احوال سلاطین بیجاپور" ۳۵ برس کی محنت سے نوے برس کی عمر میں ۱۶۰۸ میں ختم ہوئی تھی، رام راجا کے احوال میں لکھتے ہیں کہ چھ مسلمان امیر اس کے ملازم ہو گئے، انھیں جاگیریں، عزتیں اور رعایتیں ملیں، رام راجا مسلمانوں سے فیاضی سے پیش آتا تھا، اور انھیں اپنے مذہبی امور کی بجا آوری میں پوری آزادی دے رکھی تھی اور وجیانگر کے شہر کا ایک خطہ "ترکی واڈہ" (ترک واڈی) کے نام سے مسلمانوں کی رہایش کے لئے مخصوص تھا، وہاں مسجد بنائی تھی، مسلمان اس میں اذانیں دیتے اور نمازیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ انھیں گائے ذبح کرنے کی بھی اجازت تھی، راجا کے بھائیوں اور دوسرے امرا نے اس پر احتجاج کیا، لیکن رام راجا نے کہا کہ "ترک نوکری کرنے آئے ہیں، اپنے دین کو دینے نہیں" اور لکھتے ہیں کہ رام رایا بڑا منصف راجا تھا، مسلمانوں کے متحد ہو کر اس کو قتل کر دینے تک اس کی ترقی جاری رہی (JBBRAS XXII P.28) رام رایا نے بھی دیو رایا دوم کی طرح دربار میں تخت کے قریب ایک مرصع کرسی پر قرآن رکھوایا تھا، ان شواہد سے ظاہر ہے کہ رام راجا اپنے مسلمان ملازموں کو خوش رکھنے کے لئے اسلام کی بڑی قدر کرتا تھا، رام رایا کو اس کی آزادی نہیں تھی کہ احمد نگر پر حملے کے دوران میں وہ من مانے کرتا کیونکہ بہت سے طاقتور مسلمان اس کے حلیف تھے، علاوہ رام رایا نے یہ حملہ علی عادل شاہ کی حمایت میں کیا تھا، اور اس کے ساتھ علی عادل شاہ، ابراہیم قطب شاہ، دریا عماد شاہ، اور خاندیش کا مبارک شاہ فاروقی یہ سب تھے، اگر اس نے اسلام اور مسلمانوں کی تحقیر کی ہوتی تو یہ مسلمان اگر اس سے بدلہ نہیں لے سکتے تھے تو کم از کم اس کا ساتھ تو چھوڑ دیتے، انہوں نے ایسا نہیں کیا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رام رایا اس کے سپاہیوں کے سلوک میں کوئی چیز خلاف طبع نہیں دیکھی۔

دکن کے بہمنی شاہوں کا اتحاد رام رایا کے خلاف اسلام کی توہین کا بدلہ لینے کے

لئے نہیں بلکہ رام رایا کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اس کی قائدانہ حیثیت کو ختم کرنے کے لئے تھا۔ تالیکوٹہ کی جنگ کو ہندوؤں مسلمانوں کی جنگ کہنا وجیانگر کی سلطنت میں مسلمانوں کی حیثیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، بلکہ یہ جنگ رام رایا اور بہمنی حکومت کے پانچ شاہوں میں ہوئی وجیانگر اور بیجاپور کی افواج میں ہندو اور مسلمان دونوں تھے اور دونوں نے اپنے اپنے شاہوں اور راجا سے وفاداری اور نمک حلالی کا ثبوت دیا، مسلمان شاہوں کی افواج میں کئی مرہٹی فوجیں بھی شامل ہوگئی تھیں اور صرف بیجاپور کی فوج میں چھ ہزار مرہٹی سوار تھے، ان کے چھ افسروں کے نام یہ ہیں:۔ بسونت راؤ، بھوج مل نایک، دیونایک، بسونت راؤ وسواس راؤ اور کولی راؤ (ہراس صفحہ ۲۰۰) اور جن لٹیروں نے شہر وجیانگر کو لوٹا ان میں ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔ (فردرسورس صفحہ ۲۹۱)

مسلمانوں سے ہندوؤں کے جذبۂ مصالحت کا اس حقیقت سے اظہار ہوتا ہے کہ ۱۵۳۷ میں ایک نیک ہندو نے مسلمانوں کے لئے مسجد تعمیر کرائی (EC, IV Kr. 95)

علاوہ رام راجا نے اپنے ایک اہم مسلمان افسر (Amur Khan) امیر خان یا عمر خان کو ذاتی مصارف کے لئے ایک جاگیر دی تھی۔ (Briggs The Rise III P. 97)

ایک اور اہم فوجی افسر دلاور خان جو رام راجا کا کاریکرتا / ایجنٹ تھا ایک قریہ برہمنوں کو گزر معاش (بٹا اگر ہار) کے لئے عطا کیا تھا

(Epigraphia Carnatica, X, Kl, 147)

سلطنت وجیانگر کا کوئی شہر یا قریہ ایسا نہیں تھا جس میں تھوڑے بہت مسلمان نہ ہوں، باربوسا سلطنت وجیانگر کے بیان میں لکھتا ہے کہ جتنے گاؤں اور بستیوں میں سے گزرا ان سب میں ہندو آباد تھے، اور ان میں چند مسلمان بھی رہتے تھے (ص ۱۹۶) یہ پرتگالی سیاح سولھویں صدی کی ابتدا ۱۵۱۴ میں وجیانگر آیا تھا، وجیانگر کے عہد میں جنوبی ہند کے کل مذہبی فرقے سیوا، وشنوا، مادھوا، جین، مسلمان اور آخری زمانے میں عیسائی بھی مل جل کر رہتے تھے، اور وجیانگر کے راجا عموماً اپنی سلطنت میں مذہبی تحریکوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے (مہالنگم ص ۱۹۶)

رام راجا کا ایک ہی بھائی ترو ملا تلیکوٹہ کی جنگ میں بچا، وہ بقیہ فوج لے کر وجیانگر پہنچا اور فاتحوں کا مزید مقابلہ ناممکن سمجھ کر وہاں سے پنگنڈے کو منتقل ہوگیا اور اپنے ساتھ شہنشاہ سدا شیوا اور ان امرا کو بھی جو وجیانگر میں تھے لے گیا، ان میں بہت سے وفادار مسلمان بھی تھے، پنگنڈے کے مغرب میں تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ایک قریہ ہے جس کا نام ترکل پٹنم ہے اس کے معنے ہیں مسلمانوں کی بستی، یہاں ترو ملا کے ساتھ آئے ہوئے مسلمانوں کو بسایا گیا،

مسلمان وجیانگر میں داخل ہوئے اور چھ مہینے اس میں ٹھہرے رہے اپنے پورے رایل سیما یعنے اننت پور، کرنول، کڈپہ اور بلاری کے اضلاع میں ایک بھی قریہ ایسا نہیں تھا جہاں فاتح فوج کے سپاہی نہ پہنچے ہوں (ص ۲۹۲) رام راجا کا بیٹا بڑا ترو ملا جو کرشنا دیوارایا کا نواسا تھا زندہ تھا اس کی خواہش تھی کہ سدا شیوا کا وہ قایم مقام بنے اس نے علی عادل شاہ سے مدد طلب کی علی آدنے کنڈی پہنچا، اور خضر خان کو پنگنڈے کا محاصرہ بھیجا، ترو ملا نے احمد نگر سے تلبیہ چاہی، مادر شاہ خونزہ (khunza) سلطانہ اپنے بیٹے مرتضیٰ نظام شاہ کے ساتھ بیجاپور کی طرف روانہ ہوئی، اور علی عادل شاہ فوراً آدنے کنڈی سے واپس ہوجانے پر مجبور ہوگیا۔

ترو ملا نے اپنی سلطنت کے تین حصے کیے، تلگو احاطے کا حکمران سب سے بڑے بیٹے سری رنگا کو بنایا، اور پنگنڈے کو اس کا پائے تخت قرار دیا، اور دوسرے بیٹے راما کا صدر مقام سرنگاپٹم تھا، اور اس کی حکمرانی کنڑی اضلاع پر تھی، اور سب سے چھوٹا بیٹا وینکٹا پتی تمل علاقے کا حاکم تھا، اور اس کا صدر مقام چتور کے ضلع میں چندر گیری تھا اور ترو ملا خود پنگنڈے کے شہنشاہ کی حیثیت سے ۱۵۷۰ میں تخت نشین ہوا، ترو ملا گیارہ مہینے کی شہنشاہی کے بعد ۱۵۷۱ میں مستعفی ہوگیا۔ اور اپنے بیٹے سری رنگا اول کو تخت نشین کیا، (۱۵۷۲-۱۵۸۵)

۱۵۷۶ میں علی عادل شاہ نے ادھونی میں بڑی فوج جمع کی اور اننت پور کے سردار ہنڈے تما نایک کے ساتھ پنگنڈہ فتح کرنے روانہ ہوا، سری رنگا نے ایک بہادر سردار چنپا

کو قلعے کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر خود تمام خزانوں کے ساتھ چندر گیری کے قلعے کو منتقل ہوگیا، اس کے بعد سے چندر گیری شہنشاہ وجیانگر کا مستقل قیام گاہ بن گیا، رنگا نے ابراہیم قطب شاہ کے پاس قاصد روانہ کیا، ابراہیم خود رنگا کی مدد کے لیے روانہ ہوا اور اپنے افسر فضل خان کو رنگا سے معاہدہ کرنے کے لئے چندر گیری بھیجا، افضل خان بہت کامیاب ہوا اور معاہدے کی شرائط روبروطے کرنے لئے وہ رنگا کو ابراہیم کے کمپ میں لایا، علاوہ عادل شاہ اور ہنڈے ہنما نایک میں پھوٹ ڈالنے میں رنگا کامیاب ہوگیا چنانچہ اس اختلاف سے فائدہ اٹھاکر قلعے سے نکلا اور عادل شاہ کو دسمبر ۱۵۷۶ ایٔ شکست دی اور وہ بیجاپور کو لوٹ گیا،

سرنگاپٹم کے وائسرائے کا انتقال رنگا کے مرنے سے پہلے ہوچکا تھا، اور راما کے دو کم عمر بیٹے تروملا اور سری رنگا پائے تخت میں اپنے چچا کے پاس رہتے تھے، اور سرنگاپٹم کا انتظام رام راجا کے ایک جنرل تیمتی ونکٹا کے سپرد تھا اس لئے رنگا کے مرنے کے بعد اس کا چھوٹا بھائی ونکٹا دوم تخت نشین ہوا (۱۶۱۴ - ۱۵۸۵)

وجیانگر میں حکمرانوں کی اس تبدیلی سے فائدہ اٹھاکر قطب شاہ نے رنگا سے معاہدے کو نظر انداز کرکے پنگنڈے کا محاصرہ کرلیا، اس مرتبہ رانا پدا جگدیوا رایل کی سعی سے پنگنڈہ بچ گیا، اس خدمت کے اعتراف میں ایک نئی ریاست قائم کی گئی، اور اس کا صدر مقام چن پٹن کو بنایا گیا، اس زمانے میں وجیانگر کے حدود شمالی پنار سے راس کماری تک تھے اور اس کی تقسیم پنگنڈہ، جنجی، تنجاور، مدورا، چن پٹن اور سرنگاپٹم کی چھ وائسرائیوں میں ہوئی تھی، ان میں سے پہلی رنگا اور بعد کی تین ونکٹا اور آخری دو راما کے ماتحت تھیں، (کرشنا سوامی آئنگار - ص ۲۰۶)

ونکٹا دوم کے اولاد نہیں تھی صرف ایک متبنی بیٹا تھا اس لئے ونکٹا نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کے بھتیجے یعنے راما کے چھوٹے بیٹے سری رنگا کو تخت نشین کیا جائے یہ دربار میں رہتا تھا اور اس کو چکا رایا یعنے یوراجا یا ولی عہد کا خطاب ملا تھا۔ چنانچہ سری رنگا دوم تخت نشین ہوا، اس پر زبردست خانہ جنگی چھڑی، چار مہینوں بعد وہ بیوی بچوں

سمیت قتل کر دیا گیا اور اس کے بیٹے رام دیوا کو جو بچا لیا گیا تھا تخت پر بٹھایا گیا (۳۰-۱۶۱۴) لیکن خانہ جنگی پورے پندرہ برس تک جاری رہی اور رام دیوا بیس سال کی عمر میں مر گیا۔

رام دیوا کے مرنے کے بعد بھی پانچ برس تک خانہ جنگی جاری رہی، آخر الیا رام رایا کا پوتا وینکٹا سوم کامیاب ہوا، اس نے ویلور کو اپنا پائے تخت بنایا، سلطان بیجاپور کی حریص نظریں پنگنڈے پر پڑنے لگیں تو وینکٹا نے اپنے سپہ سالار چندر گیری کو نیٹی نایک کو چگنڈہ اور اس کے ماتحت علاقے جاگیر میں دے دئے اور اس نے آزادی تیرہ سال یعنے سلطنت کے زوال تک بحال رکھی۔

۱۶۳۷ میں سلطان بیجاپور نے ترکیرے اور بنوا پٹن کے سردار کنگپے ہنوما کی تحریک پر رن دولہ خان کو ویر بھدرا نایک سے اکیری اور کرناٹک کے دوسرے علاقوں کو ان کے سرداروں سے چھین لینے کے لئے بھیجا، اکیری ریاست میسور کے ضلع شیموگہ اور جنوبی کیانرا پر مشتمل ہے، یہاں کا نایک سدا شوا (۶۰ - ۱۵۱۳) رام راجا کی دکن کے مسلمان بادشاہوں کے مقابلے میں تائید کرتا رہا، اس کے جانشین وجیانگر کے وفادار رہے، وینکٹپا اول (۱۶۲۹ - ۱۵۸۲) نے آزادی کا اعلان کیا اور گیرسپا کی رانی بھیر وا دیوی کو جو بیجاپور کی باج گزار تھی شکست دے کر اس کے ملک پر قبضہ کر لیا، ویر بھدرا نایک اس کا پوتا تھا اس نے اپنا پائے تخت بدنور کو بدل دیا اور بدنور ۱۷۶۳ تک ایک علحدہ ملک رہا جبکہ حیدر علی نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

رن دولہ نے وینکٹا سوم (۴۲ - ۱۶۳۰) سے یہ معاہدہ کرنا چاہا کہ وہ رن دولہ کی باغی سرداروں کو زیر کرنے میں مدد کرے گا، جو اس کے معاوضے میں رن دولہ صرف مفتوحہ مال منقولہ لے لے گا، وینکٹا اس پر راضی نہیں ہوا اس پر ان دولہ نے سری رنگا سوم (۷۵ - ۴۹ - ۱۶۴۲) سے جو وینکٹا کے چھوٹے بھائی کا بیٹا اور کنڈن وولو کے سردار گوپال راجا کا متبنی اور بیجاپور کے اس مقام کو فتح کر لینے کے بعد بیجاپور کی رعایا بن گیا تھا۔ انھیں شرائط پر جو اس نے رنگا کے چچا کے سامنے پیش کی تھیں معاہدہ کر لیا اور کرناٹک کے چھوٹے چھوٹے سرداروں سے جنگ چھیڑ دی۔

ان دولہ نے کنگے ہنوما کی مدد سے اکیری پر چڑھائی کردی اور اس پر ۱۶۳۷ میں قبضہ کرلیا، ویربھدرا نایک بھوون گیری کو فرار ہوگیا، ان دولہ نے اس کا پیچھا کیا وہ صلح کرنے پر مجبور ہوا اور مفتوحہ قلعوں کے علاوہ بقیہ ملک پر اس کا قبضہ اور اس کا سلطان بیجاپور کے ماتحت ہونا قرار پایا۔

ویربھدرا نایک پر فتح مندیوں کے بعد ان دولہ بیجاپور کو واپس نہیں ہوا کیونکہ سلطان نے اس کو پورے ملناڈ اور کرناٹک پر قبضہ کرلینے کے لیے بھیجا تھا، چناں چہ وہ بنگلور کی طرف روانہ ہوا جہاں کیمپے گوڈا بڑی شان سے حکومت کر رہا تھا، راستے میں ان دولہ نے سرا کا قلعہ فتح کرلیا پھر بنگلور کا قلعہ فتح کرکے اپنے ایک افسر شاہ جی کو بنگلور کا گورنر مقرر کیا، اور سرنگا پٹم کی طرف بڑھا اور بیک وقت سرنگا پٹم اور میسور دونوں کا ایک مہینے تک محاصرہ کیے رہا، کنٹھیرو انرسا نے جو وہاں کا راجا تھا پانچ لاکھ ہن پیش کش کیے، اور ان دولہ بیجاپور کو واپس ہوگیا، یہ واقعات سنہ ۳۹-۱۶۳۸ کے ہیں، معاہدہ یہ ہوا تھا کہ کاویری کے شمال کا پورا ملک بیجاپور کا اور جنوب کا پورا ملک میسور کا ہوگا. لیکن شمالی حصے کا انتظام بھی راجا ہی کریگا، اور انتظامی خرچ منہا کرکے بقیہ محاصل بیجاپور کو دے گا۔

ترکیرے بسوا پٹن کے کنگے ہنوما نے جس کی مدد سے رن دولہ نے ملناڈ فتح کیا تھا بغاوت کردی، اور اپنے پڑوسی سرداروں اور ونکٹا سوم کو اپنے ساتھ شریک کرلیا، رن دولہ بیجاپور سے فوراً دریائے تنگبھدرا پہ ہرنی ہر کو پہنچا، اکیری کا ویرا بھدرا بھی اس کے ساتھ شامل ہوگیا، پھر بسوا پٹن کے قلعے پر چڑھائی ہوئی. رن دولہ کا ایک افسر افضل خان قلعے میں داخل ہوگیا، اور ہنوما کی فوج کو شکست دی، ہنوما نے ایک بڑی رقم پیش کی اور صلح کی درخواست کی، ہنوما سے لڑائی کے زمانے میں اس کی تائید کے لیے ویلور سے ۱۶۳۹ کے شروع میں ایک بھاری فوج لے کر .... ونکٹا سوم بڑھا لیکن شکست کھائی اسی سال نومبر میں پھر وہ بنگلور پر قبضہ کرنے نکلا لیکن یہ سن کر کہ بسوا پٹن فتح ہوگیا وہ ویلور واپس ہوگیا۔

رن دولہ ابھی بسواپٹن ہی میں تھا کہ ضلع تمکور میں چکنا یکن ہلی کے سردار نے بغاوت کردی، اس کی تنبیہہ کے لئے افضل خان کو فوراً بھیجا گیا، سردار حواس باختہ ہوگیا، اور قلعہ افضل خان کے حوالے کردیا، پھر افضل خان نے بیلور اور تمکور پر حملہ کیا، اور بلاپور اور کنگل کے قلعے فتح کرلئے، ان دولہ نے پورے منقولہ مال غنیمت پر قبضہ کرلیا، اور معاہدے کے مطابق خالی قلعے سری رنگا کے حوالے کردئے،

ان دولہ نے ۱۶۴۱ میں پھر کرناٹک پر حملہ کیا، شہزادہ سری رنگا بھی اس کے ساتھ مل گیا، اور ویلور سے بارہ میل کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈال دیا، لیکن مدورا جنجی اور تنجاور سے ونکٹا کو مدد پہنچ چکی تھی، اس لئے ان دولہ کو شکست ہوی۔

اس اثنا میں سلطان گولکنڈہ کو پسند نہ آیا کہ کرناٹک کا پورا ملک بیجاپور کے ماتحت چلا جائے، اس نے اپریل ۱۶۴۲ میں مشرق کی طرف سے ایک زبردست فوج بھیجی، ونکٹا اس فوج کا مقابلہ نہ کرسکا، اور چندرگیری کے پہاڑی علاقے میں بڑی بے بسی کی حالت میں ۱۰ راکتوبر ۱۶۴۲ میں اس کا انتقال ہوگیا، جب چچا ونکٹا سوم نارایناورم کی پہاڑیوں میں مر رہا تھا تو بھتیجے سری رنگا نے سوچا کہ وجیا نگر کا تخت اپنے لئے حاصل کرنے کا یہ اچھا موقع ہے، چنانچہ بیجاپور کے سپہ سالار کا ساتھ چھوڑ کر اس نے ۲۹ راکتوبر ۱۶۴۲ کو اپنے وجیا نگر کا شہنشاہ ہونے کا اعلان کردیا، اکیری کا سردار ویربھدرا بیجاپور کی ماتحتی سے خلاصی کی تدبیریں کرنے لگا تو سلطان نے رستم زماں، رن دولہ خان کو بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا اس دفعہ اس کے ساتھ بہت سے سردار تھے، مثلاً عنبر خان، محمد خان، یعقوب خان، انکس خان، ساجی خان، فتح خان، فرہاد خان اور خانِ خانان، یہ سردار ملناڈ پہنچے اور اکیری کا محاصرہ کرکے اس کو فتح کرلیا،

رن دولہ نے خان جہان کو اکیری کا حوالدار مقرر کیا اور آگے بڑھ کر بیموگہ پر قبضہ کرلیا، ویربھدرا نے ایک بڑی فوج اپنے چچا سوتیا نایک کی سرداری میں بیجاپور کی فوج کا مقابلہ کرنے بھیجی، ان دولہ کو شکست ہوئی اور اکیری پر قبضہ کرکے خان جاں کو بھگا دیا، سلطان اس واقعے سے بہت غضب ناک ہوا، ان دولہ کی توہین کی اور خود

ویربھدرا کی تنبیہ کے لئے بڑھا، وہ جنوری ۱۶۴۴ میں بنکاپور پہنچا (کرناٹک کا یہ قلعہ دھاڑواڑ کے جنوب میں چالیس میل کے فاصلے پر ہے) اور اس کو اپنا صدر مقام بنایا اور دو سپہ سالاروں مصطفیٰ خان اور مظفرالدین خان خانان کو اس مہم کے ذمہ دار بنا کے آگے بھیجا انھوں نے سگ کا محاصرہ کرکے پانچ دن میں اس کو فتح کرلیا، اور فوراً بعد اکیری کو بھی فتح کرلیا، بتوپا نایک پہاڑوں میں جا چھپا، ویربھدرا نے اپنا سفیر سلطان کے پاس بنکاپور بھیج کر صلح کرلی، ملناڈ کا خاطر خواہ انتظام ہو جانے کے بعد مارچ ۱۶۴۴ میں سلطان پائے تخت کو واپس چلا گیا

مفتوحہ علاقوں کے حکومت بیجاپور نے دو صوبے بنائے ایک کرناٹک بیجاپور بالاگھاٹ اور دوسرا کرناٹک بیجاپور پائین گھاٹ، بالاگھاٹ بنگلور، ہسکوٹہ، کولار، ڈوڈبلاپور اور سرا پر مشتمل تھا، اور اس کا گورنر شاہ جی تھا، شاہ جی جنگوں کے موقع پر بنگلور میں ورنہ کبھی کولار میں، اور کبھی ڈوڈبلاپور میں رہتا تھا، شاہ جی کے ۱۶۶۴ میں انتقال کے بعد اس کا بیٹا ونکوجی جو دوسری بیوی کا بیٹا تھا اس علاقے پر حکمران تھا، پہلی بیوی کے بیٹے سواجی نے ۱۶۷۸ میں چھوٹے بھائی سے اتفاق کرکے اس جاگیر کے دو حصے کر لئے اور سواجی ۱۶۸۰ میں مرگیا۔

حکومتِ بیجاپور اکیری کے معاملات میں منہمک تھی اس لئے وہ کرناٹک کے سری رنگا سوم کی طرف متوجہ نہ ہوسکی، گولکنڈہ کی حکومت اس سے فائدہ اٹھا کر کرناٹک کے اکثر حصے پر قابض ہوگئی، رنگا سوم نے بیجاپور سے مدد مانگی، چھ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادوں کی مدد ملی۔ رنگا نے گولکنڈے کو مزید سبقت کرنے سے روک دیا۔

۱۶۴۵ میں گولکنڈے کے جنرلِ میر جملہ (وزیر مال) اور بیجاپور کے جنرل خانِ خانان نے دریائے کرشنا پار کرکے سلطنتِ وجیانگر کے شمالی حصوں پر قبضہ کرلیا، لیکن سلطانِ گولکنڈہ اور سری رنگا میں صلح ہوگئی، اور مسلمان بادشاہوں کی فوجیں واپس ہوگئیں، جب شمالی سرحدوں کی طرف سے اطمینان ہوا تو سری رنگا جنوب میں تنجاور اور مدورا کے نایکوں کو مطیع کرنے کی طرف متوجہ ہوا، ان نایکوں نے گولکنڈے اور بیجاپور سے مدد طلب کی، اسی زمانے میں بیجاپور اور گولکنڈے کے سلطان کرناٹک فتح کرکے

اس کو آپس میں تقسیم کر لینے کے قصد سے کوچ کر چکے تھے ،

بیجاپور کی فوجوں کا سردار مصطفےٰ خان ملناڈ میں سے گزر کر ضلعۂ بنگلور میں سوا گنگا تک پہنچ گیا ، مدورا ، تنجاور اور جنجی کے سفیر اس کے پاس پہنچے اور مدد چاہی اس نے ان کی درخواست قبول کرلی اور ویلور کی طرف بڑھا اور خانِ خانان کو جو کرنول کے نواح میں تھا ہدایت بھیجی کہ وہ بھی ویلور کی طرف بڑھے ، سری رنگا بالکل بے بس ہوگیا اور اس نے ہندو قومیت سے اپیل کی اور اپنی رعایا سے التماس کیا کہ وہ سلطنت کو ، مندروں کو برہمنوں کو اور اپنے مذہب کو اسلامی تشدد سے جو چاروں طرف سے ہو رہا ہے محفوظ رکھیں ، یہ اپیل بے سود ہوئی اس لئے کہ نایک اس امر کے قایل نہ ہوسکے کہ ہندو مت کے لئے کوئی خطرہ ہے ، مذہب کی مدافعت کے لئے ہندوؤں کے جوش کو ابھارنے کی اس کوشش میں ناکام ہوکر سری رنگا نے مصطفےٰ خان اور خانِ خانان سے پھر گفت وشنید شروع کی ۔

مصطفےٰ خان کی خواہش تھی کہ سری رنگا سے کوئی سمجھوتہ کرکے اپنے ملک کو لوٹ جائے ، لیکن نایک یہ چاہتے تھے کہ رنگا کا خاتمہ کرکے ہی دم لیں ، انھوں نے مصطفےٰ خان کو بڑی بڑی رقمیں پیش کیں اور مجبور کیا کہ پنگنڈے کا محاصرہ کرے ، چنانچہ دسمبر ۱۶۴۵ء میں وہ پنگنڈے سے چار میل کے فاصلے پر پہنچ گیا ، اور خان خانان کولار کی طرف بڑھا ، سپہ سالار کونیٹی نائیڈو جس کو ونکٹا سوم نے پنگنڈے کا گورنر مقرر کیا تھا ابھی تک وہاں حکمران تھا ، اس نے مصطفےٰ خان کو پیچھے ہٹا دیا ، انھیں دنوں میں رنگا نے نایکوں سے لڑائی کی لیکن شکست کھائی ، مجبوری کی انتہا یہ کہ اس نے پھر مصطفےٰ خان سے مدد طلب کی ، اور اپنے دوست نارنپا کو نایکوں کے پاس گفت وشنید کے لئے بھیجا لیکن وہ مصطفےٰ خان کی رضامندی کے بغیر کوئی سمجھوتہ کرنا نہیں چاہتے تھے اس لئے نایکوں کی درخواست پر مصطفےٰ خان ویلور آیا اور رنگا اور نایکوں سے صلح کی بات چیت کرنے لگا ، لیکن رنگا جانتا تھا کہ یہ بات چیت کوئی فائدہ نہ دے گی ، کیونکہ گولکنڈے اور بیجاپور نے طے کرلیا تھا کہ کرناٹک کو فتح کرکے آپس میں تقسیم کرلیں وہ اسی تردد میں تھا کہ خبر اڑی کہ محمد عادل شاہ کا انتقال ہوگیا ، اور مصطفےٰ خان اور خان خانان فوراً بیجاپور چلے گئے

اور رنگا کو سانس لینے کی مہلت ملی، میر جملہ گولکنڈے سے روانہ ہوا اور اودے گیری کا قلعہ فتح کرلیا، اور اس کے اردگرد کے قلعے فتح کرنے لگا، اسی اثنا میں مصطفیٰ خان بیجاپور سے واپس آیا اور کرناٹک فتح کرنے کی مہم پھر جاری کی،

دکن کے مسلمان بادشاہوں کے کرناٹک پر متحدہ حملے نے نایکوں کو چوکنا کردیا اور انجام کار انہیں اپنی تباہی نظر آنے لگی، اس لئے جب انھوں نے سنا کہ مصطفیٰ خان ویلور کی طرف بڑھ رہا ہے، تو میسور، گنگنڈای، تنجاور، جنجی کے نایک سری رنگا کی تائید اپنی دولت اور فوجوں کے ساتھ کرنے پر آمادہ ہوگئے، غرض ہر طرح لیس ہو کر یہ اتحادی مصطفیٰ خان کے مقابلے کے لئے بڑھے،

مصطفیٰ خان ویلور کو سیدھے راستے سے نہیں آیا، بلکہ چن پٹن کے راجا جگدیو راؤ کے ملک میں سے ہو کر آیا، اس نے پہلے ماسنی میں جو بنگلور کے مشرق میں ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے، پڑاؤ ڈالا اور خانِ خانان کو مدد کے لئے طلب کیا، ان دونوں نے ان ملکوں پر جن کو سری رنگا نے چھوڑ دیا تھا قبضہ کرلیا، اور جگدیوا کے قلعوں کو باقاعدہ فتح کرنے لگے، اس زمانے میں ملک میں قحط پھوٹ پڑا، اس لئے مصطفیٰ خان اپنی فوجی طاقت کے باوجود رنگا کو صلح کی پیش کش کرنے کا موقع دینا چاہتا تھا، لیکن رنگا بھی موقع شناس تھا اس نے کوئی اطمینان بخش جواب نہیں بھیجا تو مصطفیٰ خان ویلور کی طرف بڑھا اور ویلور سے تین میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا،

سری رنگا مقابلے کے لئے نکلا ۴؍اپریل ۱۶۴۶ کو بڑی خونریز جنگ ہوئی —

بہلول خان اور دِلاور خان دو مسلمان افسر سری رنگا کی فوج میں تھے، وہ بیجاپور کے دو افسروں سیدی ریحان اور شاہ جی بھونسلے کے مقابلے میں لڑے اور شکست کھائی۔ ان کے علاوہ رنگا کے دوسرے ہندو افسروں کی بھی شکست ہوئی اور سب کے سب قلعہ بند ہوگئے، اور سری رنگا نے ہتھیار رکھ دینے کا وعدہ کیا، پھر مصطفیٰ خان ملک میسور کی طرف متوجہ ہوا، اور جگدیو کے ملک پر قبضہ کرنے لگا، چنانچہ مسلسل اس نے ان مقاموں کو فتح کرلیا۔ کاویری پٹن، ہاسن، رائے درگ، ویر بھدر ادرگ، کنک گری، رتن گری

میل گری، ارجن کوٹہ، دُتّنا یکن کوٹہ وغیرہ اوران کی حفاظت اسد الخوانین اور شاہ جی بھونسلے کے حوالے کر کے وہ بیجاپور لوٹ گیا۔

گولکنڈے کے میر جملہ نے پھر فوج کشی کی اور کرناٹک کے شمال مشرق کے بہت سے قلعے فتح کر لئے، رنگا نایکوں سے مدد طلب کرنے تنجاور گیا، اور وہیں رہ گیا اب وہ بے ملک کا بادشاہ تھا، ادھر مصطفٰے خان جنجی کے محاصرے کے دنوں میں سخت بیمار ہو کر مر گیا، اس کے بعد خانِ خانان نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لی اور جنجی فتح کر لی پھر ۱۶۴۹ کے شروع میں تنجاور بھی فتح ہو گیا تو رنگا کے لئے میسور کے نایک کے سوا جس کی آزادی ابھی تک بحال تھی کوئی پناہ دینے والا نہ رہا۔

بیجاپور کے جنرلوں نے ۱۶۴۹ اور ۱۶۵۲ کے درمیان بنگنڈہ اور کئی دوسرے مقام فتح کر لئے خلاصہ یہ ہے :-

"میر جملہ ۵۰-۱۶۴۹ میں گولکنڈے سے روانہ ہوا اور گنڈی کوٹہ، گُتّی، گرم کنڈہ کانچی، وندواسی، چنگل پٹو، ارکاڈو، میلاپور، چن پٹنم (مدراس) فتح کر لیا، ساتھ ہی بیجاپور کے سردار امیر خان نے بنگنڈہ، ویلور، جنجی، آرنی، لبتوپٹم اور دوسرے مقام فتح کر لئے، اس طرح ۱۶۵۲ تک دکن کے مسلمان بادشاہوں نے سلطنت وجیانگر فتح کر لی، اور ہندو آزادی بھی جس کی بقا کے لئے یہ سلطنت قائم ہوئی تھی فنا ہو گئی صرف میسور اور مدورا کی آزادی کچھ زمانے تک قائم رہی"

بیجاپور اور گولکنڈے کی دوستی جس وجہ سے مسلمان کرناٹک کو بہت جلد فتح کر سکے عارضی ثابت ہوئی، آپس کی مخالفت کے آثار ۱۶۴۹ میں جنجی کے قلعے کے نیچے ظاہر ہوئی جبکہ مصطفٰے خان نے میر جملہ کو جو پہلے سے محاصرہ کئے ہوئے تھا وہاں سے ہٹ جانے پر مجبور کیا تھا، علاوہ عبداللہ قطب شاہ نے سلطانِ بیجاپور کو ایک بھاری رقم دے کر گنڈی کوٹے کا قلعہ فتح کر لینے کا حق حاصل کیا تھا، لیکن قریب کے قلعے گُتّی پر بھی قبضہ کر لیا، اس طرح اس نے بیجاپور کی سرحد میں مداخلت کی تھی اس پر خان محمد بیجاپور سے میر جملہ کی تنبیہ کے لئے بھیجا گیا، اور میر جملہ گُتّی کی دیواروں میں پناہ

لینے پر مجبور ہوا۔

میر جملہ خود کرناٹک پر قبضہ جمانا چاہتا تھا، اس کو بیجاپور کی فوجوں کی کامیابیاں شاق گزریں تو اس نے میسور کے نایک کو بیجاپور کے خلاف بغاوت کر دینے پر آمادہ کیا، اور سری رنگا کو کرناٹک واپس آنے اور اپنے علاقوں کو بیجاپور سے چھین لینے کی ترغیب دی، میسور کے نایک نے سیدی رحمان اور بیجاپور کے دوسرے افسروں کو جنھوں نے اپنے آقا سے بغاوت کر رکھی تھی اپنے ساتھ شریک کر لیا، انھوں نے وہ تمام علاقے جو پچھلے سالوں میں مصطفیٰ خان نے فتح کر لئے تھے، چھین لئے۔ سری رنگا ویلور کو واپس ہوا اور بیجاپوریوں کو اپنے ملک سے مار بھگانے کے لئے بڑی فوج جمع کی،

یہ سب کیفیت خان محمد کو جو بیجاپور جا رہا تھا اور بدکوٹ تک گیا تھا پہنچی تو وہ لوٹا اور راجا کو جو اس وقت تک جگدیو کا ملک فتح کر کے کرشن گیری کے قلعے پر حملہ آور ہوا تھا کرشن گیری سے بھگا دیا، اور اس علاقے میں سیدی مسعود کے ماتحت فوج چھوڑ کر ویلور کی طرف بڑھا، سری رنگا ویلور سے بھاگ گیا لیکن قلعے کی فوج نے بہت سی سختیاں جھیل کر آخر ۱۶۵۴ کے وسط میں قلعہ حوالے کر دیا پھر بھی تسمہ لگا ہی رہا کیوں کہ خان محمد کو چنڈہ گیری اور اس کے ماتحت علاقے سری رنگا کو دے کر جنگ روکنی پڑی،

میر جملہ نے اپنے آقا عبداللہ قطب شاہ سے بغاوت کر دی اور کرناٹک میں اپنی جاگیر کو جو شمال میں راج مندری سے جنوب میں کل ہستی تک تین سو میل لمبی اور پچاس میل چوڑی تھی ایک خود مختار ریاست میں تبدیل کر دیا اس کے پاس بے شمار روپیہ تھا اور یورپی توپچیوں اور توپ سازوں کو اس نے ملازم رکھا تھا اور اس کی فوج کی استعداد اور طاقت بہت بڑھی ہوئی تھی جب قطب شاہ نے اس کو مطیع کرنا چاہا تو اس نے مغل شہنشاہ سے مدد چاہی اور دکن کے صوبے دار شہزادے اورنگ زیب سے حیدرآباد کے قریب مارچ ۱۶۵۶ میں جا ملا، اور کرناٹک سے جاتے ہوئے وہ سری رنگا سے مغل شہزادے کے نام ایک عرضی لے گیا جس میں رنگا نے بیجاپور کے خلاف مدد مانگی تھی۔

عبداللہ قطب شاہ میر جملہ کی بغاوت پر غضبناک تھا، وہ سری رنگا کا حلیف بن گیا اور اس کو کرناٹک کے مفتوحہ علاقے واپس کردئے اور رنگا میر جملہ کے مقبوضات پر قبضہ کرنے لگا، محمد عادل شاہ کا انتقال نومبر ۱۶۵۶ میں ہوا۔ اور اورنگ زیب نے مارچ ۱۶۵۷ میں بیجاپور پر چڑھائی کی، ان وجوہ سے سری رنگا کو بیجاپور کے حملوں کا جو خطرہ تھا وہ باقی نہ رہا۔

لیکن عبداللہ قطب شاہ کی سری رنگا پر مہربانیاں صرف موقتی تھیں۔ جب اس نے دیکھا کہ میر جملہ دکن کی سیاسیات کے اکھاڑے سے ہٹ گیا ہے اور مغلوں سے خطرہ نہیں رہا تو اس نے فوجیں بھیجیں، سری رنگا بالکل محروم ہوگیا، یہاں تک کہ چندرگیری کا قلعہ بھی جس کو بیجاپور کے جنرل خان محمد خان نے رنگا کو دیا تھا، ۱۶۵۸ میں قطب شاہی افسروں نے لے لیا، قطب شاہ کی یہ فتح مکمل اور فیصلہ کن تھی کیونکہ اس کے بعد سے مشرقی ساحل پر سری رنگا کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے،

اس کے بعد سری رنگا اُمتور کو ہٹ گیا اور بتدریج پورے ملک میسور پر قبضہ کرلیا، اس کی تائید بڑی حد تک اکیری کے سوپا نایک نے کی، وہ ملک میسور کا شہنشاہ بن گیا اور اس نے سب سرداروں کو مطیع کرلیا، جن میں میسور کا راجا بھی تھا،

کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض وجوہ سے جو آج نامعلوم ہیں عبداللہ قطب شاہ پھر سری رنگا کا دوست بن گیا اور اس نے آبائی پائے تخت پنگنڈہ میں ۱۶۶۹ سے ۱۶۸۱ تک حکمرانی کی، اس کی حکومت کے آخری دس برسوں کے حالات تاریکی میں ہیں۔

۱۶۸۴ میں اورنگ زیب مرہٹوں اور بیجاپور اور گولکنڈے کی حکومتوں کو مطیع کرنے کے لئے دکن کو روانہ ہوا اس نے ۱۶۸۷ میں بیجاپور اور ۱۶۸۸ میں گولکنڈے پر قبضہ کرلیا، اور تنگبھدرا کے جنوب میں ان حکومتوں کے ماتحت علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے فوجیں بھیجیں، نتیجے میں ایک نیا صوبہ ۱۶۸۷ میں تشکیل دیا گیا، اس کا صدر مقام سِرا تھا، اس میں سات پرگنے شامل تھے :- بسوا پٹن[۱]، بودی ہال[۲]، سِرا[۳]، پنگنڈہ[۴]، ڈوڈبلاپور[۵]، ہسکوٹہ[۶]، اور کولار[۷] اور صوبہ سرا میں یہ باجگزار ریاستیں بھی شامل تھیں، ہرپن ہلی، کنڈاپلی

آنے گنڈی، بدنور، چتلدرگ اور میسور، سواجی کا چھوٹا بھائی ونکوجی اپنے پائے تخت سے بنگلور بہت فاصلے پر ہونے کی وجہ سے اس کو تین لاکھ رُپے پر چک دیورایا وڈیر (۱۶۷۲ - ۱۷۰۴) کو بیچ دینا چاہتا تھا، لیکن معاملہ طے ہونے سے پہلے اورنگ زیب کے سردار قاسم خان نے اس کو فتح کرلیا اور اسی قیمت پر جولائی ۱۶۸۷ میں راجا کو بیچ دیا، جنرل قاسم خان کی وساطت سے میسور کے راجا نے اورنگ زیب سے اتحاد قایم رکھا، قاسم خان کو فوجدار دیوان کا لقب دیا گیا اور وہ سرا کا پہلا گورنر مقرر ہوا، سرا پر ۱۷۵۷ تک مغلوں کی حکومت رہی، اورنگ زیب کے دربار میں راجا کا دوست، قاسم خان، مرگیا تو راجا نے دوستی کی تجدید کے لئے ایک سفارت ۷۰۰ امین بھیجی تاکہ ممکن ہو تو مغلوں کے نئے مفتوحہ علاقوں کی سرداری حاصل کی جائے، سفارت شہنشاہ سے ایک مہر جس پر "جگ دیوراج" کندہ تھا اور ہاتھی دانت کے تخت پر بیٹھنے کی اجازت حاصل کرکے لوٹی، احمدنگر کے مغل دربار میں حکومت کا نظام جو سفیروں نے دیکھا تھا، اس کی بنا پر راجا نے اپنے یہاں اٹھارہ انتظامی محکمے جاری کئے۔

وڈّا کرشنا راجا (۱۷۱۳ - ۳۱) کے زمانے میں سرا کی حکومت میں ایک تبدیلی کی گئی یعنے سعادت اللہ خان جو اب تک پورے کرناٹک کا گورنر تھا صرف پائین گھاٹ کا گورنر بنا دیا گیا اور اس کو نوابِ ارکاٹ کا خطاب ملا، اور ایک دوسرے افسر امین خان کو سرا یعنے بالا گھاٹ کا نواب بنایا گیا، سعادت اللہ خان اس دولت سے جو میسور میں جمع تھی واقف تھا اس لئے اس کو میسور کے اپنے اقتدار سے نکل جانے پر افسوس ہوا تو اس نے کڈپہ، کرنول، ساؤنور کے پٹھان نوابوں اور گٹی کے مرہٹہ سردار مراری راؤ گھرپور کو میسور پر فوج کشی کے لئے متحد کرلیا۔ اس مرہٹہ سردار کی فوج جنوبی ہند کی بہترین منظم فوج مانی جاتی تھی، اور اس میں مسلمانوں مرہٹوں اور راجپوتوں کا بڑا مدبرانہ اجتماع تھا، لیکن امین خان نے سبقت کی اور فوج لے کر میسور کی طرف بڑھا، اتحادیوں کی فوجیں بھی آملیں، دونوں میں اتحاد ہوگیا اور سعادت اللہ خان قائد مان لیا گیا، راجا نے ایک کروڑ رُپے سعادت اللہ خان کو دے صلح کرلی، دو سال بعد پھر مرہٹے سرنگاپٹم کے آگے نمودار ہوگئے۔

راجا نے روپیہ فراہم کرنے کے لئے کمپے گوڈا پر حملہ کیا، اور اس کو قید کرلیا، کمپے گوڈا

سرنگاپٹم

سرنگاپٹم کے قید خانے میں مرگیا، اور ساون درگ کی دو سو سال کی جمع کی ہوئی دولت میسور کے ہاتھ آئی۔

سرا کے نواب طاہر خان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر نواب ارکاٹ دولت علیخان نے ایک طاقتور فوج دو مسلمان سرداروں قاسم خان اور مراد خان کے ماتحت سرنگاپٹم کو بھیجی تاکہ زیادہ سے زیادہ رقم حاصل کریں، میسور کی فوجوں کا سپہ سالار دیوراج مقابلے کے لئے نکلا، اور ارکاٹ کی فوج کو شکستِ فاش دی، اس لڑائی میں دونوں مسلمان سردار مارے گئے، ۱۷۴۶ء میں دکن کا صوبہ دار نظام الملک تھا، اس نے اپنے بیٹے ناصر جنگ کو میسور سے خراج وصول کرنے بھیجا، جب بات چیت طے ہو رہی تھی تو ناصر جنگ نے ٹنُّور میں قیام کیا وہاں کے تالاب کو "موتی تالاب" کا نام اسی نے دیا تھا، جو آج تک برقرار ہے

۱۷۴۹ء میں میسور کی فوج نے دیون ہلی پر حملہ کیا اور آٹھ مہینے کے محاصرے کے بعد اس کو فتح کیا، اسی محاصرے میں مشہورِ عالم حیدر علی نے سب سے پہلے دیوار ایا کے چھوٹے بھائی وزیر خزانہ کراچوری ننجراج کی توجہ کو اپنی طرف مائل کیا، حیدر علی کے بڑے بھائی شہباز سرنگاپٹم کی فوج میں دو سو سواروں اور ہزار پیادوں کے افسر تھے، حیدر علی نے انھیں کے ساتھ ایک رضاکار سوار کی حیثیت سے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے،

۱۷۴۹ء میں ناصر جنگ اور اس کے بھانجے مظفر جنگ میں نظامت کے لئے جنگ ہوئی تو ناصر جنگ کی تائید کے لئے میسور کے سپہ سالار کراچوری ننجراج نے برکی وینکٹ راؤ اور حیدر کے ماتحت ایک فوج بھیجی، پہلے تو کامیابی ہوئی لیکن دسمبر ۱۷۵۰ء میں ناصر جنگ قتل کر دیا گیا، اور مظفر جنگ دکن کا صوبہ دار مان لیا گیا، پھر کرناٹک کی نوالی کے لئے محمد علی (ترچناپلی) اور چندا صاحب (ارکاٹ) میں لڑائی ہوئی تو محمد علی نے ننجراج سے اس شرط پر مدد چاہی کہ چندا صاحب پر کامیابی ہوگی تو ترچناپلی اور اس کے کل ماتحت علاقے راس کماری تک معاوضے میں دے گا، ننجراج فوج لے کر ترچناپلی پہنچا اس کے ساتھ حیدر بھی تھا اگرچہ مئی ۱۷۵۲ء ہی میں چندا صاحب قتل ہو گیا، لیکن محمد علی نے ترچناپلی نہیں دی، اس کے عوض سری رنگم کا جزیرہ دیا، اس پر ننجراج سری رنگم میں ٹھہر کر محمد علی سے لڑتا رہا، لیکن کامیاب

نہیں ہوا تو آخر اپریل ۱۷۵۵ء میں میسور واپس آگیا، ننجراج نے حیدر علی کی خدمات سے خوش ہو کر انھیں ڈنڈیگل کی فوجداری ۱۷۵۵ء میں دی۔

اسی سال دکن کا صوبہ دار صلابت جنگ میسور سے خراج وصول کرنے روانہ ہوا اور سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا، ۵۶ لاکھ روپے پر صلح ہوئی۔ مارچ ۱۷۵۷ء میں مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ نے میسور پر حملہ کیا، ننجراج نے ۳۲ لاکھ کے عوض صلح کر لی، لیکن انتہائی کوشش کے باوجود ۵ لاکھ سے زیادہ روپیہ فراہم نہ ہو سکا، بقیہ رقم کے عوض ناگمنگل، بیلور، کڈور، چکنایکن ہلی، ہُلی یُر درگ اور نو دوسرے تعلقے حوالے کر دئے،

حیدر یہ سن کر ڈنڈیگل سے آیا اور مرہٹوں کو میسور کی ریاست سے نکال دینے کا ننجراج کو مشورہ دیا اور ڈنڈیگل واپس ہو گیا، اسی اثنا میں میسور کی فوج نے تنخواہ کی بقایا کے لئے بغاوت کر دی، جنوری ۱۷۵۸ء میں حیدر ڈنڈیگل سے پھر آیا اور اس بغاوت کو فرو کیا، اس کے صلے میں کوئمتور کے محاصل اور ضلع بنگلور جاگیر میں ملے۔ مرہٹوں نے ۱۷۵۹ء کے شروع میں پھر میسور پر حملہ کیا، حیدر نے انھیں کامیاب طور پر مدور، ملولی اور چن پٹن کے پاس روکا اور ۳۲ لاکھ ہن کے عوض مرہٹے میسور کے تعلقوں سے دست بردار ہو گئے۔ حیدر جب سرنگا پٹم واپس آیا تو راجا نے ایک شاندار دربار میں اس کی پذیرائی کی اور حیدر جب دربار میں داخل ہوا تو حیدر کی عزت افزائی کے لئے ننجراج کھڑا ہو گیا، اور اس سے معانقہ کیا اور دربار سے حیدر کو "فتح حیدر بہادر" کا خطاب ملا۔

وزیر کھنڈے راؤ نے جو حیدر کا ساختہ پرداختہ تھا، ۱۲؍اگست ۱۷۶۰ء میں اپنے مربی کو گرفتار کر لینے کی کوشش کی لیکن وہ بچ نکلا۔ ۱۷۶۱ء کے وسط میں حیدر کھنڈے راؤ کو شکست دے کر سرنگا پٹم کے قریب گنجام میں پہنچا اور راجا کے پاس اپنا قاصد بھیجا کہ یا تو راجا حیدر کا پورا قرضہ ادا کر دے یا کھنڈے راؤ کو حیدر کے حوالے کر دے چوں کہ قرضہ دینا ناممکن تھا راجا نے کھنڈے راؤ کو حیدر کے حوالے کر دیا۔ اس وقت سے حیدر ریاست میسور کا والی بن گیا

۱۷۶۱ء میں نظام علی صوبہ دار دکن کا بھائی بسالت جنگ جو ادھونی کا حکمران تھا جنوب میں اپنے مقبوضات کی توسیع کرنا چاہتا تھا تو اس کے پہلے سرا اور پھر ہسکوٹے پر

جو اس وقت مرہٹوں کے قبضے میں تھا، فوج کشی کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی، اس لئے بسالت جنگ نے حیدر سے گفت و شنید کی اور تین لاکھ روپے ہدیہ لے کر حیدر کو سرا کا نواب مان لیا اور انھیں حیدر علی خان بہادر کا خطاب دیا، پھر حیدر اور بسالت جنگ کی فوجوں نے پہلے ہسکوٹہ پھر ڈوڈ بلاپور اور آخر میں سرا فتح کر لیا۔

مفرّح القلوب

مصنفہ حسن علی عزّت

نصیرالدین ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ کتاب اسٹیٹ لیبریری حیدرآباد میں ہے نمبر دیوان ١٥٣٧ سائز ٨×٧، صفحہ ٩٠ سطر ١١، خط شکستہ، یہ میسوری موسیقی کے متعلق ایک رسالہ ہے جس میں سُر اور تال وغیرہ کی صراحت کی گئی ہے، فارسی اور ہندی میں کئی راگ لکھے گئے ہیں۔ عزّت نے یہ کتاب ٹیپو سلطان کے حکم سے ١٧٨٣ میں لکھنی شروع کی اور دو سال میں ختم کی کتاب کا نمونہ صرف اسی قدر دیا ہے:۔

آغاز: حمد صانعی کہ چوں کہ آفتاب جہاں تاب صبح صنعتش از افق مشرقی اذار ادا .....

تکلم خاں کرتا ہوں سلطانی کا اب تم سوں بیاں ؛ ہے عجب کچھ طرز اس کا طرفہ تر ہے داستاں ۔

خوش شکل اور خوبرو بہو تیغ نازک گلبدن ؛ مہ لقا یک زن اچھی غنچہ دہن خندہ لباں

عزّت نے میسور کی اردو میں ٹیپو سلطان اور مرہٹوں کی لڑائی کا حال بھی نظم کیا ہے یہ مثنوی سنہ ١٧٨٥ء میں لکھی گئی اس کا ایک نام "اضراب سلطانی" اور دوسرا "فتح نامۂ ٹیپو سلطان" ہے (ماخوذ از "جنوبی ہند کا بہترین ادب"، مجلس ادب پبلیکیشنز، بنگلور)

اسٹیوارٹ نے ١٨٠٨ میں ٹیپو سلطان کے مشرقی کتب خانے کی وضاحتی فہرست مرتب کی ہے اس میں بھی مفرح القلوب کا ذکر ہے نمبر ١٨-١٧۔ اسٹیوارٹ لکھتا ہے کہ حسن علی ٹیپو سلطان کے دربار کا ملک الشعراء تھا (Poet Laureat)

میں نے اس مجلے میں مفرح القلوب کا صرف اردو کلام مکمل طور پر شایع کر دیا ہے جو موضوع کے لحاظ سے بجائے خود مکمل ہے یعنے اس کے سمجھنے کے لئے فارسی کے تشریحی کلام کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے میں نے فارسی کلام جو بہت ہی کم ہے حذف کر دیا ہے۔ مطبوعہ اردو کلام میں زیادہ سے زیادہ آٹھ دس شعر مبہم ہیں ان کی تصحیح اس وقت ممکن نہیں کیونکہ یہی ایک نسخہ پیش نظر ہے انشاءاللہ اس مجلے کی دوسری جلد کی اشاعت تک ان کی اصلاح کے لئے مواد فراہم کر لیا جائے گا ۔

میسور میں اردو سے متعلق عزّت کی شاعری کی سلاست اور روانی قابل غور ہے اور یہ خوبیاں اور بھی اجاگر ہوتی ہیں۔ جب ان کا مقابلہ غوثی چنگل پیٹی کی مثنوی "شہادت جنگ سلطانی" سے جو سترہ سال بعد کی تصنیف ہے کیا جاتا ہے۔

مفرّح القلوب

مرتبہ حسن علی عزت

(صفحہ ۶) از زمانِ حضرت سید عالم و افتخار بنی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تا آوان طلوع نیر اعظم حشمت و اجلال سلطان العادل کہ سنہ [۱۱۹۷] سبع و تسعین و مایہ و الف است از عہدہ رزم آنہا بر نیامدہ مانند غزال از شیر پہلوتہی میکردند ۔ ۔ ۔ ۔ کتابے مبنی بر قوانین طرز تازہ کہ از دیدن نفس نفیس زیرک منشیانِ فرنگ نقد ہوش از دست دادہ انگشت حیرت بدہان گرفتند ترتیب نمودہ مسمّیٰ بفتح المجاہدین فرمودند و ہیچ دقیقۂ از دقایق حرب بحر و بر فرو گذاشت نساختند،

. . . . . چوں حضرت سلطان از تمامی بندوبست امورات مملکت و نظم و نسق جزو کل شہر و کشور و سلطنت فراغ یافتہ قلم تنسیخ بر کہنہ جراید آنشعبدہ باز کشیدہ خواستن [کذا] کہ کتابے در علم موسیقی کہ مشتمل در عیش و عشرت و متضمن نغمات و فنون آن کہ مبنی بر مسرت و بہجت باشد، چنان کہ دین و دنیا و جسم و جان لازم و ملزوم اند، ہمچنان ضرب و حرب را ہر یک با دیگرے حکم جز لاینفک دارد، چون تدابیر حرب در کتاب مذکور قلمے گشتہ باقی تفصیل ضرب بود، بنا علیہ متوجہ این معنی شدہ بطرز تازہ و ترکیب شائستہ و آراستہ و قوانین زیبا و پیراستہ در قید قلم فرمودہ مسمّیٰ بکتاب مفرح القلوب نمودند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و مطابق لون شمس کہ شہنشاہ ثوابت و سیارگان است نام نغمہ ہائے شش گانہ و سی اصول آنہا و دوازدہ ضرب و نشید وغیرہ کہ بتفصیل در نظم ذکر آن خواہد شد، با سامی دلچسپ و فرحت افزا و تصاویر دلکش و سایہ ہائے دلکشا ترتیب فرمودند تا طالبان این فن را حظی و کیفیتی حاصل گردد، و تفصیل این اجمال و تبیین این مقال این کہ چون آفتاب جہانتاب از جیب صبح سر بر آرد رنگش بسیار سفید می باشد، دران وقت کہ نظر بر معدن و دریا کنند الماس و بلور و نقرہ و گوہر و سیماب ارزیز و جملہ لون ہائے سفید تکوین یابد و ہمہ گلہائے سفید رنگ در دامن کوہ و دشت و چمن ہا شگفتہ می گردد، لہذا نام نغمہ را ابیض نہادند و اسم پنج اصولش را کہ وقت سرائیدن آنہا سحر است، سر حرف آنہا را از سین بے نقطہ سحر مقرر فرمودند، چون سلطانی

وسرو بهی وسرو دشتی وسرو نازی وسبزواری وطرز هاے آنها نیز موافق اسامی آنها ترکیب فرموده ووقت چاشت رنگ آفتاب بزردی میگراید واز نظرش پوکراج وبهسنیه وطلا وجمله لون زرد پیدا می گردد، وبدستور گلهاے زرد دران وقت شگفته میشوند، لهذا نام نغمهٔ اصغر نهادند ونام پنج اصولهایش راکه وقت سرائیدن آن چاشت است سرحرف آنهارا از جیم چاشت قرار دادن بدین منوال جان فزائی وجشن شاهانی وجعد مشکی وجادو لحنی وجان دلکشائی وطرز هاے هریک را جداگانه مطابق اسمهایش بآئین دلکش تقرر فرمودند، ووقت نصف النهار که شمس بسمت الراس آید رنگش سرخ می باشد واز نظرش لعل و یاقوت ومرجان وغیره اشیاے سرخ وگلهاے احمر چون لاله وغیره ذلک شگفته میگردد، بنا بر آن نام نغمهٔ احمر نهادند، ونام پنج اصولهایش راکه وقت سرائیدن آنها شمس سمت الراس است، سرحرف هریک را از شین نقطه دار شمس مقرر فرمودند چون شاهنشه پسندی وشاخ گلی وشاهانی وشیرین خصالی وشوخ وشنگی وسایه هاے هریک را موافق اسمهاے آنها مقرر فرمودند، ووقت سه[۳] پاس روز بر آمده که هنگام عصر است دران وقت آفتاب سبز رنگ می باشد واز نظرا و زبرجد وفیروزه وغیره، لون سبز متکون می گردد، لهذا نام نغمه را زبرجد نهادند، واسامیهاے پنج اصولش را، از عین عصر سرحروف آنها مقرر فرمودند، باین عنوان عشق آهنگی وعروسی وعشاق پسندی وعشق افروزی وعشق انگیزی وطرز هاے هریک را مطابق اسماے آنها قرار دادند، ووقت شام که لون آفتاب گلابی رنگ می باشد واز نظرش لعل بدخشانی گلابی رنگ وجمله رنگ هاے گلابی متکون میگردند، وگلهاے گلابی رنگ چون وَرْد وغیرها شگفته می شوند، لهذا نام نغمه وَرْد نهادند وپنج اصولاتش راکه وقت سرائیدن آنها مغرب است میم مغرب را سرحروف اسامی آنها نمودند، باین طریق مهرافزائی ماه نوی ومهر آهنگی ومهر انگیزی ومحفل افروزی وطرز هاے هریک را مطابق نامهایش مقرر فرمودند ووقت دو پاس شب گذشته که رنگ خورشید اگرچه از چشم عالم نهان است اما لون کبودی دارد واز نظرش نیلم پیدا می شود وگلهاے کبود رنگ چون نافرمان وغیره شگفته میگردانند، لهذا نام نغمه عباسی نهادند، وپنج اصولهاے اوراچون وقت سرائیدن آنها نصف شب است، سرحرف آنها از نون نصف شب قرار دادند بدین عنوان نقش گلے ونقش جهانی ونوربی ونقش عاشقی ونقش دلی وطرز هاے هریک را۔

موافق اسمهایش ترتیب فرمودند، وهمین عنوان دوازده نام دوازده ضرب که در نشست شش باشد ودر رقص شش بود مقرر فرمودند .... که این مجموعه شگرف مشتمل است بر یک مقدمه وشش باب ویک خاتمه - رب یسّر وتمّم بالخیر -

(صفحه ۱۰ ب) حسن علی المتخلص به عزت .... صفحه ۱۱ ب مقدمه در ذکر صدای ثریا وآواز گردش زنگوله وآواز زنگوله وصدای کرکرہ که بهندی الاپ میگویند ونشید بر دو وزن درنظم آورده شد واما صدای مرونگ که در عبارت بدین نسق است شادی کون ای شه درنظم فعولن فعولن فعولن فعول بدین عنوان بالفاظ دیگر (ص ۱۲) برای ثبوت وزن ترکیب نموده گفته شد فرد ثریا کند این صدا بهر بار ؛ تویی شادی کون ای شه کامگار

وآواز گردش زنگوله که بعبارت گران گنجی شاهنشاهی گلناری شه باشد درنظم بروزن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل باین منوال الفاظ دیگر برای وزن ترکیب کرده گفته شد رباعی

بهر گردش کند زنگوله آواز گران گنجی بشاهنشاهی ممتاز
برخ گلناری وخورسندی ای شه کشد هر لحظه این آواز را ساز

وآواز زنگوله که بعبارت مه هستی محفل طره سروری یکجهان را باشد درنظم بروزن مذکوره بدین طریق مرکب ازالفاظ ذکر جهت ثبوت وزن نموده گفته شد رباعی

کشد زنگوله این آواز خوش تر تو مه هستی به محفل طره برسر
که بیشک سروری تو یکجهان را که ازتو یافت زینت تخت وافسر

وصدای کرکره که عبارت ازالاپ که اسم هندیست در نثر شاهاگل رو ودرنظم بروزن مذکوره بالفاظ دیگر ترتیب یافته جهت ثبوت وزن بدین طریق است فرد

چو خواهی کرکر آواز یارا بگو شاها دگل روکش صدارا

ریختهٔ اوّل در ذکر طرز سلطانی

طرزهای پنج اصول ونغمه مرقومه صدر در پنج ریختهٔ هندی ویک رباعی هندی بدین عنوان است

گکھر خاں کرتا ہوں سلطانی کا اب تمسوں بیاں ہے عجب کچھ طرز اس کا طرفہ تر ہے داستاں

خوش شکل اور خوبرو بھو تیج نازک گلبدن ‌ ‌ مہ لقا یک زن اچھے غنچہ دہن خندہ لباں
کار بر میں وہ لباس کارچوبی سفید ‌ ‌ زیور الماس و گوہر پین ہو غمزہ زناں
تخت استادہ ہو پر گاتے دسے وہ شکل خوب ‌ ‌ دست چپ کو رک کمر پر ناز سو جوں مہوشاں
بھی ادا بتلادے سیدے ہاتھ سوں او ماہ رو ‌ ‌ رو برو اس کے رہے فوارہ اوڑتا ہر زماں
پانچ گل رو دوسرے سنگار و آرائش کوں کر ‌ ‌ دستہ بستہ بھی کھڑے رہیں گرد مہ جوں اختراں

در تحفۂ دوم در ذکر طرز سرو سہی

مطربا سرو سہی پیش طلوع آفتاب ‌ ‌ وقت اس کے ہے غنا کا لے توں اب چنگ و رباب
طرز اس کا تجھسے اب کہتا ہوں سن اے ماہ رو ‌ ‌ نسخۂ دیوان دانش سے کئے یوں انتخاب
یک زن خوش شکل سرو راست قامت گلجبین ‌ ‌ سرو جس کے دیکھتے گل کر ہوئے شرمو سوں آب
پھر لباس کارچوبی پین وہ صاف و سفید ‌ ‌ زیور الماس و گوہر سوں ہوں رشک ماہتاب
کئی قسم کے اور جواہر سوں مکلل تن کوں کر ‌ ‌ ہو درخت سرو کے نیچو ستادہ بے حجاب
لے کے سیدے ہات میں اپنے ستار او مہر رو ‌ ‌ دست چپ سوں وہ ادا بتلادے ہو کر بے نقاب
اور گاوے کئی طرح سے ناز اور غمزے کوں کر ‌ ‌ مست بلبل قمریاں بھی سن ہویں بے آب و تاب
مثل بسمل ہو طپاں کوئی ہو زمیں اوپر گرے ‌ ‌ کوئی درختاں پر رہے مدہوش جوں مست شراب

در تحفۂ سیوم در ذکر طرز سروشی

طرز ہیگا یہ سروشی کا عجب کچھ دلکشا ‌ ‌ سن توں مجھسوں کان دھر کر شوق سوں اے دلربا
خوب صورت ایک ناری حور جنت کے مثال ‌ ‌ وہ مکلل گوہر و الماس سوں وہ خوش لقا
بھی سفید اپنے بدن پر کارچوبی کا لباس ‌ ‌ پین کر کے ناز سے جوں نازنین پر جفا
دست میں لے بین اپنے کے اداسوں ماہ رو ‌ ‌ شکل گانے اور بجانے کے کھڑے جوں توں بنا
جس کے دیکھے ہوش سوں بیہوش ہویں اہل خرد ‌ ‌ گر فلاطون زماں ہووے گرے مخمور سا
سر پو اس کے مور و طیراں اچھیں بشاش ہو ‌ ‌ شکل ان کی بھی رہے گانے کی اور طرز نوا

نرؔ ودؔ آہو مست ہو کر بادہ نوشاں کی طرح — سر کو اس تصویر میں رک پاؤں پر حیرت میں آ
چھوڑ وحشت یک کھڑے رہے دنگ ہو آئینہ سال — یک نے معجر کا کنارا لے وہاں میں کھینچتا
روبرو اس کے کھڑے رہیں وجد میں آ شوق سوں — ..... عاجز ہوا ..... بہی یہاں طبع رسا [کذا]

وریختہ چہارم در ذکرِ طرزِ سرونازی

سروِ نازی کا سمایا کیا کہوں اے گلبدن — یک زن خوش شکل ہو کر راست قامت سیم تن
پہن کر وہ بھی لباس کار چوبی سفید — زیورِ الماس و گوہر لالہ رو غنچہ دہن
سر پہ یک لک پہن کر نازو ادا سے باغ میں — سرو کے نیچو کھڑے ہو جا کے وہ گل پیرہن
دستِ چپ سوں شاخ کو اس کے پکڑ وہ گلجبیں — رشک سوں مرجھائے اس کے یاسمین و یاسمن
پھر ادا بتلاوے وہ کئی کئی طرح کے ناز سے — سید ہے اپنے ہاتھ سے رعنا عیاں وہ من ہرن
شکل گانے کی بناوے کئی وضع سوں ماہ رو — ہو سراپا چشم حیرت مثل نرگس سب چمن
مے سے اس کے عشق کے بدمست اور سرشار ہو — جوں نسیم صبح سوں جھلتے ہیں نسرین نسترن

ریختہ پنجم در ذکر طرز سبزواری

سبزواری کے بیاں میں ہے مرا طرز کلام — ذکر اس کے اب سمائے کا میرے سوں سن تمام
سبز رنگ یک زن لباس کار چوبی سفید — پہن کر اپنے بدن میں ماہ روئے خوش خرام
زیورِ الماس و گوہر کوں سراپا پہن کر — جا چمن میں وہ کھڑی ہوئے چھوڑ زلف مشک فام
سبزہ و ریحان و گلہائے شگفتہ جابجا — جلوہ گر چارو طرف اس شکل کے ہو وی مدام
ساز سارنگی کوں لے یک دست میں وہ ماہ رو — شکل گانے کا بنا اور باجنے کا سب تمام
یوں کھڑے رہے ناز سے بستاں میں وہ خورشید رو — توسن گردوں بھی اسکوں دیکھ کر ہو جائے رام
ختم کر مطرب اتا توں نغمۂ ابیض کا ذکر — راز یہ سب خلق پر تجسے ہوا روشن تمام

ریختہ اوّل در طرز جاں فزائی بر ہماں وزن مرقومہ صدر

اصولِ جانفزائی کا یہ ہے طرز عجب جاناں   کہ جس کے دیکھنے سے چشم روشن دل ہوئے شاداں
زنِ خوش رُو و نازک تن لباس کارچوبی زرد   بدن میں پہن کر اپنے اچھے زہرا اوپر نازاں
بھی اپنے تن پو زیور ہو کراج ولہنیہ سے کمر   گلاں جاں زر دبھو لے ہوئیں دہاں جادہ مہ تاباں
چمن میں فرش زریں کمر درخت گل کے سائے میں   ادا و ناز سے بیٹھے کہ جوں خورشید ہو رخشاں
لے اپنے ہات میں وہ بین گانے کی بنا کر شکل   بھی کیتے مار گردا گرد اس کے ہو رہیں قرباں
کھڑے رہ کر کیتنے مستی میں آ ہوتے ہیں رقصاں وہ   کیتے بے ہوش ہو پڑتے زمیں پر بے حس و بے جاں

ریختہ دوم در ذکر طرزِ جشن شاہانی

اصول جشنِ شاہانی سوں کیا عشرت کا ساماں ہے   بنجھا کر طرز کوں جس کے فلک پر زہرا رقصاں ہے
زنِ خوش رو لباس زرد رنگت کارچوبی کوں   بدن پر پہن کر جوں آسماں پر ماہِ تاباں ہے
مکلل سر سوں پگ لگ ہو کراج ولہنیہ سوں ہو   او بیٹھے تخت زرّیں پر کہ جوں خورشید رخشاں ہے
بنا کر شکل گانے کی ادا و ناز سوں ہردم   زناں خوش شکل دوسرے بطور گل کے خنداں ہے
بھی مجلس کر کو بیٹھیں روبرو اس ماہ رو کے سب   ہر یک لے ہات میں اپنے ستار و بین شاداں ہے
بھی اسباب طرب کئے قسم کا لے خوبرویاں سب   بنا کر شکل گانے کی ادا پہ اپنے نازاں ہے
طبق پھولوں کے اس کے تخت کے آگے دھرے رہیں خوش   گلاب پاش و عطرداں اور سب عشرت کا ساماں ہے
کیتے فوّارے اڑتے روبرو اس کے رہیں ہردم   بدق اور کئے جناور تیرتے حوضوں میں فرحاں ہے

ریختہ سیوم در ذکر طرز جعد مشکی

اصول جعد مشکی کا عجب کچھ طرز ہے خوشتر   کہ یک زن خوب صورت سرو قامت نازک و لوبر
لباس کارچوبی زرد رنگ بھی پہن کر تن میں   جواہر ہو کراج ولہنیہ سوں وہ مہ انور
مکلل ہو کو بیٹھے فرش زرّیں پر وہ سیمیں تن   دو زلف و جعد مشکیں کو زمیں پر چھوڑ کر یکسر

اچھے سنبل کے مانند پیچ و تاب ہر تار ہیں اس کے — کمند و دام ہے ہر حلقہ اس کا جان عاشق پر
بھی دست چپ پو اپنے ادبھا نورہ کئیں گلدو — ادا و ناز سوں اور زلف سیدے ہات ہیں لیکہ
بنا کر شکل گانے کی کہ جس کے دیکھتے زہرا — سٹے خجالت ستی اپنا طنبورہ پارہ پارہ کر
گلاب پاش و عطرداں روبرو اس کے دھر رہوے — کہ جس کے رنگ سیتی رنگینی لیوے مہ انور

ریختۂ چہارم در ذکر طرز جادو لحنی

میں طرز جادو لحنی کوں بیاں کرتا ہوں اے دلبر — اگر ہے شوق تجکوں سن تو مجھوں کان کوں دھر کر
لباس کارچوبی زرد رنگ خورشید چہرہ وہ — بھی زیور پو کراج و لہسنیہ کا ہین کمر تن پر
او بیٹھے تخت زریں پر بنا کر شکل گانے کی — ستار وہ ہات میں لے کر بجاتے جوں کہ خنیاگر
بھی کیتے مرد و زن خوش شکل گرد و پیش سب اس کے — گرہیں مدہوش ہو جوں بادہ نوشاں کی طرح بکھیر
رہیں مستی سوں نرگس سا سراپا چشم حیرت ہو — اچھے کوئی عشق کے آتش ستے سیماب سا مضطر

ریختۂ پنجم در ذکر طرز جناں دلکشائے

جنان دلکشائی کا عجب کچھ طرز ہے زیبا — نہ لکھنے میں مرے آتا ہے نا کہنے کا ہے یارا
ہر یک زن خوب صورت ہین کر ناز و ادا سیتی — لباس زرد رنگ اپنے بدن پر کارچوبی کا
جواہر پو کراج و لہسنیا کا ہین وہ دلبر — وہ نیچے جھاڑ کے بیٹھے بچھا کر مسند دیبا
لے مارنگی کوں اپنے ہات میں وہ باجنے گلدر — بنا ویے شکل گانے کی فلک پر جوں کہ ہے زہرا
کہتے اور مرد و زن بھی گرد و پیش اس ماہ رو کے سب — چمن میں بیٹھے شاداں اور خنداں جوں گل رعنا

ریختۂ اول در ذکر طرز شاہنشہ پسندی

یہ شاہنشہ پسندی تجھوں یارا — بیاں کرتا ہوں اس کا طرز زیبا
کہ یک زن خوب صورت سرو قامت — لباس کارچوبی سرخ و زیبا
جواہر لعل اور یاقوت کا ہین — وہ بیٹھے تخت پر یاقوت کی جا

بھی اس کے سر پو سایہ جھاڑ کا ہو　　گلاں جس تاب رخ سوں جاوے مرجھا
دو زن دسرے بناکر شکل رقاص　　کھڑے رہیں رقص کرنے روبرو آ
کنیزاں سرخ کسوت پہن کر چار　　لے ہاتو ہیچ ساز ہین نیارا
بناکر شکل گانے کی کھڑے رہیں　　ادا و ناز سے ہور شک زہرا
طبق پھولاں کا بھر کر اور عطرداں　　گلاب پاش سامنے اس کے رکھے لا

ریختۂ دوئیم در ذکر طرز شاخ گلی

کہوں شاخ گلی اے گل عذاراں　　ہے اس کا طرز بھی بس راحت جاں
زنی خوش شکل و نازک تن گل اندام　　اچھے شمشاد جس قامت پو قرباں
لباس سرخ رنگ کارچوبی　　بھی زیور لعل اور یاقوت و مرجاں
سراپا پہن کر ناز و ادا سوں　　درخت ورد کے نیچے ہو شاداں
بچھاکر فرش زریں اس پو بیٹھے　　بشاشت سات وہ سرو خراماں
دسرے رہیں روبرو وے فرش اس کے　　بھی گلدستو سیں بھر کر سب چنگریاں
لے دست چپ میں اپنے وہ گل سرخ　　بھی سیدھے ہات سوں وہ ماہتاباں
ادا بتلادے گانے کی بناشکل　　کہ جس کے تاب رخ سوں سب خیاباں
اخذ کر نور کوں اس مہر رو سے　　ہووے ماہتاب کے مانند رخشاں

ریختۂ سوم در ذکر طرز شاہانے

ہے شاہانی کا نادر یہ تماشا　　بھی اس کا طرز ہے بھوتیچ نیارا
زنے خوش رو بقامت سرو شمشاد　　لباس کارچوبی سرخ و زیبا
بھی زیور لعل اور یاقوت کا پہن　　بچھاکر چار نیچے فرش دیبا
وہ بیٹھے مسند زریں پو خورسند　　ستارہ یک ہات میں لے مثل زہرا
گلاباں سوں بھر کے طبقاں سامنے رک　　بنا گانے کی اپنی شکل رعنا

کتے زن مست اور مدہوش ہو کر بگر دو پیش اس کے وجد میں آ
پڑے رہویں تڑپتے مثل بسمل بھی فوارے رہیں اڑتے ہر یک جا

ریختہ چہارم در ذکر شیریں خصالی

اتا شیریں خصالی کو اے جاناں کہ اس کے ذکر کو کرتا ہوں تبیاں
ہر یک زن سرو قامت گندمی رنگ اچھی صورت میں رشک ماہ تاباں
لباس سرخ رنگِ کار چوبی جواہر لعل اور یاقوت و مرجاں
سراپا پہن کر وہ نازنیں تن دسے جوں چرخ پر خورشید رخشاں
بچھا کر فرش زریں چار نیچے بھی سارنگی کوں وہ سرو خراماں
لے اپنے ہاتھ میں بیٹھے ادا سوں بنا کر شکل گانے کی ہوشاداں
وحوش دشت ہو کر مست و سرشار گریں بھویں پر مثال بادہ نوشاں
کتے ہو جھاڑ پر سے طیر بے ہوش پڑے رہیں اس کے آگے جوں کہ بیجاں
شکر اس جھاڑ سے ریزش کرے بھی جمع اس پر اچھے یک لخت موراں

ریختہ پنجم در ذکر طرز شوخ و شنگی

میں طرز شوخ و شنگی کوں اے دلبر بیاں کرتا ہوں سن توں کان کوں دھر
زنے رعنا رخ و شمشاد قامت لباس کار چوبی سرخ و خوشتر
جواہر لعل اور یاقوت کا پہن مکلل سر سوں پگ لگ ہو کے یکسر
چکوترہ کے وہ نیچے جھاڑ کے جا بچھا کر فرش زریں خوب و بہتر
لے اپنے ہاتھ میں اس کا ثمر یک کہ جس کا رنگ اچھے جوں لعل احمر
بھی دسرے ہات سوں اپنے ادا کوں بتاوے ناز سوں وہ مہر انور
بھی گانے کی بنا کر شکل بیٹھے ادا و ناز سوں وہ ماہ پیکر
ثمر اس جھاڑ پر افراط سوں رہیں لٹکتے تا لب فرش اس کے آ کر

کتے اقسام کے اور جانور بھی — اچھے طیراں پروسوں جوڑ کر پر

ریختہ اوّل در ذکر طرز عشق آہنگی

ہے اب عشق آہنگی کا یہ بیاں — سنو گلرخاں مجھ ستی داستاں
زنے خوش شکل ہین کسوت کو سبز — جواہر زمرد کا جوں ہوشاں
اپس تن اپر کر کے خوشنہات سون — زمرد کے وہ تخت پر جانِ جاں
کھڑے رہ کے لے ہات ہیں بین کوں — بنا شکل گانے کی جوں مطرباں
ہو سرمست و مدہوش وحش و طیور — رہیں گرد و پیش اس کے یکسر طپاں

ریختہ دوم در ذکر طرز عروسی

یہ طرز عروسی کا کیا ہیں اتا — کہوں تجسوں اے گلجبیں مہ لقا
زنے خوش شکل سبز کسوت کو پہن — زمرد کے زیور سوں وہ دل ربا
مکلل سراپا اپس تن کوں کر — درخت سرد کے انے نیچے جا
کھڑے رہ کے رخ پر و معجر کو کھیچ — جو عاروس سرکوں بھی اپنے نوا
بھی زن چار کسوت ہرے پہن کر — کھڑے ہور ہیں روبرو اس کے آ
بھی یک زن زنخداں کے دیے نیچے ہات — اٹھاوے سر اس کا نجھانے لقا
کہ جیسا عروسا کا منہ دیکھنے — زنخداں نیچے ہات دے دلربا
سران کا اٹھا دیکھے رخ اُنکے تیں — اسی طرح سوں شکل اس کا بنا
چمن اور خیابان و نہر رواں — اچھے پیش و پس روبرو جابجا

ریختہ سیوم در ذکر طرز عشاق پسندی

ہے عشاق پسندی کا نادر بیاں — زن خوش لقا قد ہیں سرو رواں
بھی کر سبز پوشاک تن کے ابر — زمرد کے زیور سوں وہ جانِ جاں

رباعی طرز زمرد زبرجد :-
۱ زبرجد کے نغمے کا لے وقت بارہ ۱۲ بجے وقت عصر رنگ سبز خوش تیبر
۲ کر بجے طرز اس کا بہت دلکشا ہے ۱۲ اسی شکل پر طرز اس کا ہوا

مکلل سراپا کر اپنے کے تئیں، کنارے پو جا نہر کے شادماں
کھڑے رہے بنا شکل گانے کی سب بہی طوتی پراں جوڑ اور طایراں
اڑیں سر پو اسکے بہوت شوق سوں جو معشوق پر ہویں فدا عاشقاں
پھنا کھول کے مار بھی تین چار رہیں روبرو اس کے جوں بیدلاں
کھڑے رہیں نپٹ مست و مدہوش ہو کف اپنے دہاں نیچ لا ہر زماں

ریختہ چہارم در ذکر طرز عشق افروزی

یہی طرز ہے عشق افروزی کا کہ کہتا ہوں سن مجسوں اے دلربا
زن خوش شکل کسوتِ سبز پین زمرد کے زیور سوں وہ خوش ادا
دسے مثل حور و قصور و پری ستار ہات میں لے چمن نیچ جا
کھڑی رہ بنا اپنی گانے کی شکل ادا سات وہ گلجبیں مہ لقا
کیتے مرد خوش شکل وا آہوے نر گریں چل کے رہو نیم جاں جابجا
کتے مست و حیران و نگر دل اچھیں بھی یک سانپ کہ نیچ پر نیچ کھا
من اس کے دہاں میں رہے تابناک زباں سوں زبانہ اٹھے آگ کا
بھی اس شکل کوں دیکھ کر جھومتے کھڑے رہے وہ پھن کھول مستی میں آ

ریختہ پنجم در ذکر طرز عشق انگیزی

بھی سن عشق انگیزی اے سیم بر کہ ہے طرز اس کا بہوت خوبتر
زنے ماہ طلعت گل اندام ایک بھی پوشاک کر سبز تن کے اپر
زمرد کے زیور سوں کر سب سنگار کھڑے رہ چمن میں بطور قمر
بنا شکل گانے کی سارنگی لے اپس ہات میں ناز و غمزے کوں لے کر
بجاتے کھڑے رہ ادا سات وہ ہرن کے بھی منہ سے جس آواز پر
جمع گرد و پیش اس کے ہو جابجا کھڑے رہیں تن و جاں سوں ہو بے خبر

بھی سب چھوڑ وحشت کو حیرت میں آ | اسے دیکھتے رہیں اپس کوں بسر

ریختہ اوّل در ذکر طرز مہرافروزی

مہرافزائی اچھے یک زن خوش شکل و ادا | اور گلابی رہے کسوت بتکلّف زیبا
بھی چمن میں رہیں یک لخت گلاں ستارِ گلاب | ہین کر لعل و جواہر و چمن میں بھی جا
ہاتھ میں اپنے لے سارنگی کھڑی گاتی رہے | گرد عورات کھڑیاں اس کے کتے ہو کے فدا
ان کے ہاتھوں میں کیے طریوں ہیں گلاں ہوویں گلاب | کیتے طایر بھی پروں سیتی چستر باندھ جدا
سر پو اس زن کے رہیں اڈتے خوشی ہو سب مل | چتر شاہیکا کریں رشک بھی یہ سطح ہوا

ریختہ دویم در ذکر طرز ماہ نوی

ذکر یہ ماہ نوی کا کہوں اے ماہ رخاں | زن خوش شکل اچھے یک کہ جدائی میں جواں
زیور لعل بدخشاں بھی گلابی کسوت | ہین کر اپنی ملاحت پہ اچھے وہ نازاں
دستِ چپ میں مہ نو کا لیوے گوشہ بھی وہ | ہات سیدھے سے کھڑے رہ کے تصدق ہوتاں
ماہ ذیچ کھڑے گاتی رہیں وہ شمس جبیں | واقعی بھی سو جو حالت یہ کیا ہوں میں بیاں

ریختہ سیوم در ذکر طرز مہر آہنگی

مہر آہنگی زن خوب بشکل ندرت | زیور لعل و جواہر بھی گلابی کسوت
ہین بر میں لیوے پھر ہات ستار اپنے وہ | گاتی رہوے بھی چمن میں بکمال عشرت
جس کے گانے سے وحوش اور طیور ہو کر مست | گرد اس کے بھی چمن میں پھریں ٹک کر وحشت

ریختہ چہارم در ذکر طرز مہر انگیزی

مہر انگیزی اچھے یک زن خوش شکل خرام | زیور لعل و جواہر بھی اچھے تن پہ تمام
ہین کر تن میں وہ اپنے بھی گلابی کسوت | رشک گلشن ہوی بھی حسن میں وہ خوش فرجام

جا کھڑے رہے نیچے یک جھاڑ کے ہے نخل انار — شاخ اس کی بھی لیوے ہاتھ میں سیدے وہ مدام
لے او ہر بات میں اپنے بھی ثمر اور گلاں — ڈاویں پاؤں کو اٹھا صبح سے گاوے تا شام
مست و مدہوش پڑیں اس کے کتے ز روزناں — مرغ جا بکا کھو گانے کے تیئں اسکے ہے دام

ریختۂ پنجم در ذکر طرز محفل افروزی

محفل افروزی اچھے یک زن خوش شکل و شعار — بھی گلابی رہے کسوت بتکلف بہ بہار
پین کر لعل بدخشاں بھی جواہر تن پر — بین لے ہاتھ میں گاتی کھڑی رہے پیل و نہار
کیتے خوش شکل زناں پین بتکلف کا لباس — گرد اس کے کریں محفل سا بھی سب اپنے قطار
پھرتے رہیں سارے چمن میں لے کے ہاتھوں میں ساز — جوں ہمیشہ یہ فلک پر رہے زہرہ سیّار

ریختۂ اوّل در ذکر طرز نقش کلی

نقش کلی اے دلبر کیتا ہوں طرز اس کا — خوش شکل و سرخ رنگ بھی یک زن اچھے دل آرا
عباسی رنگ کسوت نیلم کی پین بستاں — موتیوں کا اور زیور کر تن پو اپنے نیارا
لے کر جیتار ہاتھوں بیٹھے وہ چاندنی میں — باجے بھی کے طرح سوں وہ رشک ماہ و زہرا
رقاص دو زناں بھی آرو برو کھڑے رہیں — کئے ناز اور اداسوں کرنے کوں رقص زیبا
کیتے زناں بھی دسرے ہاتو کوں بند ادب سے — اس پاس آ کھڑے رہیں جوں مہر آشکارا

ریختۂ دوم در ذکر طرز نقش جہانی

نقش جہانی جانا سن اس کا مجھ سوں بنیاں — خوش شکل زن اچھے یک جیوں آفتاب رخشاں
موتیوں کا پین زیور عباسی تن میں جوڑا — مسند پہ چاندنی میں بیٹھے وہ ماہِ تاباں
زلفو کوں لے کے دونوں ہاتوں کے انگلیاں سے — ہردم وہ پیچ دیوے ناز و ادا سوں شاداں
گانے کی شکل اپنی انے بنا کے زیبا — گر اسکوں دیکھے زہرہ ہووے فلک پو رقصاں
کتے زناں خوش رو انگلیاں کو دے دہاں میں — آرو برو بھی اس کے کھو عقل جوں کہ مستاں

دیوار کے اپر سب حسرت سے کر کے تکیہ — بیٹھیں اچھے انو بھی تصویر جوں ہے بیجاں
سا پاں بھی کھول پھن کوں آر و بر کھڑے ہیں — ان کی زباں سے آتش ہر لحظہ شعلہ افشاں
مستی سے سب سرک ہو لاکلف کے تیئں ہاں ہیں — اس رخ کوں دیکھ ہر دم شادی سے ہوی رقصاں

ریختہ سیوم در ذکر طرزِ نورسی

کہتا ہوں طرز تجسے اب نورسی کا دل بر — کم عمر زن اچھے یک صورت میں مہ سے بہتر
عباسی تن میں جورا موتیو کی پہن بستاں — لے ہات نیج اپنے وہ ساز پہن خوشتر
تخت مرصّع اوپر جا چاندنی میں بیٹھے — گانے کی شکل کر کر وہ رشکِ مہر انور
حوراں چہار سر پر اس کے رہے بھی طیراں — جوں شمع پر پتنگاں اڑتے ہیں شوق دہر کر
وہ بھی بنا کے اپنی گانے کی شکل دلکش، — گلرُخ کو دیکھ اس کے بلبل سا مست ہو کر

ریختہ چہارم در ذکر طرزِ نقش عاشقی

بھی نقش عاشقی کوں کہتا ہوں تجسوں جاناں — سن مجسوں کان دھر کر نادر ہے اس کا تبیاں
خوش نگہ و ماہ طلعت یک زن اچھے دل آرا — جس قد کو دیکھ ہر دم شمشاد ہوئیں قرباں
عباسی پہن کسوت موتیو کا اور زیور — مسند پو چاندنی میں جا کر وہ ماہِ تاباں
گانے کی بھی بنا شکل ناز و ادا سوں بیٹھے — کیتے زناں بھی دسرے کھو عقل جوں کہ مستاں
آرو برو بھی اس کے انگشت لے دہاں میں — حیرت سے دنگ بیٹھیں تصویر سا ہو بیجاں
کیتوں نے لے کے نارنج ہاتھوں میں مست ہو کر — ڈالیں زمیں کے اوپر سارے وہ مہ جبیناں

ریختہ پنجم در ذکر طرزِ نقش دلی

نقش دلی اے دلبر سن مجسوں کاں کوں دھر کر — خوش رو و ماہ پیکر یک زن اچھی ہے خوشتر
عبّاسی پہن کسوت موتیوں کے اور بستاں — سارنگی ہات لے کر کئے نازسوں و دلبر
مسند بچھا کے زریں وہ چاندنی میں بیٹھے، — گانے کی شکل کر کر زہرہ ہے جوں فلک پر

کیتے زناں بھی دسرے سرمست ہو و مدہوش — اگر دو پیش اس کے غلطاں ہویں بھویں پہ پھیر
کیتو نے پھاڑ کسوت بسمل سا ہو طپیاں بھی — کیتو نے عقل کھو کر بیٹھے رہیں ہوشمند

وریختہ ہائے ہندی

سروش آ کے درگوش پر دیا دستک — کہا بھی دلکوں تجھے کچ خبر ہے اے زیرک
طلوع ہے اوج شرف سات انجم سلطاں — رکاب بیچ ہے مریخ جس کے کرنے کمک
کیت بھی فتح کے گاتی ہے ہات لے زہرا — منجیرہ ماہ مہر کا بجاوی اور فسر تک
اگر تجھے نہیں باور تو سر اٹھا ٹک دیکھ — ترے بھی نور البصر کو ہے چرخ کی عینک
دیکھا سو دل نے کہا تب یہ سارے عالم کا — بہار غنچۂ امید ابیچہ تھا بیشک،
مقابلے میں ہیں سلطاں کے گرد سب گردان — جب اپنے گھوڑے کی ان پر کرے تو ایک جھبک
رہے بھی ظل خدا سر پو تجہ سدا عزت — ہمیشہ دشمن او باد دست در ایک

ایضاً

قبائے زرشۂ خاور بدن پو ساز کیا — کہ عزم طوف در شاہ دلنواز کیا
کہ جس کی دیکھ شجاعت کو روز روشن میں — سپاہ فلک انہ بس کہ احتراز کیا
جو دیک دست سخاوت کی جیکے نیسانی — کہ دشت و بحر نے دامن کیتیں دراز کیا
کہ جس کو دیکھ کے گہوارۂ زمانہ میں — خوشی سے پیر فلک کی طرح سے ناز کیا
رواج دیں ہے یہاں تیں تمیں زمانہ میں — کہ مسجدوں میں فرنگی بھی آ نماز کیا
تمارے قد کی صفت کیا کروں شہنشۂ حسن — خدا نے تموں جوانوں میں سرفراز کیا
چہ علم دیکھ تمیں متفق ہیں اہل جہاں — یہ بات پر کہ خدا تمکوں اہل راز کیا
خلیق ایسے کہ جب چاہئے کہ بات کریں — گویا کہ شیشۂ عطر و گلاب باز کیا

ایضاً

باغی کو تمیں کوچ کا تب پہنچے جو پکارا
تب پیچھے چلا آوے جوں لشکر کا دو ہلارا

غصے ستی شمشیر علم کر کے چلے جب
عالم کے انکھوں میں پڑے دہشت سے اندھارا

جوں نائی نفیری کرے ہیبت ستی افغاں
جب گوش زد خصم ہوئے نا یک نقارا

گلدستہ ہے ہر دستہ سواروں کا تمہارے
ہے گلشن شوکت کا عجب رنگ و ہرالا

انصاف پسند فیض رساں دین کے سلطاں
عالم کے زباں زد ہے تمیں لطف و مدرا

ایضاً

یہ گلبن قامت پہ ہے بلبل کے پکارے
یہ مستی چشموں پہ ہے نرگس کے نظارے

تم حسن پہ عاشق ہو کے یہ لولی زہرہ
جھریوں میں سے افلاک کے کرتے ہیں جھنکارے

دشمن تمیں گلشن میں اگر سیر کو جاوے
سبزہ تمیں کھینچے ہے لے پہو کے کٹارے

تم اسپ کے سم کا بھی دسے نعل مہ نو
گھوڑا جو سواری میں تمیں جب کے طرارے

پھر کا ہیکو پہنچاوے صبا بوے گلاں کے
جاں پونچیں تمہیں خلق کے پھولوں کے مہکارے

دہشت سے تمیں گر پڑے دشمن بھی زمیں پر
جب لفظ خبردار تمیں للکار پکارے

تم خون سے سٹ تیغ و نشاں سارے مرٹھے
گھوڑوں کے سیسی پہ رہیں لیکے کھرارے

تم ضرب سے تلوار کے ہو جائے گلستاں
زخماں ہو گلاں سرو دسیں لھو کے فوارے

اے مہر جبیں فرق ہمایوں پہ تمارے
جھمنسر ہو فلک وارے پند کر کے نقارے

سلطان دکن ہیبت شمشیر سے تمہاری
بزدل ہو عدو باجیں تمیں جب کہ نقارے

ایضاً

مجلس سلطان کا دیکھئے کیا دبدبہ
سرد ہو خورشید نے اوج فلک سیں ڈھلیا

تو جو ہر خوش ہوا ناز سیں زہراب کہے
تین پہر بج گئے وقت ز برجد ہوا

جامہ عباسی پہن فرش پو زر شم کے
دین کا سلطاں دسے نیلم و مسند طلا

اودھے لباسوں کی پیچ بن بنے سب نازنیں
گل کا بنفشہ کے جوں باغ میں تختہ پھولا

زلف کے سنبل کو چھوڑ ہین کے اودا لباس — ناز میں رقاص ہیں بہتی ہے ابری ہوا
خوشۂ انگور کے شاخ کوں مینا بنا — ہات گلابی لیا لالۂ گلگوں قبا
قدرت سلطان دیس دیکھنے عزت تو آج — چار و طرف ایک رنگ باد کیا اودا بہا

ایضاً

وقت یہ ہے سہ پہر دیکھنے درگاہ شہ — شمس کے تابش سے ہے ریزۂ ذرہ گرد رہ
بدر منور ہر یک یہ تمیں محبوب ہیں — رشک ستی جن کے ہے چھائیں بھری شکل مہ
حسن یہ ہے سحر کر سارے ہے محجوب کا — جو نگہ دیکھے اوسے چشمکے بھولے ہے رہ
گوہر دل کو تمیں رشتہ ہے ہر تار زلف — اس کی حفاظت لیئے زلف دے ہے گرہ
تمیں عجب تاب حسن گیندی لباسو نمیں ہے — رشک سے جس شمس ہے دیدۂ حیرت زدہ
تاب تمیں حسن کا یہاں تیں رکھتا اثر — شمس نے جل جاوے گر تمکوں دیکھے بھر نگہ
عزت اگر دیکھنے تیغ علم شہ کرے — خوف سے مریخ بھی تاروں کی پہنے زرہ

ایضاً

کیا کروں توصیف میں یہ تمیں اقبال کے — شاہوں کے کھاندھے چڑے اب تمیں یہ نالکے
گھوڑے پہ جب آنے کا حکم ہوئے وقت جنگ — خوف سے رستم کے اور سد نہ رہے زال کے
جب کہ چمن جاوے تم بلٹ لیوے خدمتاں — بقچہ کے غنچہ لیوے گل لیوے رومال کے
صدقے ہو پرداز گل جائیے بخیہ پو تجہ — گل کے نزاکت فدا ہووے تمیں شال کے
شیریں بیاں سن تمیں طوطی قفس میں رہے — وار گئے راج ہس خوش تمیں یہ چال کے
وصف کوں سلطان کی توں جو لکھا عزتا — چل گئی تعریف سب جگ میں تری قال کے

رباعی ہندی

سلطانے پہ تمیں تھا زبس حکم اللہ — تب تمکوں ہر یک جنگ میں عطای نصراللہ

اس پر بھی مقابل جو کوئی ہو تجہ ستی ہٹ جائے — لاحول و لا قوۃ الا باللہ

رباعی ہندی

ہے مرے سلطان کی روشن تیغ غرب و شرق پر — جس کے نعرے کی ہے دہشت رعد پر او برق پر
دل دو پارہ ہووے دشمن سنتے ہی جب اس کا نام — سین سلطان ارہ ہے بیشک عدو کے فرق پر

رباعی ہندی

یہ تمیں شوخی رنگ سے لالہ دل افگار ہے — اور گل جو تجہ کوں دیکھے سو گلے کا ہار ہے
گلرخاں کہتے ہیں تمکوں مت چڑا ابرو کوں دیکھ — یہ کماں پر زور کا ناوک جگر کے پار ہے

فرد

شمس لیوے برج چرخ مدت یکماہ میں — قلعہ کوں سلطاں مرا چلتے ہوی راہ میں

فرد

تمکوں مبارک ہوی یہ جشن و سلطنت — حشر تلک تمکوں ہم دیتے رہیں تہنیت

فرد

بزم عدالت میں تم نیں کسے گردن کشی، — سرکشی شمع کوں ہے گی سزا سر کشی

فرد

باغ میں کوئی تنگ دل غنچہ کی مانند جائے — نقش گلاں دیکھ او خندہ زناں بہار آئے

فرد

حسن کے اگے تمیں حسن پری زاد نیں — راست تمیں قد ستے یہاں کوئی شمشاد نیں

فرد

تمیں تصرف کوں دیکھ رنگ طلا زرد ہے — نسخۂ خلقت میں سب تم سا بھی یک فرد ہے

فرد

یہ سخاوت دیکھ شہ کی بحر و بر سب رشک کھا — موج حیرت میں ہے دریا کا خجالت سوں چھپا

فرد

نیں عجب اس شمع رو پر ماہ رویاں ہوویں پتنگ　　دیکھ جس کے حسن کوں خورشید کے ہے چشم دنگ

فرد

حسن سلطانی پہ شہ کے مہ رخاں بلہار ہیں　　باغ میں گر تم کوں دیکھیں گل گلے کے ہار ہیں

فرد

یہ دستار اودھا و کسوت تمام　　بنفشہ کا تختہ دسے اور کنول

فرد دکنی

دیکھ کر ساجن سوں کرتی ہیگی گل رو ایکبار　　ہر بلا گرداں نیں دس لعل فندق کوں نثار

شصت فرد دکنی سلامیہ در وقت شروع رقص باید خواند مطابق وزن شش گانہ
مذکورہ در ہر نغمہ دہ بیت ترقیم یافتہ اینست

دہ بیت دکنی سلامیہ در نغمۂ ابیض مطابق وزن آں

جبکہ آوے قصر ابیض بیچ سلطاں مہر سا　　گوہر و الماس کرتے انپو مہ رویاں فدا
خانہ ابیض میں آوے جب کہ ساجن گلرخاں　　لیکے الماس و گہر کرتے ہیں قرباں ہر زماں
جب کہ ساجن شاد و خرم خانۂ ابیض میں آئیں　　گلرخاں الماس و گوہر سات قرباں انپو جائیں
سر کو لاتے ہیں تصدق ہر سلام نازنیں،　　دیکھ کر ساجن کموں گلرو جادۂ للہ زمیں ؟
تم اوپر سے وارتے لاتے ہیں گلرو شوق دہر　　گوہر و الماس سوں ہر یک نے بھر کر خوان زر
مسند زرین پو جب ساجن کوں کہ دیکھیں ماہ رو　　ان پو واریں گوہر و الماس کوں ہو روبرو
چاندنی میں چاندنی پر جب کہ بیٹھا چاند سا　　ماہ رو الماس و گوہر ان اوپر کرتی فدا،
شمع رویاں دیکھ اس چہرہ کے کیتیں خوش آب و تاب　　صدقے کرتے ہیں جواہر کے طبق لا بیحساب
بین کسوت کارچوبی گھر میں ساجن آویں جب　　مہوشاں ان پر سے واریں گوہر و الماس تب
گھر میں آویں جب کہ ساجن گلرخاں بلہار ہوئیں　　سب جواہر سات انپر قدسیاں ایثار ہوئیں

دہ بیت دکنی سلامیہ در نغمۂ اصفر مطابق وزن آں

جب آوے خانۂ اصفر میں سلطاں گلرخاں ملکر
کریں ان پر تصدق پو کراج ولہنیہ یکسر

سجن کے دیکھ کر بر میں لباس زعفرانی آج
نثاران پر کرے ہر دم فلک خورشید کا پکراج

شبستاں میں مثال شمع ساجن جب ہویں تاباں
تب اس کے نور پر پڑ پتنگوں سا ہویں قرباں

فلک گلہا کواکب کے کریں تم پر فدا ہر دم
دیکھے گر صحن گلشن بیچ تمکوں اے شہ عالم

چمن گل اشرفی لے وارتا ہے ہر زماں تم پر
تمیں جب باغ میں جاتے بنسیم صبح سا خوشتر

اگر مہ رو تصدق ہویں تمہارے پر مناسب ہے
کہ جس انوار پر شام و سحر قرباں کواکب ہے

سجن کے ماہ رو پر سے فدا ہو جگ کے سب گلرو
کریں بھر کر تصدق پو کراج ولہنیہ لولو

تمہارے سرو قد پر قمریاں سا گلرخاں یکسر
تصدق ہو ہر یکدم وارتی ہیں لہنیہ لے کر

محل میں جلوہ گر جب ہویں تم اے پر یوسف ثانی
زلیخا سا ہویں گلرخ تمہارے پر سے قربانی

لب و دنداں کو ساجن کے دیکھیں جب ماہ رویاں سب
سو یاقوت بھر خوانوں میں کرتے ہیں فدا ہر شب

دہ بیت دکنی سلامیہ در نغمۂ احمر مطابق وزن آں

جب آوے خانۂ احمر میں سلطاں
نثاران پر کریں یاقوت خوباں

کرے چہرے سوں کوشہ کے دیکھ ناہید
تصدق رات دن مہتاب و خورشید

فلک نے دیکھ یہ رخسار شہ کا
لے وارے سیم و زر خورشید و مہ کا

سجن جب تخت زریں پر کریں جا
لگے کلہائے کواکب وارے زہرا

جب آوے قصر احمر بیچ سلطاں
ہویں ان پر تصدق ماہ رویاں

جب آوے گھر میں ساجن ماہ رویاں
نثاران پر کریں یاقوت و مرجاں

دیکھیں گر قصر احمر بیچ تمنا
کریں یاقوت قرباں سب دل آرا

نثار شہ کریں خوبان عالم
جواہر سوں طبق بھر کر ہر یکدم

یہ سرو قد پو قرباں ہیں ہر یکدم
مثال قمریاں خوبان عالم

ہے گردوں دیکھ یہ رخسار گلنار ۔۔۔ کرے خورشید کا یاقوت ایثار

دہ بیت دکنی سلامیہ در نغمۂ زبرجد مطابق وزن آں

خط سبز ساجن کوں مہر رخ بخھا ۔۔۔ زبرجد سے بھر خوان کرتے فدا
سجن جب زبرجد کی منظر میں آیں ۔۔۔ سبھی مہوشاں ان پو قربان جائیں
محل بیچ ساجن جب آوے سنوار ۔۔۔ ہوئیں گلرخاں ان پو ہردم نثار
تمہارا یہ رخ دیکھ گلرو تمام ۔۔۔ تصدق ہیں جوں مہر و مہ صبح و شام
دیکھیں تمکوں جب گھر میں سب مہوشاں ۔۔۔ زمرد ہی قرباں کریں ہر زماں
یہ رخ دیکھ مہر و ستیں وار کر ۔۔۔ زبرجد سوں بھر کر طبق ہائے زر
یہ سرو خراماں پو جوں قمریاں ۔۔۔ تصدق ہوئیں چک کے سب گلرخاں
مہ و مہر قرباں ہیں لیل و نہار ۔۔۔ یہ ساجن کا رخ دیکھ جوں گلعذار
سجن پر سو ستی ملک وار کر ۔۔۔ زمرد کوں گردوں کے شام و سحر
سجن پر مہ و مہر و چرخ ایکبار ۔۔۔ کریں سیم و زر اور زبرجد نثار

دہ بیت دکنی سلامیہ در نغمۂ ورد مطابق وزن آں

قصرِ شاہی میں خراماں ہو سجن جب ہر شام ۔۔۔ چرخ منصف ہو کے قربان کریں ماہ تمام
منظر ورد میں سجن جب ہووے محفل آرا ۔۔۔ گلرخاں اپنو کریں لعل گلابی کو فدا
صحن گلشن میں کریں دیکھ سجن کوں گلرو ۔۔۔ لعل گل کو ہر نسریں لے تصدق ہر سو
صحن ایواں میں فلک دیک سجن کا رخسار ۔۔۔ لعل خور گوہر مہتاب کریں ان پو نثار
قصر گلابی میں دکھیں جب یہ سجن کو خوباں ۔۔۔ لعل گلابی کریں انپر سے تصدق ہر آں
مہر و ماہ دیک یہ رخسار سجن کا انوار ۔۔۔ سیم و زر اپنا کریں اپنو تصدق ہر بار
دیک ساجن کوں محل بیچ خراماں گل رو ۔۔۔ لعل و مرجاں کو کریں انپو تصدق ہر سو
مہ رخاں دیک سجن کو ہوئیں قرباں، ہر جا ۔۔۔ لعل گلابی کو کریں لیکے انو پر سے فدا

دیک ساجن کوں محل بیچ خراماں گل رو، لعل گلابی کر بس ان پر سوں تصدق ہردم
صحن ایواں میں دیکھے جب یہ سجن کو زہرا سیم و زر ماہ و مہر کا کرے انپر سے فدا

دہ بیت دکنی سلامیہ در عباسی نغمہ مطابق وزن آں

عباسی قصر میں جب ساجن ہویں خراماں مہ رو نے لے جواہر انپر سے کرے قرباں
عباسی گھر میں مہ رو ساجن کو دیک ہر بار خانوں میں بھر کے نیلم کرتے ہیں انپو ایثار
جب آوے گھر میں ساجن گلرخ تمام مل کر نیلم سیں بھر کے طبقاں کرتے نثاران پر
نورجبیں پوشہکی ہو مہر و ماہ باہم جیوں شمع پر پتنگاں ہوتے نثار ہردم
یہ سرو قد پو قرباں قمری سا ہوتے ہر سو نیلم سو بھر کے طبقاں سارے جہاں کے گلرو
محفل میں شمع جیسا ساجن کو دیک تاباں مثل پتنگ ہوتے ان پر نثار خوباں
صحن محل میں ساجن جب ہویں جلوہ فرما گردوں کا لیکے نیلم ان پر سے وارے زہرا
چندنی میں یہ قمر رو جب بی حجاب ہووے قربان رخ پوشہکی یہ ماہ تاب ہووے
لے سیم و زر فلک نے خورشید و مہ کا باہم کرتا نثار شہ پر لیل النہار ہر دم
جیوں مہر دیک تاباں ساجن کو ماہ رویاں کرتے نثاران پر نیلم سے بھر کے طبقاں

شش رباعی سلامیہ مطابق وزن شش نغمہ اینست

رباعی نغمہ ابیض

خانہ ابیض میں ساجن جب کہ ہویں جلوہ گر دیکھ کر خورشید رو کو ان کے سارے سیمبر
لا بجا آداب و کورنش کے ادا و ناز سیں وارتے ہیں ان کے اوپر سوں لیکے الماس و گہر

رباعی نغمہ اصفر

جب آویں خانہ اصفر میں ساجن ملکے سب دلبر ادب سے اور تفاوت سے کھڑے ہو جا بجا یکسر

تصدق اپنو کرتے خوان زرکوں شادماں ہر دم   کومیدو اشرفیاں اور پو کمراج و ہسینہ سوں بھر

رباعی نغمہ احمر

جب آوے خانۂ احمر میں سلطاں   کھڑے ہو گلعذاراں شاد و خنداں
نثار فرق شاہنشاہِ عالم   کریں یاقوت اور مرجاں کو قرباں

رباعی نغمہ زبرجد

محل میں زبرجد کے شاہجہاں   جب آویں کھڑے ہو کے تب ہر زماں
بہ فرق ہمایوں پو کرتے نثار   زمرّد و فیروزہ لے مہوشاں

رباعی در نغمۂ ورد

منظر ورد میں سجن جب ہوویں محفل آرا   ہین کسوت کوں بدن پیچ گلابی نیارا
شمع رو دیکھ تصدق ہو پتنگوں کے مثال   ہر زماں لعل گلابی کریں اپنیر سے فدا

رباعی نغمہ عبّاسی

عباسی گھر میں ساجن جب ہوویں جلوہ فرما   آداب اور کورنش لا سب بجا دل آرا
نیلم سے بھر کے طبقاں کرتے نثاران پہ   شوقوں سوں ہوتے قرباں پھر مہوشاں ہر یک جا

قاضی محمد عبداللہ حسین خلیل، نیلسندر بنگلور

خاندان خلیق مرحوم نے تاریخ النوائط پر ایک اعتراض لکھا ہے اس میں اپنی چھٹی پشت تک کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے کہ "خاندانِ خلیل کے مورث اعلیٰ مولانا خلیل اللہ الفقیہ خلف مولانا داؤد الفقیہ فرزند مولانا محمود الفقیہ کو منجانب شاہ عالم بادشاہ غازی (۱۷۵۴-۱۸۰۶ء) خطاب خلیل السلام عطا ہوا تھا پس مولانا محی الدین الفقیہ نے لقب فقیہ کو اپنی شان سے افضل جان کر بعوض اس کے اپنے والد کے خطاب کو اپنا لقب قرار دیا" دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ـــــ "فقیہ" یہ لقب کئی پشت سے خاندان خلیل کا باعث فخر رہا ہے، مولانا محمود اوران کے خلف الرشید مولانا داؤد اور ان کے فرزند ارجمند مولانا خلیل اللہ المخاطب بہ خلیل السلام تک بطریق تعزز یہ لقب جاری رہا۔ جب کہ مولانا محی الدین علامہ خلف الصدق مولانا خلیل اللہ فقیہ نے دیکھا کہ فقیہ از روی معنی ہر فرد خاندان کے لئے مناسب نہ ہوگا کیونکہ خاندان میں عالم اور بے علم دونوں پیدا ہوں گے اور ہر ایک فرد خاندان اس معزز و ممتاز لقب کو اپنے نام کے ساتھ جوڑ لے گا، اس صورت میں اس مبارک لقب کا ہتک ہوتا ہے پس آپ نے اپنے اسم گرامی کے ساتھ لقب فقیہ لگانے میں مضایقہ فرمایا اور اپنے والد بزرگوار کے خطاب کے لحاظ سے لقب خلیل پر کفایت فرمایا، تاہم آج تک اہل خاندان میں اس لقب فقیہ کا تذکرہ خلیل کے ساتھ ضمناً چلا آتا ہے" ایک اور موقع پر تحریر ہے۔

"واضح ہو کہ خاندانِ خلیل ہمیشہ سے علمی خاندان رہا اور اس خاندان کا یہ خاص شیوہ رہا کہ ہر ایک ہی علم نے شہر استادی یا مدرسی پر اپنا گزارا رکھا، بزرگان خاندان میں سے کسی نے سرکاری خدمت نہیں کی خواہ شاہی سلطنت میں ہو یا انگریزی دولت میں کبھی ملازمت سرکاری کی تمنا نہ رہی، میرے جد امجد مولانا محمد عظیم الدین خلیل" عہد سلطنتِ ٹیپو سلطان شہید میں شہر سرینگ پٹن کے شہر استاد تھے، اکثر امرا یا امرا کے صاحبزادے آپ سے تعلیم علوم نقلی و عقلی حاصل کرتے تھے، کہتے ہیں کہ نواب غلام علی خان بیگ نے جو عہد سلطان میں ایک معزز امیر تھے، آپ کو سرکاری خدمت کی بہت کچھ ترغیب و تحریص دی لیکن آپ نے ہر وقت یہی فرما کر ٹال دیا کہ "عصر پادشاہاں دو طرف دارد امیدناں یا بیم جان بدیں امید موہوم دراں بیم ہائل نفتادن کار خردمنداں نیست" اور یہ بھی فرمایا کہ پشت ہا پشت سے ہمارا پیشہ تعلیم و تدریس پر ہی موقوف رہا اور ہمارے بزرگوں کا گزارا

متوکلانہ تھا، پس مجھکو شرم آتی ہے کہ اپنے آبائی طریقے کو ترک کرکے جاہ و ثروت کا متلاشی ہوں"۔

ایک اور موقع پر مرقوم ہے۔

"چودھری کی وجہ تسمیہ ہیں بزرگ قوم اور میر پنچایت کے سوا کل نثر بحات رکیک اور غیر موزوں ہیں، یہ لقب خاکسار محمد عبداللہ حسین خلیل عفی اللہ عنہ کے جد مادری کا ہے، چنانچہ احقر کے نانا مولانا مولوی غلام حسین چودھری اور ماموں مولانا مولوی محمد یوسف چودھری ہیں جو مدراس کے شہر ستاد تھے"۔

ولادت، تعلیم اور ابتدائی حالات

آپ کی ولادت ویلور میں حاجی حافظ مولوی سید شاہ عبداللطیف ذوقی المعروف بہ سید شاہ محی الدین صاحب قادری نقوی کے مکان میں ہوئی، آپ کے والد محمد اکبر حسین خلیل نے "بدرِ اعظم" سے تاریخ نکالی ہے، خود مرحوم نے اپنی ولادت کی تاریخ کہی ہے، جو آپ کی پرالم زندگی کی آئینہ دار ہے، کہا ہے ؎

پدرم گفت نبیرہ اعظم ۱۲ھ ۱۷ | گفت ہاتف خلیل کلفت ناک ۱۲ ۱۷

ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، پھر حضرت مولانا حاجی قلندر حسین اطہر سے درسی کتابوں کی تکمیل کی، جہاں کہیں اطہر کا نام لیا ہے بڑی عزت کے ساتھ لیا ہے اور اس استاد کی شاگردی پر فخر کیا ہے، اطہر کی وفات پر مرحوم نے "طومارِ غم" ۱۲۹۶ کے نام سے ایک نثر لکھی ہے جس میں کل اکاسی ترکیبیں ہیں اور ہر ترکیب تاریخی ہے۔ نمونہ

"طومارِ غم"

صحیفِ جنابِ مولانا محمد قلندر حسین صاحب اطہر وسع اللہ مرحسنہ و اکرم نزلہ دایماً بمطابق ہشتم ماہ ربیع الاول حسب سنہ الف و دوصد و نود و شش ہجری، ازیں خاکدان ناامینت باریاب مجلس باعیش روحانیاں گردید،

العبد احقر شاگرداں آں معلم جلیل، نیاز آگیں و دل حزیں محمد عبداللہ حسین خلیل"

یہ مرکب مفید اور غیر مفید ایک پچیس ۲۵ سالہ نوجوان کے قلم سے اپنے شفیق ستاد کے ماتم میں نکلے ہیں۔

آپکے ہم جماعتوں میں مولوی حکیم محمد حسین شریف بنگلوری المتخلص بہ حکمی ایک ہی ایسے

ادب ہیں جو قابلِ ذکر ہیں، اور لطف یہ ہے کہ حکمی کے تذکرے کے بغیر مرحوم کی سوانح عمری نامکمل رہ جاتی ہے، حکمی نے "دستور نامۂ فارسی" کے نام سے قواعد کی ایک جامع کتاب لکھی ہے، جس کے بارے میں علامہ شبلی کا یہ ریویو نقل کر دینا کافی ہے۔

"میں نے جناب مولوی حسین شریف صاحب کی کتاب "دستور نامۂ فارسی" اکثر جگہ سے بغور دیکھی، کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب معرکہ آرا کتاب ہے، مصنف نے مشکل اور اہم مسائل کو بڑی بسط اور تنقید سے لکھا ہے، بہت سے اصول اور قواعد خود بھی ایجاد کیے ہیں مصنفین سابق سے جا بجا اختلاف بھی کیا ہے اور وہاں بہت زورِ طبع دکھایا ہے، اس قدر ہے کہ یہ کتاب بوجہ دقتِ مضامین کے منتہیوں کے قابل ہے، تشبیہ کی بحث اس میں استطراداً موضوع سے خارج آگئی ہے، بہرحال یہ کتاب ہر طرح قدر دانی کی مستحق ہے" شبلی نعمانی ۱۷ فروری سنہ ۱۹۰۴ء

اس معرکہ آرا کتاب کی تصنیف کا باعث خلیل مرحوم ہیں، دل چاہتا ہے کہ کتاب کا کل دیباچہ یہاں نقل کر دوں، لیکن اس کی گنجائش نہیں، اس لئے ادھر ادھر سے مفید مطلب نظم و نثر کے اقتباس لے کر انہیں اس طرح جوڑ دیا ہے کہ مطلب خبط نہ ہونے پائے، لکھا ہے کہ

سلامے کہ سرتا سرش رحمت است — سرموے زاں بگذری زحمت است
ز حکمی رنجیدہ دل خستہ جاں — بسوے خلیل آں بدل مہرباں
من اے دوست از ہجرت دیر باز — بروے وژم با غماں دراز
نوشتم یکے نامہ چوں روے آب — ہم از آب روے و ہم از پیچ و تاب
نگہ بر رہ پاسخت دوختم — ندیدمش پاسخ دلم سوختم
دریغ است بر من ترا یک نظر — حذر کن نہ باشی تو بے دادگر
دماغم بہ ضبط غمت سوختہ — سرم جاے مغز آتش اندوختہ
دخانے ازاں آتش ایں موے سر — ہر اشک جگر گونۂ من شرر

نمی دانم ایں ہمہ اعراض از بہر چہ خاست، و روے گردانیدن از من چراست، مگر ہمی دانم کہ آں مخدوم از من نامستعد کابل بنگارش تحقیقات نحو فارسی خواستگار آمدند ہمہ ازاں تقاضا نامہ نگار آمدند اگرچہ بندہ را ازاں باز کہ در تحریر "زرمشت افشار" کہ صرف در قواعد صرفیہ قلم فرسودہ است،

خاطر بہ نگارش نکات معنوی تدقیقات نحوی ہوس بودہ اما نا مستعدی و کور سوادی کہ دست بخت کاہلی من است خواست خاطر مرا در لیت و لعل انداخت، اکنوں آزردگی مخدوم بر لیت و لعل ہجوم آورد و بر کاہلی من تاخت در برآوردن دیرینہ آرزویم پرداخت الخ"

مرحوم کے جس قدر ابتدائی حالات میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ ان سے زیادہ کا پتہ نہ چل سکا۔

مشاغل زندگی | خلیل صاحب کا ایک خط حسب ذیل ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نستعینہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بنگلور، نیل سندر انجاس

۳ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۹ھ

عالیجناب مستغنی عن الالقاب مولانا مولوی نواب حجاسب جنگ بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ

پس از سلام مسنون گذارش خدمت عالی آں کہ ایک سال کا عرصہ گزر چکا کہ جناب والا کی حسن توجہ سے استدعا کی گئی کہ اعلیحضرت امیر المسلمین پادشاہ دکن خلد اللہ ملکہ کی سرکار عالی سے اس فقیر پریشاں حال کے لیے کچھ ماہوار صدقے کے درباب سعی و سفارش فرمائی جائے، جناب نے بھی اس کام میں کوشش فرمانے کا وعدہ کیا تھا، آج تک خاکسار امید وار توجہ عالی ہے، احقر نہیں جانتا کہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی بارگاہ میں عرضداشت پیش کرنے کا کیا طریقہ ہے اور عرضی کا مضمون کس طریق پر لکھا جاتا ہے اگر جناب والا ایک مسودہ اپنے دست مبارک سے تحریر فرما کر احقر کے نام بھیج دیں گے تو عرضداشت لکھ کر بہ توسط جناب بھیج دی جائے گی، واضح خدمت آں کہ احقر کی عمر کے تقریباً پچاس سال مسلمان اطفال کی تعلیم و تدریس میں صرف ہوئے، ازاں جملہ مدرسۂ اسلامیہ اور مدرسۂ قوۃ الاسلام کی صدر مدرسی پر سینتیس ۳۷ سال مامور رہا (تاریخ تعین بر صدر مدرسی ۱۲ محرم الحرام سنہ ۱۲۹۸ھ مطابق ۵ دسمبر سنہ ۱۸۸۰ء) جب ان مدرسوں کی خدمت سے دست بردار ہو چکا تو اپنے غریب خانے پر تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اب کچھ عرصے سے بوجہ ضعف پیری و عوارض جسمانی خدمت طلبہ سے معذور ہے، اس گنہگار کی عمر ستر سال سے متجاوز ہے، بے فکری کی معاش کا کوئی سہارا نہیں ؎

"کار درویش مستمند برآر — کہ ترا نیز کارہا باشد"

آپ کے مسودات میں ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۰ھ یعنے اس خط کے دو مہینے آٹھ دن کے بعد لکھی ہوئی ایک فارسی عرضی ملتی ہے، اس عرضی کی فقط اس قدر عبارت ہمارے نقطۂ نظر سے اہم ہے

"سنین عمرم کہ از ہفتاد متجاوز است، دو ثلث ازاں در تعلیم اطفال مسلمین بخدمت صدر مدرسی مدرسۂ اسلامیہ مدرسۂ قوۃ الاسلام مامور بودہ صرف نمودم، مدرسۂ اسلامیہ کہ زیادہ از سی سال دراں خدمت تعلیم و تدریس بجا آوردم، بوجہ عدم گنجایش اخراجات مسدود شد و از ملازمت مدرسۂ قوۃ الاسلام بباعث کم طاقتی دل و دماغ و معذوری پابندی اوقات خود مستعفی شدم، مدت نہ سال است کہ کم کم تعلیم و تدریس شایقین بہ منزل خود بجا می آرم"

طرز تحریر صاف کہہ رہا ہے کہ یہ عرضی مرحوم ہی کی لکھی ہوئی ہے، غالباً محاسب جنگ بہادر نے از روئے کسر نفسی عرضی کا مسودہ لکھ بھیجنے سے اعراض کیا ہوگا، مذکور مولوی نواب محاسب جنگ بہادر بنگلوری ہیں، مولوی محمد حسین عرفی (شاگرد غلام حسین باقی) المتوفی سنہ ۱۳۱۳ھ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، نام غلام احمد اور تخلص طالب ہے، خلیل نے یہ عرضی اعلیٰ حضرت کی خدمت میں نہیں بھیجی چنانچہ اسی عرضی کی پشت پر لکھا ہے کہ

"ہرچند ایں عرضداشت از ترغیب و تحریص احباب برقم آوردم لیکن دلم نخواست کہ بحضور اعلیٰ حضرت ~~امیرالمومنین~~ و پادشاہ ممالک کن ترسیل نمایم لہذا فرو گذاشتم و از ترسیلش باز ماندم ؎

ماکار خویش را بہ خداوند کارساز　　بگزاشتیم تا کرم او چہا کند

سیاحت | آپ کی سیاحت مختصر ہے، ۱۶ دسمبر سنہ ۱۸۸۵ء میں حیدرآباد گئے تھے۔ اور ۲۵ جون سنہ ۱۸۸۸ء کو منگلور سے نکلکر کاگل اور کولہاپور کا سفر کیا،

وفات | یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت جمادی الاخری کی سترھویں کو ہوئی اور وفات اٹھارھویں کو گویا بالحیثیت المجموع اس دار فانی میں اکاسی ۸۱ برس کا قیام ایک دن کے برابر ہے، حق مغفرت کرے شاعر نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا ہے کہ ع　جب فنا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایک دن

مصنفات و مؤلفات | خلیل صاحب کے مصنفات میں "بستان خلیل" سب سے پہلی تصنیف ہے سنہ ۱۳۰۰ھ میں لکھی گئی وجہ تصنیف میں لکھتے ہیں ؎

بودہ است بہ نثر پند لقماں　　چوں نظم پرن بہ چرخ تاباں

از بہر بہار باغ چشم — عبد الباسط چراغ چشم
در رشتۂ نظم دُر کشیدم — نے دُر کہ بہ سلک خود کشیدم
این باغ خرد چو یافت انجام — بستانِ خلیل کردمش نام

مضامین کی ترتیب حسب ذیل ہے، حمد خدائے عزّ وجل، نعت جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، سبب تنظیم صد پند سودمند حضرت لقمان علیہ الرحمۃ والغفران، آغاز نظم نصائح، پند سودمند بہ فرزند ارجمند منجانب ناظم این نصیحت نامہ درایت پیوند اور کل دو سو چھپن شعر ہیں، آخر میں مولوی سید نظام الدین صاحب نظامؔ اڈیٹر اخبار رتن پرکاش رتلام مقیم شہر گلشن آباد عرف جاورہ ملک مالوہ کی ایک بہیر حاصل تقریظ ہے، مختلف بحروں میں ایک سو آٹھ شعر کہے ہیں، جو بجائے خود کتاب کے ایک تہائی حصے سے زیادہ ہیں، ان میں سنہ ہجری، عیسوی، فصلی اور سمت کے چالیس مادے ہیں، مجھے یہ دیکھ کر اگلے بزرگوں کی فارغ البالی پر رشک ہوتا ہے، انہیں کس قدر فرصت میسر تھی! کتاب مولوی حسین شریف حکمیؔ کی ایک فصیح و بلیغ تقریظ پر ختم ہوگئی ہے، مادۂ تاریخ "تصنیف خلیل" ہیں نظامؔ اور حکمیؔ دونوں کو توارد ہوا ہے، زوائد ہے کہ یہ کتاب کئی سال تک ممالک متحدہ میں داخل نصاب رہی، مطبع نامی منشی نولکشور لکھنؤ میں چھپی ہے، نمونۂ کلام

ای جانِ پدر بہ عقل اکمل — بشناس خدائے را تو اول
از شرک گریز تا توانی — ظلمی است سترگ شرک دانی
از وعظ و نصیحت آن چہ گوئی — آں راہ نخست خود بجوئی
ہرگہ کہ قدم نہی بہ گفتار — اندازہ خویشتن نگہ دار
ہشدار بہ وقت گفتن راز — آگہ نہ براں شوند غماز
از قربت ابلہاں بہ پرہیز — وز جاہل بے تمیز بگریز
ہرگز مکن اعتماد بر زن — زن ہست بکار خیرہ رہزن

لطایف الشعراء لطایف الشعراء خلیل کی دوسری غیر مطبوعہ مگر سب سے زیادہ مفید اور دلچسپ کتاب ہے، وجہ تالیف اور مضامین کی ترتیب کے متعلق مولف دیباچے میں لکھتے ہیں کہ

"اما بعد المرتجی الی رحمۃ اللہ الجلیل محمد عبد اللہ حسین خلیل تجاوز اللہ عن سیاتہ بلطفہ الجزیل

ابن حضرت مولانا قاضی محمد اکبر حسین خلیل کساہ اللہ لباس الرحمۃ والغفران باحسانہ الجمیل بخدمت لطیف طبعان
لطایف جوے وشگفتہ مزاجان طیبت خوی گزارش پردازست کہ شبے ہم بزم یاران صادق الوداد
ودوستان واثق الاتحاد بودم، از ہر نوع گفت وشنود درمیان بابود تا آنکہ بہ تذکرۂ سخن وسخنوان
درپیوستم چون ازان حظی وافر برداشتیم بہ لطایف ومطائبات اذکیا درساختیم، دریں باب چنداں
توغل نمودم کہ ہمگی احباب بریں بے سواد صاد کردند، سیما جناب فطانت مآب مخدومی مولوی حکیم
ابو المظفر محمد حسین شریف حکمی سلمہ اللہ القوی براں مصر شد کہ دریں باب مجموعۂ فراہم آرم ہر چند اباکردم
وعدم لیاقت خویش وانمودم مگر غیر از انقیاد امر چارہ ندیدم بالآخر بہ فراوان وقت وتگاپو وبہزار
محنت وجستجو از تذکرہ جات وتاریخات وکتب ادبیۂ عربیہ وفارسیہ بہر قدرے کہ براں استیعاب بود
مجموعہ فراہم آوردہ بہ لطایف الشعراء موسوم ساختم وہمگی لطایف را بر یک مقدمہ وہشت باب و
خاتمہ بدیں طریق ترتیب دادم،

مقدمہ، در استحباب واستحسان طیبت وظرافت.

باب اول، در لطائف اصحاب وتابعین کرام وائمۂ عظام رضی اللہ تعالی عنہم،

باب دوم، در لطائف اولیاء اللہ وفقراء ومشایخین قدس اللہ اسرارہم،

باب سوم، در لطائف علماء وفضلاء رحمہم اللہ تعالی،

باب چہارم، در لطائف حکما واطبا ــ باب پنجم، در لطائف سلاطین وشہزادگان

باب ششم، در لطائف وزرا وندما ــ باب ہفتم، در لطائف شعراء وظرفاء

باب ہشتم، در لطائف مخدرات ذکاوت آیات،

خاتمہ، در لطایف بندۂ ہیچ میرز مؤلف این مجموعہ۔

تاریخ آغاز تالیف از مؤلف ع تالیف خلیل باد باقی
۱۳۱۱ھ

خاتمہ :۔ الحمد للہ والمنہ کہ این مجموعۂ لطایف وحکایات بخوش ترین ساعات بشہر
رجب المرجب سنہ اثنا عشر وثلثمائۃ بعد الالف من ہجرت النبویہ علی صاحبہا الف الف صلوۃ وسلام
حسن انجام وصورت اختتام پذیرفت، توقع از بارگاہ رب العزت آنکہ این متاع کاسد وقماش نالائق
بہ نظر صرافان نقود سخن ونقادان دار العیار این فن عزت واعتبار دہاد بالنون والصاد

و بالنبی وآلہ الامجاد"

اس کتاب کی تقطیع ۶×۹ انچ ہے، ہر صفحے میں بخط جلی چودہ سطریں ہیں۔ کل صفحے ۳۹۴ ہیں، جن میں ۷۰۶ لطایف ہیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

باب اول ۴۳ حکایتیں، باب دوم ۶۶، باب سوم ۵۲، باب چہارم ۲۵، باب پنجم ۸۵، باب ششم ۴۱ باب ہفتم، ۲۶۲ حکایتیں، باب ہشتم ۴۲۔

یہ کتاب ادبی نقطۂ نظر سے نہایت منفعت بخش ہے اور کالجوں کے نصاب میں داخل ہو سکتی ہے، مولف نے حکایتوں کی تعداد کو ابواب میں تقسیم تو کر دیا ہے لیکن حکایتیں اسی ترتیب سے نہیں لکھیں۔ مذکورہ تقسیم محض مولف کے ذہن میں تھی اور نہیں کھلتا کہ مرحوم نے اس کتاب کی تالیف کے چالیس برس بعد تک زندہ رہنے کے باوجود ان حکایتوں کو مرتب کیوں نہیں کیا، اور وہ کونسے ایسے موانع پیش آئے ہوں گے جو یہ کتاب طبع ہونے سے رہ گئی،

میں نے اس کتاب کو مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا لیکن قاضی عزیز الدین صاحب خلیل کی جلد بازی نے اس کام کو ہونے نہ دیا، اگر کوئی شخص دن میں دو گھنٹے اس پر صرف کرے تو کم از کم تین مہینوں میں اس کو مرتب کر سکتا ہے، یعنے پہلے ایک ایک لطیفے کو بغور پڑھ کر فیصلہ کرے کہ کون سی حکایت کس باب کے تحت میں آتی ہے، پھر ہر باب کی حکایتوں کو علٰحدہ علٰحدہ لکھا جائے اور آخر میں آٹھوں بابوں کو مرتب کرے، قاضی صاحب چاہتے تھے کہ جو کام چالیس برس میں نہ ہو سکا وہ چالیس دن میں ہو جائے لہٰذا چالیس دن کی مہلت کے بعد انھوں نے کتاب مجھ سے طلب کر لی،

لطایف الشعراء کے دو لطیفے

(۱) روزی ملا ساغری شکایت کرد کہ شاعران این زمان معانی از اشعار من دزدیدہ کوس شاعری میزنند و اسپ سفاہت بہ میدان وقاحت می دوانند چوں بہ سمع حکایت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہ السامی مطلع شد فی البدیہ این دو بیت رقم فرمودہ پیش ساغری فرستاد۔

ساغری می گفت دزداں معانی بردہ اند — ہر کجا در شعر من معنی خوش را دیدہ اند
دیدم اکثر شعرہایش را یکی معنی نداشت — راست می گفت آں کہ معنیہاش را دزدیدہ اند

ساغری شکایت بہ معنی مولانا آورد، مولانا برای تسلی ساغری فرمود کہ من شاعری گفتہ بودم مگر ظریفاں

بہ تصحیف ساغری بہ غین معجمہ خوانده باشند، لہذا معذورم،

(۲) وقتی مولانا قطب الدین علامہ و شیخ مصلح الدین سعدی رحمہما اللہ باتفاق بہ تماشای مسجدی کہ یکی از اتابکان شیراز عمارت میکرد رفتند قضارا شہزاده ہم وارد مسجد گردید، دیدند کہ بر خورشید رخسارش کہ ہنوز از کسوف خط عاری بود قدری گل رسیده است' مولانا مجرد ملاحظہ فرمود کہ یالیتنی کنت ترابا، شاہزاده پرسید کہ مولانا چہ می گوید شیخ فرمود ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا۔

لطایف الشعراء اور حزین

لطایف الشعراء کے تذکرے میں مولانا محمد علی شوستری المتخلص بہ حزین والد بزرگوار آقا محمد عباس صاحب شوستری پروفیسر عربی و فارسی وارہ دو مہاراجہ کالج میسور کا نام کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، شوستری مرحوم کی ایک بیاض جس کا نام انہوں نے "جنگ نامہ" رکھا ہے پروفیسر موصوف کے پاس ہے، جنگ کے معنے برہان قاطع میں یہ لکھے ہیں، "جنگ بالضم بیاض بزرگ کہ دراں ہر قسم اشعار وغیره مندرج باشد" اس جنگ نامے میں خلیل صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ

"اسمش محمد عبداللہ حسین، خلیل تخلص وست، آدم شوخ وصاحب ذوقی است، الحق تا در بنگلور بودم، خاطر را از صحبت او استیناسی بود بلکہ می توان گفت اگر او نبودے در صدمۂ عظیم مبتلا می شدم۔ — در عربی یدی ندارد، اما در فارسی بقدر احتیاج اطلاعات دارد، وقتی نزد احقر کتاب عربی در اخلاق می خواند قال را غال می گفت، گفتم مولوی صاحب! تا کے خال خال می گوئی گفت چہ کار بکنم چگونہ دست" از خالہ" برادرم در شعر ہم ایشان را دست گاہی می باشد، صد پند لقمان را بہ فارسی نظم کرده، اوقاتی کہ احقر در بنگلور بودم، کتاب لطایف الشعراء را جمع آوری می کرد مسوده آں را نزد احقر آورد حاشیہ براں مزید کردم چند بیت از صد پند نگاشتہ می شود"

انھیں ابیات کو میں نے "بستان خلیل" کے ذکر میں بطور نمونہ کلام پیش کیا ہے، شوستری صاحب کی تحریر سے ظاہر ہے کہ خلیل صاحب نے آپ سے عربی میں خصوصاً اور فارسی میں عموماً استفادہ کیا ہے اور اس استفادہ کا ثبوت لطایف الشعرا کے حواشی میں موجود ہے، چنانچہ حکایتوں میں جہاں عربی مقولے یا شعر آگئے ہیں ان کا ترجمہ شوستری صاحب نے حاشیے پر لکھ دیا ہے، لیکن شوستری صاحب کے اس قول سے کہ "در عربی یدی ندارد" یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ خلیل صاحب عربی زبان سے محض نابلد تھے بلکہ مطلب

ہے کہ شوستری صاحب کی عربی کے مقابلے میں خلیل صاحب کی عربی قابل اعتنا نہیں تھی، آپ کو عربی میں اسی قدر مہارت تھی جتنی کہ ایک فارسی کے ادیب کو ہونی چاہیئے، بستان خلیل میں چند عربی کے شعر بھی ہیں فمن یرجع الیہا یطلع علیہا۔

حزیں کی اصلاحیں

اصلاحیں قوسین میں لکھی ہیں

(۱) روزی حضرت امام محمد تقی رضی اللہ عنہ در (وارد) مجلس خلیفہ المتوکل باللہ در آمدہ (شدہ) بہ پہلوی وی بنشست (در مجلس در آمدہ کی جگہ وارد مجلس شدہ)

(۲) وقتی حضرت قاضی ابو یوسف رح را در کوچہ گذر افتاد، دید کہ جہودے بنائے عمارت می ساخت (عمارتے می سازد)

(۳) روزے شاعرے بہ درگاہ فلک اشتباہ نورالدین محمد جہانگیر پادشاہ رسیدہ اجازت قرات قصیدہ خواست (خواندن قصیدہ خواست)

(۴) با شیخ گرانی خاطر بہم رسانیدہ فرمود (از شیخ دل آزردہ شدہ فرمود)

(۵) فرقتی قطعۂ بہ (برای) نقاش فرستادہ التجائے تجویز تخلص نمود، نقاش ہم قطعہ در جواب نگاشتہ از چہار تخلص مجوزہ خود ایما ساخت (برای او مقرر نمود)

شوستری صاحب کی ان اصلاحوں میں لطف اسی وقت آئے گا جبکہ یہ بات مدنظر رہے کہ اہل زبان کے مقابلے میں زبان دان قواعد کی پابندی تو کرلے گا لیکن محاورے اور روزمرے میں چوک جائے گا، حزیں کی اصلاحیں بعض جگہ بہت بلیغ ہیں،

مثلاً "روزی مردمک دیدہ اصطفا حضرت امام علی ابن امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہما در حمام تشریف داشت، اتفاقاً امیری از قوم ترک ہم بہ حمام فرا رسید از آنجا کہ مادر امام زنے از سرزمین حبش بود، لہذا رنگ وے مائل بہ مشک عنبر بود و در نظر ترکی حقیر نمود، بر امام عالمیان خطاب کردہ گفت ای غلام بیا و پشتم بہ مال و آب برسرم بریز الخ

حزیں نے بحمام سے لے کر اے غلام تک عبارت کو کاٹ کر فقط اتنا اضافہ کر دیا ہے کہ "درحمام بود حضرت را نشناختہ عرض کرد" اس میں بلاغت یہ ہے کہ اس مقام پر حضرت امام موسیٰ رضا کی والدۂ محترمہ کے حبشی الاصل ہونے کا ذکر غیر ضروری ہے لیکن اصلاح میں خود شوستری صاحب سے

ایک خفیف سی لغزش ہوگئی ہے جس کی وجہ حبِ آلِ رسولؐ ہے، خلیل صاحب نے عرض کو کاٹ کر گفت لکھ دیا ہے اور یہی درست ہے، کیونکہ حاکم محکوم سے کہتا ہے عرض نہیں کرتا،

ایک اور حکایت میں خلیل صاحب نے لکھا ہے کہ "روزی حکیم فرخی و عسجدی و عنصری متفق در باغی نشستہ شراب می خوردند"، شوستری صاحب نے متفق کو کاٹ دیا ہے اور شراب می خوردند کی جگہ تفریحِ خاطری نمودند لکھ دیا ہے، کس قدر مذہبی اور اخلاقی اصلاح ہے، ذرا تفریحِ خاطری نمودند کی ملمع کو دیکھئے اس میں شراب نوشی بھی داخل ہوسکتی ہے، لیکن کس قدر پہلو بچا کر کہا ہے،

بعض مواقع پر شوستری صاحب کو اصلاح دینے میں سہو ہوا ہے، مثلاً خلیل صاحب نے لکھا ہے کہ "وقتی سلطان سنجر را در عزیمت ماوراء النہر شکست افتاد بغایت ملول و محزون در لب جیحون فرود آمد فرید کاتب پیش او استادہ بود گفت، اے فرید ہیچ دیدی کہ ما را چگونہ چشمی رسید الخ"

اس حکایت میں حزیں نے 'چشمی رسید' کی جگہ 'چشم زخمی رسید' بنا دیا ہے۔ حالانکہ دونوں صحیح ہیں، امیر معزی کی رباعی ہے ؎

شاہا ادبی کن فلک بدخو را — کو چشم رسانید رخ نیکو را
گر گوی خطا کرد بچوگانش بزن — ور اسپ خطا کرد بمن بخش اورا

مظہر المحاسن ترجمۂ بستان الجن سنہ ۱۳۳۵ ہجری کی تصنیف ہے مولوی حاجی محمد زماں علیہ الرحمۃ استاذ نواب میر محبوب علی خان مرحوم نے سنہ ۱۲۷۷ھ میں کام المرجان فی احکام الجان کا فارسی ترجمہ بستان الجن کے نام سے کیا، خلیل صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کر کے مظہر المحاسن (سنہ ۱۳۳۵ھ) تاریخی نام رکھا۔ طبع نہیں ہوئی۔

نزہت الاعیان ترجمۂ نشانِ حیدری نشانِ حیدری ٹیپو سلطان شہیدؒ کے مصاحب میر حسین علی کرمانی کی فارسی تصنیف ہے۔ اس میں نواب حیدر علی خان بہادر کی حکومت کے آغاز سے زوالِ سلطنت تک کے تفصیلی حالات ہیں، شہادت کے تین سال بعد لکھی گئی، اور چونکہ مصنف نے اکثر حالات چشم دید لکھے ہیں، نہایت مستند ہے۔ نزہت الاعیان ۸×۶ تقطیع کے پانسو اڑسٹھ صفحوں پر حاوی ہے، اور آخر کے ایک باب کا ترجمہ باقی رہ گیا، اگر مرحوم کی زندگی وفا کرتی تو اس آخری باب کا بھی ترجمہ ہوجاتا،

شاعری

خلیل صاحب فطری شاعر تھے، مولانا حسین شریف حکمی کا ایک خط جو انھوں نے مرحوم کے نام سنہ ۱۲۹۵ ہجری میں دیوبند سے لکھا ہے، اس امر کی بین شہادت ہے کہ بائیس تیئیس برس کی عمر سے بہت پہلے خلیل صاحب شعر گوئی، شعر فہمی اور اصلاح شعر میں اپنے ہم جماعتوں میں اس قدر مقبول ہو چکے تھے کہ حکمی جیسے طباع اور مستعد طالب علم دیوبند جیسے مرکز علم میں رہ کر بھی اپنے شعر اصلاح کی غرض سے بنگلور بھیجا کرتے تھے، حکمی لکھتے ہیں

"امید کہ آپ سخنوری کا شغل رکھیں گے، مجھ مردہ دل افسردہ جان کا کچھ واہیات بک کر معمّیٰ نام رکھنے کو چیستان بدیع و نغز نغز کا جواب تصور فرمائیں، معاذ اللہ کہاں خلیل کیواں پایہ و حکمی فرومایہ .... لو اب اور چند معمے بہت سا مغز مار کر لکھے ہیں، میل قلم سے سرمۂ اصلاح کھینچ کر بینا کیجیے گا، .... بھائی تم کو خدا کی قسم اپنے ایمان سے صاف صاف لکھ دینا کہ کس درجے کے ہیں، کیا اپنی یادداشت میں درج کروں یا نہ کروں، مجھکو تو شعر کی سمجھ نہیں جو دل میں آتا ہے اناپ شناپ بول بیٹھتا ہوں، آپ ذرا مہربانی سے معلوم کرا دیں تاکہ شماتت سے بچا رہوں ...." مورخہ ماہ رواں ۹ یکشنبہ سنہ ۱۲۹۵ ہجری دیوبند ضلع سہارنپور۔

خلیل صاحب نے اپنا کوئی دیوان مرتب کیا اور نہ اس بات کا کوئی قرینہ پایا جاتا ہے کہ آپ کے ارادے میں یہ بات تھی، آپ کی اردو اور فارسی کی کئی غزلیں تلاش سے مل جاتی ہیں۔ ایک فارسی غزل کا مقطع ہے ؎

نقد ایماں خواہد آں کافر ادا اما خلیل ہم سپردن مشکل و انکار کردن مشکل است

اس کے علاوہ نعت میں آپ کی فارسی غزلیں وقتاً فوقتاً اخبار قوم معسکر بنگلور میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ نعتیہ اشعار

من فارغم از فردوس بریں و ز نکہت زلف حور عیں یک نفحۂ شمیم روح فزا زاں زلف دوتا حسبی و کفی

گردیدۂ عصیاں دیدۂ من شایستہ نہ باشد حسن ترا لمحے ز جبین رشک قمر در خواب نما حسبی و کفی

من بندہ مرا آقا چو توئی مگذار مرا در روز سیہ یا شمس ضحیٰ یا بدر دجیٰ یک ذرۂ ضیا حسبی و کفی

ایمان خلیل خستہ جگر حب تو بود یا خیر بشر در کرب و تعب در نزع و لحد در روز جزا حسبی و کفی

ماخوذ از اخبار قوم مورخہ ۵ اگست سنہ ۱۹۳۳ء

معلوم ہوتا ہے کہ خلیل صاحب شاعری کو اپنا پیشہ بنانا نہیں چاہتے تھے، ورنہ وہ مظہر المحاسن یا نزہت الاعیان کی بجائے مختلف اصناف سخن کا ایک کلیات نہایت آسانی سے مرتب کر لیتے، آپ کی بیاض میں ایک ہزار سے زیادہ شعر مختلف لوگوں کی ولادت و وفات، مختلف عمارتوں کی تعمیر، شادی بیاہ اور ہندوستان کے مشاہیر ادبا کی تصانیف کی تاریخوں پر مشتمل ہیں، ان کے علاوہ، ملک میسور میں پیروں اور مشایخوں کی آمد و رفت، مدارس اور قومی چندوں کی افتتاح وغیرہ... کے بارے میں کئی سو شعر ملتے ہیں، میری دانست میں آپ کے اشعار کا سب سے زیادہ مفید حصہ تاریخوں کا ہے، مجھے ان تاریخوں سے اس ملک کے چند نامور اشخاص کے بارے میں ایسی ایسی نایاب باتیں معلوم ہوئیں کہ ان کے معلوم کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہ تھا، اس ضمن میں یہ امر قابل تامل ہے کہ میسور اور سرنگ پٹن میں خلیل مرحوم کے معاصر بہت سے علما فضلا وشعرا تھے، جن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

مولانا سید شہاب الدین صاحب شہاب — مولانا درویش پیر صاحب درویش
مولانا احمد علی صاحب صوفی — مولانا میر حیات صاحب روحی
مولانا عبدالخالق صاحب عرف امیر امیر — مولانا غلام محمد صاحب صفی وغیرہ

خلیل صاحب کا انتقال ان سب کے بعد ہوا، میں نے اس خیال سے کہ مرحوم کے مسودات میں ان بزرگوں کے متعلق نہایت قیمتی معلومات کا ہونا ممکن ہے، ایک ایک ورق دیکھ ڈالا۔ لیکن تعجب ہے کہ خلیل صاحب نے اپنی کسی تحریر میں ان بزرگوں کے نام نہیں لئے۔

خلیل صاحب کی شاعری میں آمد بہت ہے اور آپ کی طبیعت شعر گوئی کے لئے ہمیشہ حاضر رہتی تھی، چنانچہ "صبح پنجشنبہ دہم شوال یکہزار و سہ صد و دہ ہجری بعد مفارقت بسیار با مولوی حکیم محمد حسین شریف حکمی سلمہ اللہ القوی اتفاق ملاقات افتاد و این چند اشعار فی البدیہ گزارش یافت ۔

خلیل سیہ کار را حکیم — صد افسوس یک لخت بردی زیاد
خیالم چو سگ روز و شب در بیت — تو مشغول و مشغوف ذات العماد
تغافل شعار اغنیمت شمر — ملاقات یاران با اتحاد
تو آزاد و من پائے بند عیال — تو بے فکر و بر من دو صد اوفتاد

دعائے خلیل است صبح و مسا ۔۔۔ دلم زخمی لن ترانی مباد

مذاق کلام اہل لسان حاصل می شود" سنہ ۱۳۱۱ھ

خلیل صاحب کی طبیعت کا رجحان فارسی کی طرف تھا آپ کے اردو کے شعر بھی ملتے ہیں مگر بہت کم اور قابل اعتنا نہیں جیسا کہ شعرا کا مذہب ہے خلیل صاحب نے شیخ کی بگڑی اچھالی ہے، فرماتے ہیں ؎

شیخ ناصح گبر و ترسا را مسلماں می کند ۔۔۔ لیک خود مشغول در شرک خفی کفر جلی است

ظاہرش مثل کلیم و باطنش فرعون دوں ۔۔۔ در بطوں چوں ابن ملجم صورتش مثل علی است

خلیل صاحب کی وفات سے ملک میسور میں فارسی دانی کی جو کرسی خالی ہوئی ہے اس پر متمکن ہونے قابل کوئی ٹکی عالم نظر نہیں آتا یوں تو فارسی داں کئی ہیں لیکن ان کی فارسی دانی کی کسی اہل زبان نے تصدیق نہیں کی۔

شجرۂ خاندانِ خلیل

قاضی محمد عبداللہ حسین خلیل

مولد ویلور ۔۔۔ مدفن بنگلور

ولادت پنجشنبہ ۱۷ رجمادی الاخری سنہ ۱۲۷۱ھ

وفات دوشنبہ ۱۸ رجمادی الاخری سنہ ۱۳۵۲ھ

مطابق ۹ راکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء

↓

ابن

محمد اکبر حسین خلیل (وفات سنہ ۱۳۰۹ھ) ابن عظیم الدین خلیل ابن محمد علی خلیل ابن غلام محی الدین فقیہ ابن خلیل اللہ فقیہ المخاطب بہ خلیل الاسلام ابن داؤد الفقیہ ابن محمود الفقیہ

ضمیمہ

غزل

گردش چرخ سے کیا کیا نہ بلائیں جھیلیں ۔۔۔ اختر بخت کو میں سنگِ فلاخن سمجھا

یہ نہ سمجھا کہ پھنسنے پہ نہ نکلنا ہوگا ۔۔۔ طائر دل نے خمِ زلف کو مسکن سمجھا

خالِ عارض پہ ہے بکھری ہوئی زلف شبگوں ۔۔۔ دام میں طائر دل کے لئے ارزن سمجھا

دوست سمجھوں میں تجھے تو تجھے دشمن سمجھے ۔۔۔ یہ رقیبوں کا ہے فتنہ کہ تو دشمن سمجھا

چھوڑ دو عشق بتاں کہتے ہیں احباب خلیل

اہلِ کعبہ نے تمہیں صاف برہمن سمجھا

(ماخوذ از شمع سخن ۱۲ جلد ۱ بابت مئی سنہ ۱۸۸۴ء)

مرتبۂ عبدالحق صاحب تحقیق

غزل

کس کو نہیں ہے آپ کی رنگیں ادا پسند
کیوں کر نہ بلبلوں کو ہو گل کی ہوا پسند

حاضر تھا خونِ عاشقِ جانباز بھی مگر
قسمت ہماری دیکھئے آئی حنا پسند

کافور ہو گئے تری آتش مزاج سے
سب بوالہوس تھے کون تھا مجھ سا بلا پسند

ہم نے انھیں جو خط میں لکھا مصدرِ کرم
لکھتے ہیں وہ جواب میں اے ابتلا پسند

خلخال زیبِ پا کیا اس رشکِ حور نے
زنجیرِ پا کی میرے جو آئی صدا پسند

البتہ قدرداں ہیں ترے شعر کے خلیلؔ
وہ لوگ جن کی طبع ہے نغز و صفا پسند

(شمع سخن، نمبر ۶ و ۷ جلد ۱ سنہ ۱۸۸۴ء)

اطالیہ پر تبصرہ

میں نے یہ تبصرہ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں لکھا تھا اور اس کو شمالی ہند اور دکن کے دو مشہور و معروف اداروں کو جن کا مقصد وحید اردو کا تحفظ ہے، اشاعت کے لئے بھیجا تھا، لیکن انھوں نے ابھی تک التفات نہیں کیا۔ اب اگرچہ افضل العلماء عبدالحق، مرحوم ہو چکے ہیں، لیکن میں نے اس تبصرے کے زمانے میں کوئی تبدیلی نہیں کی، کیونکہ میں اپنے ضمیر کو اس ملامت سے بچانا چاہتا ہوں کہ دو برس سے ریاست میسور کے صدہا طلبہ کی اردو خراب ہو رہی ہے اور میں اس کا تدارک نہ کر سکا اس لئے میں نے اپنے اطمینان کے لئے یہ تصور کر لیا ہے کہ یہ تبصرہ اکتوبر سنہ ۱۹۵۷ء میں شائع ہو رہا ہے۔

افضل العلماء خان بہادر ڈاکٹر ایم۔ عبدالحق ایم۔اے۔ ڈی۔فل (آکسن) کی تصنیف جس کا نام اطالیہ ہے اور جس کا سائز ۵ × ۷ ہے اور جس کے صفحے ۱۳۵ ہیں، سنہ ۱۹۵۶ میں قلمبند ہوئی ہے۔
وجہ تصنیف یہ ہے کہ افضل العلماء نے سنہ ۱۹۱۶ء میں فضیحة خادم میں ایک انگریزی کتاب جس کا نام ITALY ہے پڑھی تو آپکے دل میں اس ملک کے سیر کرنے کی آرزو پیدا ہوئی تھی جو سنہ ۱۹۳۶ء میں بیس سال بعد پوری ہوئی اس سیر کے تاثرات آپ کے دل و دماغ میں بیس سال تک تختہ ہوتے رہنے کے بعد قلمبند ہوئے ہیں، یہ کتاب جامعۂ میسور کے پری یونی ورسٹی کورس کے اردو کے نصاب میں داخل ہے، اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ اس کتاب کے پڑھنے سے ریاست میسور کے صدہا طلبہ کی اردو بگڑ جائے گی تو میں ہرگز اس کتاب پر تبصرہ نہ کرتا، مجھے یقین ہے کہ اردو کے تحفظ میں میرے اس اقدام سے افضل العلماء کو شکایت نہ ہو گی اور انھیں اپنے ذاتی مفاد سے بڑھ کر طلبہ کا مفاد عزیز ہو گا۔

جامعۂ میسور کے کالجوں کے طلبہ سے میری یہ خواہش ہے کہ وہ اطالیہ پڑھتے وقت میرے اس تبصرے کے مطابق اپنی کتابوں کو درست کرلیں، اس تبصرے میں اطالیہ کی جن غلطیوں کا مذکور ہے وہ صرف مشتے نمونہ از خروارے ہیں اور میں نے اطالیہ کی صرف اردو زبان پر ایک سرسری نظر ڈالی ہے، اس کے مطالب کا تعلق تاریخ اور جغرافیہ سے ہے اور کوئی صاحب جو یورپ کی تاریخ و جغرافیہ جانتے ہیں بتا سکتے ہیں کہ فنی طور پر اس کتاب کا کیا درجہ ہے، اور انگریزی کتاب ITALY سے اس کو کیا تعلق ہے،

I لفظوں کا غلط استعمال :-

صفحہ ۱۶/۷/سطر تماش بینوں کے لئے بیٹھنے اور تماشا دیکھنے کے لئے گیلریوں کا انتظام ہے،
افضل العلماء نے آٹھ بار تماشائی کے لئے تماش بین کا لفظ استعمال کیا ہے :-

۱۸/۴ و ۱۲ - ۳۰/۱۵ - ۶۵/۲ و ۶ - ۹۴/۱۳ - ۹۵/۵

لیکن صفحہ ۹۴ کے بعد "فلیوین امیفی تھیٹر" کی جو تصویر ہے اس کے نیچے لکھا ہے "....... اس میں ۸۰ ہزار تماشائی سما سکتے ہیں ......" یعنے افضل العلماء کی نظر سے تماشائی کا لفظ اوجھل نہیں لیکن وہ اس کی جگہ تماش بیں کو افضل سمجھتے ہیں، جو اردو کے محاورے میں متبذل ہے، اردو میں تماش بین عیاش، اوباش، بدکار کو کہتے ہیں، اور تماشا دیکھنے والا تماشائی ہے۔ (گلشن فیض)

۱۷/۷ "کلوسیم بھی مختلف رنگوں کی مرمریں سطوں سے آراستہ و پیراستہ تھا۔

۷۸/۳ "فلارنس کی (کذا) گرجا اور اس کے (کذا) متعلقہ عمارتیں سنگ مرمر کے رنگین اور منقش پتھروں سے آراستہ و پیراستہ ہیں،

آرائش کی چیزیں بڑھانے سے جو زینت بڑھے اس کو آراستگی کہتے ہیں اور ناگوار چیزوں کے دور کرنے سے جو زینت ہو اس کو پیراستگی کہتے ہیں اس کے پیش نظر کسی عمارت کا مختلف رنگوں کی مرمریں سطوں سے آراستہ ہونا تو واضح ہے، لیکن کسی عمارت کا سنگ مرمر کے رنگین اور منقش پتھروں سے پیراستہ ہونا ذرا انوکھی بات ہے، افضل العلما پیراستن کے معنے برہان قاطع میں ملاحظہ فرمائیں،

۸۵/۶ "راکھ اور جلتے جلتے پتھروں نے انسانی لاشوں کو بالکل منجمد کر دیا ہے، بجائے راکھ اور جلتے پتھروں نے ......

۸۷/۱-۲ "سنگ مرمر اور alabaster کی کشتیاں بنائی ہوئی خوب صورت ستونوں پر رکھی ہوئی ہیں، بجائے سنگ مرمر اور alabaster کی کشتیاں خوب صورت ستونوں پر رکھی ہوئی ہیں، اردو کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ سنگ مرمر کی کشتی کے معنے ہیں، سنگ مرمر کی بنی ہوئی کشتی (اضافت بیانی)

۱۰۲/۲ "بچے اور کم سن لڑکے اور لڑکیاں اکثر برف کے چنڈول بناتے اور ایک دوسرے پر پھینکتے ہیں، یہ چنڈول ایک خوش آواز چڑیا نہیں ہے بلکہ برف کے چنڈول سے افضل العلماء کی مراد برف کی گیند ہے، گیند کو کنڑی زبان میں چنڈو کہتے ہیں، میسور کے اردو بولنے والے عوام اور جیسا کہ افضل العلما

کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے مدراس کے عوام بھی چنڈو کے آخر میں لام بڑھا کر چنڈول کہتے ہیں،

۱۰۳/۶ ایسی لکڑیاں جن کی نچلی انی نوک دار ہوتی ہے انی (اردو) اور نوک (فارسی) دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ پھر انی نوک دار ہوتی ہے، کے کیا معنے! شاید کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ایسی لکڑیاں جن کا ایک سرا نوک دار ہوتا ہے۔

۱۱۱/۱۱ اس جزیرے میں ایک عظیم الشان پہاڑ ہے اور اس کے سرے پر بہت بڑا سوراخ ہے سرے کے معنے ہیں کنارے پر حال آں کہ افضل العلماء کہنا چاہتے ہیں کہ پہاڑ کے سر پر یا چوٹی پر بہت بڑا سوراخ ہے۔

۱۰۶/۱۴ موداں کی جانے والی ریل، بجائے موداں کو جانے والی ریل،

۱۱۹/۹ آزادی کی تحریک کی جان اور روح وروان مازنی ہے، بجائے .... روح روان ...،

۵۳/۹ بدولت کا لفظ تعمیری معنوں میں استعمال ہوتا ہے، نہ کہ تخریبی، چناں چہ نور اللغات میں بدولت کے یہ معنے لکھے ہیں، بدولت (ف مجازاً آسرا) سبب سے، ذریعے سے، طفیل سے، اقبال سے (فقرہ) ہم نے حضور کی بدولت آج یہ دن دیکھا، اس لیے افضل العلماء کا یہ جملہ کہ "یہاں کی چھت بھی اکثر وزن کی بدولت ٹوٹ کر گر گئے" لغت اور گرامر دونوں کا ایک نادر نمونہ ہے۔

II محاورے اور روزمرے کی غلطی :۔

۱۱/۲ فوجوں نے بہت دنوں تک اس ملک میں پڑاؤ کیا تھا، بجائے پڑاؤ ڈال دیا تھا

۱۱/۹ دو یتیم کم سن بچے روممس اور رامیولس جنگل میں باپ اور ماں کے مرنے کے بعد بے یار و مددگار تھے، بجائے ماں باپ کے مرنے کے بعد۔

۶۷/۹ سیاہی کی دوات اور قلم، بجائے قلم دوات،

۹۴/۳ دنیا کے مختلف گوشے گوشے سے یہاں لوگ موسم گرما میں تفریح اور سیر کے لیے آیا کرتے ہیں، بجائے مختلف گوشوں سے یا گوشے گوشے سے،

۱۷/۱۳ اس کا وسیع میدان گیلریوں کے بیچوں بیچ کھیل اور تماشے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، بجائے کھیل تماشے،

III الفاظ کا فضول استعمال :۔

۴/۱۱ انھوں نے اکثر صوبہ جات چھوڑ دئے، بجائے صوبے چھوڑ دئے،

۱۲/۲۰ صوبہ جات کے (کذا) جنگوں سے، بجائے صوبوں کی جنگوں سے،

۱/۱۲ پانچ سو سال پہلے، بجائے پان سو سال پہلے

۳/۱۳ یہیں صوبہ جات کے حاکموں کا انتخاب ہوتا تھا، بجائے صوبوں کے،

IV تلفظ کی غلطی :-

۹/۵۵ بعینہ (بِ، عَیٓ، نِ، ہ) عربی کا تلفظ ہے' اردو میں بِ عَیَ نِ ہْ بولتے ہیں،

V قواعد کی غلطی :-

۴/۱۲۲ گری بالڈی بڑی ہی تیزی سے کام لیا، بجائے گری بالڈی نے ....

۷/۱۳۵ تا ۹ ان ہی اصولوں کو بنیاد سیاست قرار دیا ہے' اور ایک مدت تک یورپ کی سیاست ان اصول پر رہی ہے، اس جملے میں اصول قاعدے اور قانون کے معنے میں آیا ہے یہ لفظ اردو میں واحد اور جمع دونوں ہے، لیکن اصول کے بعد صرف عامل آتا ہے تو اس کی جمع آخر میں وں بڑھاکر بناتے ہیں اس لئے ان اصول پر غلط اور ان اصولوں پر صحیح ہے، ان اصول پر کے معنے ہیں ان اصولوں پر

۱۳/۲۱ سوائے داخلے کے دروازے کے، بجائے داخلے کے دروازے کے سوا (داخلہ کا دروازہ اردو لفظ ہے)

۵/۲۴ سوائے عیسائیوں کے، بجائے عیسائیوں کے سوا

۶/۴۶ سوائے تودۂ خاک اور راکھ کے ڈھیر کے، بجائے تودۂ خاک اور راکھ کے ڈھیر کے سوا،

۲/۷۳ سوائے اس علاقے کے، بجائے اس علاقے کے سوا،

۱۵/۸۳ سوائے تالابوں اور نہروں کے، بجائے تالابوں اور نہروں کے سوا،

۵/۸۴ سوائے کشتیوں کے، بجائے کشتیوں کے سوا،

"سوا کی اضافت ہندی الفاظ کے ساتھ خلاف فصاحت ہے، عربی فارسی الفاظ کے ساتھ جائز ہے، اضافت کی حالت میں ی زیادہ کر دیتے ہیں، جیسے سوائے صبر کچھ چارہ نہیں"۔ نور اللغات

"سوائے اس کے، حرف یا بعد لفظ سوا تحریر ہوا ہے، حالاں کہ اس یا کو بجائے اضافت تحریر کرتے ہیں، پس اضافت لفظ عربی بطرف لفظ ہندی غلط ہے"، تطہیر الاوساخ لنسخ النساخ مصنفۂ منشی مرزا محمد رضا صاحب المتخلص بہ معجز

۵۱/۱۳ اب ان برآمدوں کے چھت باقی نہیں، بجائے اب برآمدوں کی چھتیں باقی نہیں۔

۵۳/۹ یہاں کے چھت بھی اکثر مذن کی بدولت ٹوٹ کر گر گئے، بجائے یہاں کی چھتیں بھی اکثر مذن کے سبب ٹوٹ کر گر گئیں۔

۶۱/۱۶ ایک گھر جس کے چھت اپنی اصلی حالت پر ہیں، بجائے ایک گھر جس کی چھتیں اپنی اصلی حالت پر ہیں۔

ڈاکٹر گوپال رڈی وزیر فنانس حیدرآباد کی اردو تقریر "ہماری زبان" مؤرخہ ۱۵ اکتوبر سنہ ۵۷ ع میں چھپی ہے اس کا ایک جملہ یہ ہے "میں کبھی مونث کو مذکر اور مذکر کو مونث بول دیتا ہوں، اور جب میں کسی پر مونث سمجھ کر نظر ڈالتا ہوں اور وہ مذکر بن کر میرے سامنے آتا ہے تو مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے" ڈاکٹر رڈی جن کی مادری زبان اردو نہیں مذکر کو مونث اور مونث کو مذکر بول دیتے ہیں، اور اس پر انہیں شرمندگی ہوتی ہے تو ان کا یہ انکسار اردو بولنے والوں کے لئے باعث فخر ہے لیکن افضل العلما کے لفظ چھت پر مذکر سمجھ کر بار بار نظر ڈالنے سے اردو بولنے والوں کو شرمندگی ہوتی ہے،

۲۰/۱۳ صوبہ جات کے جنگوں میں۔ ۵۰/۱۴ اپنے اصلی حالت پر، ۵۸/۳ گلی کے دوسرے جانب، ۸۰/۲ (فلارنس کی گرجا) اور اس کے متعلقہ عمارتیں۔ ۱۰۴/۱ ایسے چوٹیوں کو، ۱۱۲/۱ پہاڑ کے شمالی جانب، ۱۱۶/۳ بیسویں صدی کے تین بڑی شخصیتوں، ۱۲۲/۷ روم کے شاہی فوجوں کے سامنے۔

افضل العلما نے مذکورہ بالا (چھت، جنگ، حالت، جانب، عمارت، چوٹی، شخصیت، فوج) آٹھ مونث لفظوں کو مذکر اور "فلارنس کی گرجا" میں گرجا کو مونث استعمال کیا ہے، اس اہتمام سے ان کا یہ قصد معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے سب مذکر الفاظ کو مونث اور مونث کو مذکر بنا دیں۔

اس کتاب میں قواعد اردو کے لحاظ سے رسم خط کی غلطیاں بے شمار ہیں، مثلاً صفحہ ۲ میں تین غلطیاں ہیں، ۱ نقشہ میں بجائے نقشے میں، ۲ شمالی حصہ میں بجائے شمالی حصے میں، ۳ علاقہ پر بجائے علاقے پر اور اسی پر قیاس کیجئے۔

VI اسلوب بیان کی خامی :۔

۸/۴ اس (اطالیہ) لمبوترے سے جزیرہ نما کا اگر نقشہ میں دیکھو تو محسوس ہوگا کہ اس کی صورت

ایک ایسے پاؤں کے مشابہ ہے جس پر پتلون ہو، اس کا نچلا حصہ بالکل بوٹ کے مشابہ ہے۔

پتلون کے دو پائنچے ہوتے ہیں لیکن یہ دونوں پائنچے ایک پاؤں پر نہیں ہوتے، بلکہ پتلون کے ایک پائنچے میں ایک پاؤں ہوتا ہے، افضل العلماء یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "....... اس کی صورت اس پاؤں کے مشابہ ہے جو پتلون میں ہو، ظاہر ہے کہ ایک پاؤں ایک ہی پائنچے میں ہو سکتا ہے

۳۴/ ۱ تا ۴ روما سے ستائیس میل دور ایک چھوٹا سا خوش نما قصبہ "بیتولی" ہے جس میں ایک نہایت عمدہ باغ، مصنوعی آبشار اور خوب صورت فوارے بنے ہوئے ایک محل تھا، بجائے ...... قصبہ "بیتولی" ہے، یہاں ایک محل تھا، جس میں ایک نہایت عمدہ باغ تھا، مصنوعی آبشار اور خوب صورت فوارے بنے ہوئے تھے۔

۶۳/ ۹-۱۰ دیواروں کے بعض حصوں پہ ٹوٹے ہوئے پلاسٹر میں فرشتوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں بجائے ...... بعض حصوں پر پلاسٹر میں جو اب ٹوٹا ہوا ہے فرشتوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں، ٹوٹے ہوئے پلاسٹر میں تصویریں بنانا اور تصویریں بنانے کے بعد پلاسٹر کا ٹوٹ جانا ان میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔

۱۲/۱۴ قسطنطنیہ جس کو استنبول کہتے ہیں اپنا صدر مقام بنایا، بجائے قسطنطنیہ کو جس استنبول بھی کہتے ہیں اپنا صدر مقام بنایا۔

۱۱۲/ ۳ تا ۵ کبھی کبھی یہ پتھر شاید کئی من اور کئی ٹن وزنی ہوتے ہوں گے، جن کو اندر کی طاقت باہر دبانے سے کئی قدم کی بلندی پر اچھال دیتی ہے، اور اس کے ساتھ شعلے بلند ہو کر گویا آسمان کی خبر لاتے ہیں، یہ پراگندہ انداز بیان جس کی مثالیں اطالیہ میں بکثرت ہیں، طلبہ کے لئے ناقابل فہم ہے۔ اندر کی طاقت باہر دبانے سے، کے کیا معنے؟ شاید کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جن کو اندر کی طاقت باہر کئی ہاتھ اوپر اچھال دیتی ہے۔

افضل العلماء نے "پہاڑ کے سرے پر کئی قدم کی بلندی پر جلتے پتھروں کے اچھلنے کا جو سماں باندھا ہے اس میں صنعت طباق ہے۔

رسالۂ احکام النکاح

یعنے حکم نامۂ حضرت ٹیپو سلطان شہید نور اللہ مرقدہ کہ علمائے کرام و مشایخ ذی احترام اہل سنت بحکم سلطانی مرتب ساختند تا کافۂ اہل اسلام کہ رعایائے سلطانی ہستند بریں عمل نمایند

از بارگاہ حضرت

ظل سبحانی خلیفۃ الرحمن حضرت ٹیپو سلطان بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ سلطنتہٗ بہ محمد اشرف آصف و میر خازن ضلع کڑپہ نوشتہ شد،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سید الانام شافع یوم القیام محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین ، اما بعد ایں رسالہ محتوی بر رسوم شادی کدخدائی کہ سابق اہل اسلام ہند و دکن مطابق رسم کفارہ و جہال قباحت بر امرے نغمیہ بعمل می آوردند آنرا منسوخ فرمودہ مطابق شرع شریف و حدیث نبوی و رسم شرفا و نجبا حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمن اعنی حضرت ٹیپو سلطان بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ دریں زمان خجستہ تقریر فرمودند کہ کافۂ انام از خواص و عوام بداں عمل نمایند، بایں طریق اول نسبت تقرر کردہ شرع شادی بایں طریق نمایند اول درخانۂ نوشہ و درخانۂ عروس اول درہم قوم و ہم مذہب نسبت اشراف با اشراف و غیر اشراف و بغیر اشراف بمصداق کلام الٰہی الحر بالحر و العبد بالعبد شاہدے خادم شرع محمد کہ عبارت بقاضی باشد مقرر نمودہ اول یک روز بقدر مقدور خود با طہارت طعام لطیف با نبات و شیر تیار نمودہ فاتحۂ نیاز حضرت خاتم المرسلین و آل و اصحاب کبار خصوصاً نیاز حضرت شاہ ولایت خواندہ مردم اشراف و اہل را طعام باید خورانید، روز دویم طعام لطیف با شیر و نبات با طہارت تیار نمودہ فاتحۂ نیاز حضرت خاتونِ جنت کہ شفیعۂ جمیع نساء ہستند خواندہ با نساء سادات و قریش کہ اشراف و عاصم باشند و قابل صرف نیاز موصوف بودہ باشند باید خورانید و جائے خورانیدن و تیاری طعام مذکور از قسم ذکور از طفل یک سالگی تا عمر شباب و شیخی رفتن و خوردن نباید و ابعد ازاں بنا خلعت بہائی طرفین مردم طرفین ذکور و نساء با خلعت و شیرینی و برگ تنبول و گلی وغیرہ لوازمات آں بخانۂ طرفین رفتہ ذکور در مجلس ذکور و نساء

درمجلس نساء رفتہ نشستہ خلعت ذمہ اہل خانہ آنہا باید کرد و باید گفت کہ قطع و برید خلعت موافق پیمایش نمودہ بدہند و بعد قطع نمودہ دادن خلعت مردم طرفین را شربت بی ترشی خورانیدہ و برگ تنبول و گل و عطر وغیرہ مدارات نمودہ روانہ باید کرد، **روز سوم** رسم ہلدی کہ رسم کفار است موقوف کردہ درعوض آں چکسہ و حنا و عطر باید فرستاد درعوض فرستادن تیل عطر باید فرستاد و رسم کہ از تبرمی نمایند موقوف کردہ فقط از دست باید لید درعوض چوک یک زیرانداز زردوزی یا باناتی بقدر دست رس خود فرش کردہ براں چوکی نقرئی یا چوکی رنگین چوبی نہادہ و براں فرش زردوزی یا سرخ بقدر مقدور خود فرش کردہ براں نوشہ را نشاندہ عوض تیل ہلدی چکسہ و عطر کم کم بہ بدن و پارچہ بمالند و رسم بستن کنگن کہ رسم کفار است موقوف و باین مضمون ابیات بخوانند کہ روز رسم و خور سند لیست آنکہ تائید و یمن و برکت محمد رسول اللہ خاتم النبیین عطر و چکسہ و حنا می مالم تا ایں شادی و ایں سہاگ ہمیشہ قایم و دایم باسید انست، ابیات عطر و چکسہ و حنا مالی

خدا کے فضل اور عنایات سوں — محمد نبی کے برکات سوں
بہی تائید سے چار یاراں کی ہیں — اتا لی عطر اور چکسہ کے تئیں
بھی نوشہ و عاروس کے تن اپر — لی ہوں الٰہی مبارک تو کر
خدا کے مدد سوں لگاؤں حنا — کہ تا لال مرجاں سو ہو دست و پا
کہ مرجان کو حق قرآن میں، — سرایا ہے لی سور رحمٰن میں
رہے قائم و دائم و استوار — سہاگِ عروس اور نوشہ کا پیار
اس شادی ہوئی میمنت ان اپر — فلک پر رہے تا کہ شمس و قمر

روز چہارم بعد از مغرب نوشہ غسل کردہ و خلعت کہ از خانہ عروس آمدہ است پوشیدہ و سہرہ گل فقط کہ مستحب است، بدانکہ بستن سہرہ کہ از گلہا می سازند بر سر نوشہ و عروس جائز است زیرا کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ از دست مبارک خویش سہرہ گلہا بر سر امیر المومنین حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بستہ اند و اگر کسے تکلف نمودہ سہرہ مروارید و نقرے بہ بند و مضایقہ ندارد بر دستار بستہ بار دوشی گرد فر بقدر مقدور بخانہ عروس رفتہ نکاح موافق قاعدہ اہل اسلام بنمایند و وقتیکہ جلوہ میدہند آں زماں بر پلنگ یا چتر پلنگ عروس را نشاندہ و نوشہ را بر چوکی نشاندہ درمیان عروس و نوشہ پردہ مہتابی یا سرخ بقدر مقدور گرفتہ مشاطہ یعنے جلوہ افزا درمیان عروس و نوشہ

نشستہ

نشستہ، ابیات جلوہ بخوانند وآں ابیات این است نظم

حمد خدا کے بعد از صلواۃ پہنچا باہم　　　وقت اجابت ہی یہ مانگوں دعا مقدم
آدم صفی و حوا جیسا تھے مل باالفت　　　کرکیک کی یک اطاعت دائم انیس و ہمدم
ویسا چہ رکھ اے داور نوشہ عروس کیتیں　　　قائم بعیش و عشرت مسرور شاد باہم
طوفان دہر سیتی امن و اماں میں انکوں　　　اپنی فضل سے رکھ توں جوں نوح کے مسلم
جیسا خلیل و سارا اور ہاجراں اساکوں　　　رکھ توں ہمیشہ یارب انست کے تھے ساہرم
شل ذبیح و بالہ رہتی تھی جوں بانست　　　انکوں بھی وو بچہ رکھ توں الفت کنے بیچ محکم
مہر و وفا سے موسیٰ جیسا تھے باصفورا　　　رکھ وو بچہ ان دونوں کو باہم عزیز عالم
نوشہ عروس کیتیں باہم انیس رکھ توں　　　جو تھے فلک پہ جو لگ رہیگی ابن مریم
با مصطفیٰ امجت الفت سوں کر اطاعت　　　جو عایشہ خدیجہ رہتی تھی بس مکرم
عاروس اور نوشہ رہویں اسیطرح سوں　　　باہم مطیع و مونس دائم رفیق و محرم
خیر النسا سوں جو نکے رکھتے تھے شاہ مرداں　　　آداب پاس و حرمت باالفت مصمم
انکوں بھی رکھ ہمیشہ ویسا چہ باطاعت　　　اخلاص اور خوشی سوں قائم ہیں تاکہ عالم
حسنین کے جوں ازواج با عصمت و مودت　　　راضی رکھے تھے انکوں کہ بندگی کوں ہم ہم
یہ بھی عروس کیتیں نوشہ کے ساتھ دائم　　　ویسا چہ رکھ باالفت طاعت کے تھے سابے غم
سارے نبی و مرسل سب اولیائے اکمل　　　قائم رکھو انھوں کوں جب لگ ہے نجم اعظم
بوبکر ہور عمر ہم عثمان فی حیا بھی　　　رکھنا کرم انوپر تا رہیں دوام اسلم
سلطاں کے زیر سایہ جب لگ ہے چرخ و غبرا　　　دائم رہیں یہ دونوں خورسند و شاد و خرم
فتح و ظفر سوں رکھ توں سلطان دین کی یار　　　اعدائے دیں کے اوپر یکبہ یاں پو جیسا ضیغم
اہل فرنگ مشرک ارباب فسق و مرتد　　　جو مرغ پر بریدہ لرنی سو رہویں پر کم
غیر از فرار انکوں سو جھے نہ کام دوسرا　　　انوار مہر سوں جوں ہوتے ستارے برہم
روئے زمیں یکسر مشرق سے تا بہ مغرب　　　اپنی کرم سوں کر توں سلطان کی زیر خاتم
بر خسروانِ ماضی حال و مضارع اوپر　　　دنیا و دیں میں یارب سلطاں کو رکھ معظم

بعد از جلوه افزا یعنے مشاطه از دست خود برده برآورده اول کلام الله را وا نموده سورهٔ اخلاص برآورده
عروس و نوشه را بنماید بعده سورهٔ اخلاص یعنے قل هو الله و آیة الکرسی و سورهٔ حمد سه اول و آخر
درود هفت بار خوانده نوشه را بر پلنگ عروس رو بسوی قبله نشانده روی عروس و نوشه در یکجا و در
یک آئینه یکبار نموده وقت این در یک رکابی قدرے نبات گذاشته ازاں قدرے قدرے نبات
برداشته در دهانِ عروس بدستِ نوشه انداز و بعد ازاں وقت آوردن عروس بخانهٔ نوشه باید که
نوشه عروس را گرفته از دست راست خود و تا دروازه برده اندرون میانه عروس را نشاند و بر اسپ سواری
خود سوار شده بخانهٔ خود بیاید و میانهٔ عروس علاحده بخانهٔ نوشه باید برد و همراه سواری نوشه سواری عروس
نباید آورد و چوں عروس را در خانه آرند باید که بوقت داخل شدن در خانه بسم الله الرحمن الرحیم بگوید و
عروس را بر تخت یا بر چوکی نشانیده پاے او از آب شسته آں آب گرد بر گرد خانه پراگنده اندازد تا برکتے
پدید آید و در همان روز شالی بریان یعنے کھلیاں بر سر نوشه و عروس بریزد و نوشه وضو کرده جانماز
فرش نموده عروس را نزد یک جانماز نشانده یک پلوے دامن عروس جائے سجده گا گذاشته و بران دوگانه
نمازِ نفل نوشه ادا نماید باید که سجده بر پلوی مذکور باید کنانیدند زیرا که درین ملک از جانب زناں سنت انگاشت کرد؛
بعد آوردن عروس در خانه طعام تیار کرده فاتحه بنام حضرت پیغمبر داده همسائیگان و قرابتاں و دوستاں را
طلب کرده بخورانند که مسنون است و این طعام را طعام ولیمه گویند و بعد از نکاح نوشه و عروس تا یک هفته
باید که غسل به بدن روغن مالیده وقت احتیاج باید کرد که سنت است و اشیائے ترش و تلخ یعنے فلفل وغیره
تا یک هفته نوشه و عروس نخورند که مضر است و حکم پیغمبر است و تا یک هفته عروس و نوشه علیحده نخسپند اگر
کودک باشد مضایقه ندارد علیحده بخسپند و باید که تا هفته عروس و نوشه بقدر مقدور خوشبوئی به بدن
و پارچه بمالند و تا هفته مرد بچشم سرمه و عروس کاجل بچشم و مِسّی بلبهاں استعمال کنند و عوض رسم کنگن
رسم نشاط که روز چهارم است باید کرد رسم نشاط که مقرر یافته این که باید که از خانهٔ عروس فرزند خسر یا دیگر
کسے از قسم مرد بنابر طلب نوشه آمده وقت چهار گھڑی روز باقی مانده و سر شام نوشه را با روشنی
و کرّ و فر بخانهٔ عروس مع عروس برده نوشه و عروس را یک جا در خانهٔ خسر نشانده رو بروئے عروس
و نوشه در یک طبق چهار پیاله شیر و در یک شهد و در یک شربت گلاب انداخته بی ترشی و در یک آب گلاب
انداخته رو بروئے گذاشته جلوه فزا رو برو نشسته مع نوشه، فاتحه بنام رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم

خوانده سورهٔ اخلاص ۳ بار اوّل و آخر درود سه بار خوانده شهد آب از پیالهائے مذکور گرفته
بنوشد، شیر و شربت بعروس بخورانند بعد ازاں بهمه مردم تقسیم نماید و جلوهٔ فزا از دستِ خود میریانِ عروس
بکشاید و در رسم خانه سایابی یعنے هات برتانه اگر نوشه و عروس کم از دوازده ساله باشند بطریق قدیم که
اینست نمایند یک روز بعد از فراغت از رسم نشاط مردم قرابت وغیره را در خانهٔ خود نوشه طلب کرده
در خانهٔ عروس و نوشه را یکجا نشانده گل و لباس تازه پوشانند، قرابتانِ عروس را نیز بقدر تیسیر خلعت ها
بکنند بعد ازاں شیر و برنج تیار کرده از دست عروس و نوشه از چمچه باهم بیامیزند؛ از دست هر دو
پوریاں تیار کنانند و همه مردم را طعام خورانیده رخصت بدهند و اگر زیاده از دوازده ساله موقوف کنند
و در جمعه عروس و نوشه را بخانهٔ خسر طلبیده خلعت و پهول بقدر وسعت کرده و پوشانیده روانه
بکنند و شیر نوشه و عروس باهم نخورند،

کتبه، داروغه محمد ابراهیم علاقهٔ شاهزاده بلند اقبال محمد سبحان صاحب سلمه ربه

قصیدہ تاریخ

شہادت سلطان شہید از حسین علی کرمانی تخلص حاکم

ای فلک بس تو سفلہ پرور ہے — نیک و بدخواہ و کینہ آور ہے
تیری خانہ خرابیاں جگہ میں ، — یکسر اہل جہاں پہ اظہر ہے
ہے نیک کاروں کو ، — ظلم کا تیری ہات خنجر ہے
پاک بی رحم و صاف بد اخلاق — حیلہ گر اور سخت بدتر ہے
اہل عالم تری کسی نالاں ہین — چب بالم ان تری ہی سی تر ہے
جلتی ہی آگ یوں تری ہی سبب — خاک بر سر تری سی صرصر ہے
شکوہ دہر کسی عرض کرون — کون اس شان و فر کا داور ہے
کفر پرور نہ کیون ہو تو کہ تجہے — پاس شرع رسول کمتر ہے
اہل اسلام کی پناہ کو اب — کہہ تو بدبخت کون کیہر ہے
بہر تاراجی مسلماناں — تجہہ سی جو کچہ ہوا سو بہتر ہے
اری ظالم تو اپنی گردش میں — کیا کیا جور و جفا کا مصدر ہے
اب جو چاہی سو کر ای خانہ خراب — پر وہی ہو جو کچہ مقدر ہے
جب مین دیکہا ہزارہا عالم — شور و غوغا سی ہوت مضطر ہے
کوی تڑپی ہی کوی زمیں پر لڑی — خاک اور خون کسیکی سر پر ہے
از زمین تا فلک ہی شور غزا — جسکو دیکہو لب ہو بس ممدر ہے
جزو کل زیر بار آہ و دریغ — اضطرابی بایک دیگر ہے
اہل دنیا و دینکی دلکی خوشی — جگہ سی نابود اب سراسر ہے
نان بوہ شکستہ شد کا صدا — اسمان تک سنا و ہر دو سیے
دہوم ماتم مچی باہل زمیں — نعرہ زن بحر و خشک لب ہی

اسماں پر نظر کیا اس دم　　غم سی جل رنگ مہر اصفر ہی
دود آہ زمینیان سی ہای　　شکل ماہ فلک سیہ تر ہی
زہرہ گیسو کو نوچ کر اپنی　　سر نگوں سخت ماتم اندر ہی
اتش سوگ سی تمام سیاہ　　اہ جل بھن زحل کا پیکر ہی
مشتری اپنی تازہ روئی تجہ　　خشک لب جیسی ارض بنجر ہی
روز نامہ تجا فلک کا دبیر　　سامنی اوسکی غمکا دفتر ہی
حسرت واہ اسکی سپاہی چرخ　　غافل از تیغ و تیر مغفر ہی
ابر کی بر میں نیلگوں خامہ　　شب کی سر پر سیاہ معجر ہی
حالت باغ و بن میں کیا بولوں　　برگ ہی زرد و شاخ بی بر ہی
خار درد و الم سی افسر　　بلبل آسا دل گل ابتر ہی
کر سرایت حرارت غم و درد　　یرقان مین اسیر عبہر ہی
سرو حیرت سی بستہ دم ہو گئی　　لب سوسن بنالہ ہمسر ہی
کہو سرو اپنا فاختہ کی طرح　　کو کو کہتا ہوا کبوتر ہی
لوہو جاری ہی چشم لالہ سی　　داغ درد و الم جگر پر ہی
اہل چمن سی ہو ہی دریغ　　غرق خون میں وہ پا سی تا سر ہی
جی میں گہبرایا میں یہہ حالت دیکہ　　کہا گم آج روز محشر ہی
پوچہا احوال سب لگی کہنی　　پوچہتا کیا تو ای برادر ہی
دین و دنیا کی ہو رہی تاراجی　　خستہ تر مسجد اور منبر ہی
ایک سی تا ہزار اب افسوس　　دیکہی ہی جسکو زہرہ مضطر ہی
دیکہی تو جسکی نعش کو ہیہات　　ہی سلطان ہفت کشور ہی
خاک و خون میں نہان تن نازک　　روح پاک اوسکا عرش اوپر ہی
چہرہ خورشید سا ہی بس تابان　　رخ صفا تر ز ماہ انور ہی
صولت و شان و جاہ بس ہی نمود　　غالب و سید جیوں غضنفر ہی

حامی دین و اہل اسلام آہ
صاحب تخت و افسر ہے

اس پہ روتی ہیں سب زمین و زمان
ہر الم کہتر اور مہتر پہ ہے

نام پوچھا میں اوس سے یا تاریخ
کون یہ شاہ نام آور ہے

بولی مجھکو سنا کے سر کو پیٹ کر
ٹیپو سلطان شہید اکبر ہی

حق نے کہی اوسکو شاد جنت میں
حور و رضوان کا نائبہ جبہومر ہے

رحمت حق ہو اوسکی مرقد پر
جب تلک مہر و ماہ و اختر رہی

جتنی ابیات ہیں قصیدہ کی
وتنی ہی اس شہ مقرب ہے

بس ای حاکم تو اس الم کے طفیل
سینہ ریش و کفن نام آور ہے

تمام شد

رسالۂ منہرن

از

حضرت مخدوم سید حسینی گیسو دراز قدس سرہٗ

۷۸۶

طرف سے سید وجہ اللہ شاہ قادری کمبل پوش کے عبداللطیف صاحب کو بعد دعا سلام کے واضح ہوے ہم تمام خیریت اور خیریت تماری نیک چہاتے ہیں دیگر کیفیت یہ ہے رمضان المبارک میں ایک خط روانہ کیا بعد ماہ ذی الحجہ بھی خیریت میں پہنچا ہے۔ اب لگ کوئی کیفیت نہیں روانہ کئے۔ آپ تحریر کیے تھے۔ کتاب من ہرن تحریر کر کر روانہ کرو یہ کتاب کے سوا دوسری کتاب نیں جو میرے نزدیک تھی وہ تحریر کر کر روانہ کیا ہوں اور دوسری بھی میسر نیں ہوتی فقط تمام صاحبوں کو دوعا سلام کہدینا فقط

یہ رسالہ منہرن حضرت مخدوم سید حسینی گیسو دراز قدسرہٗ سے ایجاد ہے۔

اے نفیر واضح ہو کہ تو باپ کے سات ماں اوران کے چار فرزند ننگے ہیں اوسیں ایک کو کپڑا ہے۔ اوسکے استین میں پیسے تھے چاروں ملکہ بازار کو گئے وہ بازار جو بیس جنساں کا تھا اوس بازار میں چار کمانیں تھے۔ تین ٹوٹیاں ایک کو چلہ اور گوشہ نہیں۔ جس کے آستین میں پیسے تھے اوسنے جسے چلہ اور گوشہ (نہ) تھا سو وہ کمان لیا اور چار تیر تھے تین توٹے یک کو سوفار اور میانہ (نہ) تھا جس کو سوفار اور میانہ تھا سو وہ تیر لے کے چلے جاتے تھے وہاں چار ہرن تھے۔ تین موے اور ایک کو جی نہیں۔ جس کو جی نہیں اس ہرن کو جیسا تیر کو سوفار اور میانہ نہ تھا وہ تیر سے مارے۔ بعد رسی باندھنے کو دیکھے وہاں چار رسیاں تھے تین توٹے ایک کو آنی و میانہ نہ تھا۔ سو اوس رسی سے باندھ کر اوس ہرن کو پکانے کے واسطے لے چلے وہاں چار گھر تھے تین ویران ایک اوجاڑ وہ کبھی بستا نہیں تھا

اس گھر میں گئے ایک محراب تھا اوس میں ایک ہانڈی تھی اس کے نکالنے کے واسطے ہاتھ بڑھائے تو ہاتھ پونچتا نہیں یک پتھر رکھ کر ہاتھ بڑھاے تو بھی ہاتھ نہیں پونچتا بعد اس کے پانچہ گز زمین کھودے اوس میں اوتر کے ہاتھ بڑھاے تو بھی ہاتھ پونچتا نہیں خروہ ہانڈی کاڑھے۔

اس میں ہرن پکاے پکاکر وہ چار یار ملکر کھاتے تھے وہاں ایک شخص آیا اور بولا میرا حصہ دو تب اس میں سے اس کو یک ہڈی دیے اس کے ہاتھ سے وہ ہڈی نکل پڑی اور خربزہ کا تخم ہوا پھر اوس خربزہ کے تخم نیے ہنج کو بویے اوس سے زردآلو کی بیل ہوئی اور اوس بیل کو بنجالے بیگن نکلے اوسے سب عالم کھایے اونھوں کا پیٹ بھر گیا۔

مصنف رسالہ یوں فرماتے ہیں اے عارفو اس کو خوب سمجھو کہ اس کی تفسیر کیا ہے۔ یہ بات توحید کی ہے۔ جواب اے عارفو خوب سمجھو نو باپ نومقام ہے۔ وہ نومقام یہ ہے۔ اوّل مقام ناسوت، دوم مقام ملکوت، سوم مقام جبروت چہارم مقام ہوت پنجم مقام یاہوت ششم مقام یاہوت ہفتم مقام ہاہوت ہشتم مقام نصیرا نہم مقام محمود وہ نو باپ ہیں اور دوسرے روایت میں نو باپ اس طرح لکھتے ہیں سات طبق اسمان اور عرش و کرسی یہ نو مقام ہیں اور سات ماں جو ہیں وہ سات طبق زمین ہے اور تیسری روایت میں نو باپ کو وجود میں اس طرح بیان کئے ہیں ایک منہ دوسرا دونوں آنکھیں اور دونو کان اور ناک اور تالو اور میدان کی جاٗے اور سات ماؤں کی وجود کے اندر تفصیل یہ ہے یعنے اول دل، دویم کلیجا سوم پھپسا چہارم پتا پنجم بھیجا ششم اوجڑی ہفتم انتڑی۔ سمجھ اے عارف یہ نو باپ اور سات ماں ملکر اپس میں لذتیں لیتے ہیں جب دل کا پانی پیتے ہیں اور دونوں آنکھیں کلیجہ کا پانی پیتی ہیں اور میدان کی جگہ اوجڑی کا پانی پیتی ہے۔ اور پیشاب کا پانی انتڑی پیتی ہے اور تالو بھیجے کا پانی پیتی ہے۔ اور چار فرزند تین ننگے ایک کو کپڑے ہیں اوسکے آستین میں پیسے تھے، وہ چار فرزند یہ ہیں، اول فرزند نفس امارہ دویم فرزند لوامہ دل سو وہ بھی ننگا ہے سیوم فرزند مطمئنہ یعنے روح وہ بھی ننگی ہے۔ چہارم فرزند نفس ملہمہ یعنے نور اوس فرزند کو کپڑے ہیں

ولیکن اوسکے آستین میں کچھ پیسے ھے ۔ یعنے اوس نور کے نزدیک دو مرتبہ ہیں ایک مرتبہ قدرت کا یعنے دوسرا مرتبہ کرامت کا پیسے ۔ یہ چار فرزند مل کر بازار میں گئے وہ بازار چوبیس آدمیوں کا تھا وہ چوبیس اشخاص کی تفصیل یہ ہے :

سمجھ اے عارف اول بازار گوشت دوم بازار ہڈیاں سوم بازار چمڑہ چہارم بازار شیہ پنجم بازار مغزہ ششم بازار آب منی ہفتم بازار پیشاب ۔ ہشتم بازار جلاب نہم بازار خوی ۔ دہم بازار پیاس یازدہم بازار بھوک دوازدہم بازار کاہلی سیزدہم بازار نیند چہاردہم بازار سکھہ یعنے آرام پانزدہم بازار دکھ شانزدہم بازار ملنا ہفدہم بازار رفتار ہجدہم بازار سردہی یعنے فہم نوزدہم بازار لرزہ بستم بازار شہوت وبست ویکم بازار مہر بست ودوم بازار بخیلی بست وسوم بازار خوف بست وچہارم بازار غصہ ۔ سمجھ اے عارف اپنے بازار کو ۔ بازار بولتے ہیں اس بازار میں چار کمانیں تین توٹے ہوے اور ایک کو گوشہ وچلہ نہیں تھا ۔ تو وہ چار کمانیں یہ ہیں اول کمان پانی دوسری کمان نفس تیسری کمان بارکی یا روح ۔ چوتھی کمان آتش یعنے عشق ذاتی کو گوشے اور چلہ کی حاجت نہیں ۔ چار تیر اوسمیں ایک کو میانے اور سوفار نہ تھا وہ چار تیر یہ ہیں ۔ اول تیر روح ملکی دوسرا تیر روح قدسی تیسرے تیر روح صفلی چوتھا تیر روح علوی سایہ وہ تیر ذات کا سایہ اوسکو سوفار اور میانہ کی حاجت نہیں ۔ چار ہرن اوسمیں تین موے ایک کو جی نہیں وہ یہ ہے اول ہرن تن کشف یعنے وجود محمدی دوسرا ہرن تن فنا یعنے محمدی تیسرا ہرن بقا یعنے احمدی یہ تینوں ہرن موے چوتھا ہرن تن لطیف یعنے احد ذاتِ حق ہے ۔ ذات بے چون وبے چگونگی بے شبہ و بے نمونہ ہے ۔ سو فرزند مطمئنہ کا نور ہے عشق کی کمان لے کر تیر علوی چھوڑ کر ہرن ذات حق کو پاے اوسے بندنیکے واسطے رسی دیکھے وہاں چار رسیاں تھے تین توٹے ہوے ایک کو انی ومیانہ نہ تھا وہ چار رسیاں یہ ہیں اول رسّی بولنا دوم رسی سونا سوم رسی دیکھنا یہ تین رسیاں توٹے ہوے چوتھی رسی ملنا اور ہرن ذات حق کو باندھ کے پکانے کے واسطے لے چلے ۔ وہاں چار گھر تھے ۔ تین توٹے ہوے اور ایک بسیاہی نہیں وہ چار گھر یہ ہیں اول گھر

شریعت دوم گھر طریقت سوم گھر حقیقت یہ تین گھر توٹے چہارم گھر معرفت کا بستا ہی نہیں
جو بستا ہے گھر وہ حق تعالیٰ کا ہے وہاں جاکر دیکھے تو ایک محراب تھا اور محراب میں
ہانڈی تھی اوس ہانڈی کو عبودیت کی ہانڈی کہتے ہیں اوس کو اوٹھانے کے واسطے ہاتھ بڑھائے
تو ہاتھ پہنچتا نہیں ایک پتھر اوٹھاکر ہاتھ بڑھائے تو بھی ہاتھ پہنچتا بھی نہیں اوس کو بے پنے
کا پتھر بولتے ہیں، پیچھے پانچ گز زمین کھودے تب وہاں ہاتھ بڑھائے وہ پانچ گز زمین
یہ ہے؛ اول گز ذکر جلی دوم گز ذکر قلبی سوم گز ذکر سری چہارم گز ذکر روحی پنجم گز ذکر خفی
یہ پانچ گز زمین کھود کر نیچے اوترے اوتر کر وہ ہانڈی عبودیت کی نکالے اور اوس ہرن کو اوس
ہانڈی میں پکائے یعنے ہرن تن لطیف یعنے ملتا ہوں احد ذات حق اور چار ملکر کھاتے او
لذت پاتے تھے اور اوسمیں ایک شخص آکر ملا اور بولا کہ مجھے حصہ دو اوس کو نفس شیطان
بولتے ہیں اوس کو ہڈی دیے وہ ہڈی اوس کے ہاتھ سے گر پڑی وہ خربوزہ کا بیج ہوا.
اور اوس بیج کو طمع بولتے ہیں اوس سے زرد آلو کی بیل ہوی اوس بیل کو بنجالے بیگن لگے
مثال اوس کی عورت ہے اوس کا پیٹ پھوٹ گیا یعنے بھولا اوس سے دنیا کی گرفتاری
میں پڑا اور آپ ہی وہاں کھڑا ہو کر تماشہ دیکھتا تھا۔ واللہ عالم بالصواب تمام شد

مرقوم بقلم وجہ اللہ شاہ قادری کمبل پوش

(نقل مطابق اصل)

نواب مہدی نواز جنگ بہادر کی ادب نوازی

حیدرآباد کے کتب خانوں کے اردو مخطوطات کا مطالعہ کرنے کی غرض سے میں نے سنہ ۱۹۵۷ء میں اپریل کے پہلے عشرے سے جون کے پہلے عشرے تک حیدرآباد دکن میں قیام کیا تھا، کتب خانۂ نواب سالار جنگ مرحوم سے استفادے کے سلسلے میں عالیجناب نواب مہدی نواز جنگ بہادر صدر نشین سالار جنگ اسٹیٹ کمیٹی سے تین وقت شرفِ نیاز حاصل ہوا میں نے کتب خانے سے استفادے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے پہلی بار جب نواب صاحب موصوف سے ملاقات کی تو ادبی تحقیق کرنے والوں سے آپ کے خلوص اور ہمدردی سے بے حد متاثر ہوئی، میں نے اردو ادب میں جو تحقیق کی ہے اس کی تفصیل آپ نے پوری توجہ سے سنی اور میری دوسری تصنیف "لطائف السعادت" اور اس پر چند تبصرے ملاحظہ فرمائے اور مجھے اسی دن کتب خانے سے استفادے کی اجازت دے دی اور اپنے سکریٹری سے کہا کہ مجھے کھانے پر مدعو کرنے کے لیے کوئی مناسب دن تجویز کرے۔

میں نے ہر روز ساڑھے دس بجے سے ساڑھے چار بجے تک صرف پانچ دن کتب خانۂ مذکور میں کئی نادر مخطوطات کا مطالعہ کیا اور اس کے ضمن میں اس کتب خانے کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست جس کو حیدرآباد کے مشہور مصنف جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب نے مرتب کیا تھا دیکھی۔ ہاشمی صاحب نے یہ فہرست دو سال میں مکمل کی، اس میں ایک ہزار پینتالیس قلمی کتابوں کا تذکرہ ہوا ہے! اور اس ضخیم فہرست کے آٹھ سو تینتالیس صفحے ہیں۔

مجھے یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ مذکور فہرست کتب خانے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے والوں کی رہبری کی بجائے انھیں گمراہ کرتی ہے۔ اور مرتب نے سبھی قسم کی غلطیاں کی ہیں کتابوں اور مصنفوں کے نام غلط ہیں، سنین غلط ہیں، عبارتیں غلط ہیں، مطالب غلط ہیں، میں نے ان غلطیوں کی طرف ہاشمی صاحب کو توجہ دلائی تو انھوں نے مجھ سے ان غلطیوں کو قلمبند کرنے کی خواہش کی اور میں نے انھیں لکھ دیا۔

۷ جون کی شام کو میرے محسن و مشفق مولوی عبدالوہاب صاحب معتمد کمیٹی نے مجھے اطلاع دی کہ رات کے کھانے پر نواب صاحب نے مجھے مدعو کیا ہے، میں نے تقریباً تین گھنٹے "بنجارہ ہل" پر آپ کے دولت خانے میں گزارے، بیگم مہدی کے حسن سلوک اور شفقت کی میں بے حد ممنون ہوں نواب صاحب نے انتہائی دلچسپی سے کتب خانے میں میری ادبی تلاش اور تحقیق کے بارے میں حالات سنے اور ہاشمی صاحب کی مرتبہ فہرست کے بارے میں میرے اعتراضوں پر غور فرماتے رہے، ۸ جون کی صبح کو میں حیدرآباد سے روانہ ہونے والی تھی تو نواب صاحب نے فرمایا کہ کل گیارہ بجے دفتر میں مجھ سے ضرور ملاقات کریں اور میرے لئے ایک نقل آپ کے تنقید کی لیتے آئیں۔

نواب صاحب کا ہاشمی صاحب کی مرتبہ فہرست سے بلاواسطہ تعلق ہے آپ نے اس کی ترتیب و اشاعت میں تقریباً دس ہزار روپے صرف کئے ہیں، لیکن آپ کی بے مثل دیانت داری اور راست بازی نے ہاشمی صاحب کی لغزشوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ آپ نے میری اس تنقید کا شکریہ ادا کیا، حالانکہ ہاشمی صاحب کی آپ بڑی قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلی ملاقات میں آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ حیدرآباد میں آپ دو ہستیوں سے ضرور ملاقات کریں، ایک ہاشمی صاحب دوسرے پروفیسر خود صاحب۔

• دوسرے دن مقررہ وقت پر میں دفتر پہنچی، نواب صاحب نے میری تنقید اول سے آخر تک نہایت غور سے پڑھی اور بطور تحسین سر دھنتے رہے، لیکن معاملہ یہاں ختم نہیں ہو گیا، نواب صاحب موصوف نے میسور کی ایک خاتون کو حیدرآباد کے ایک پینسٹھ بلکہ ستر سالہ ہندوستان بھر میں مشہور مصنف کے بارے میں یہ مشہور کر کے کہ اس میں ایک فہرست تک مرتب کرنے کی صلاحیت نہیں تنقید کی ذمہ داری کو محسوس کئے بغیر حیدرآباد سے جانے نہیں دیا، چنانچہ آپ نے معتمد کمیٹی مولوی عبدالوہاب صاحب بی ایس سی (عثمانیہ) سے جو اس وقت موجود تھے فرمایا کہ کل گیارہ بجے (۹ جون اتوار) وہ اپنے دفتر میں نصیرالدین ہاشمی صاحب اور حبیب الرحمن صاحب معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو (حیدرآباد) کو طلب کریں اور جن جن کتابوں کی وضاحتی فہرست پر میں نے اعتراض کئے ہیں انھیں کتب خانے سے منگوا کر ہاشمی صاحب کی وضاحت اور اس پر میری تنقید کو مطابق کر کے دیکھیں، یہ میرے لئے بڑی کٹھن اور عبرت انگیز آزمائش تھی اور میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ تنقید کی ذمہ داری کو محسوس کیا تھا، حبیب الرحمٰن صاحب کسی عذر سے

دیوان ڈیوڑھی کو جس میں کتب خانہ اور دفتر ہے نہ آسکے، مولوی عبدالوہاب صاحب نے تقریباً چار گھنٹوں تک دوپہر کے پُر تکلف کھانے سے پہلے بھی اور بعد بھی میری تنقید اور ہاشمی صاحب کی فہرست کو مخطوطات سے مطابق کر کے ایک ایک سطر پڑھی اور ایک ایک نقطہ دیکھا، الحمدللہ کہ میری تنقید سو فیصدی صحیح ثابت ہوئی اور ہاشمی صاحب بھی جو موجود تھے قائل ہو گئے، شام کو معتمد صاحب نے مجھے ٹکٹ بھجوائے کہ میرے اور میرے خاوند اور بچوں کے لئے کمیٹی کی طرف سے فسٹ کلاس کا ایک ڈبہ حیدرآباد سے میسور تک مخصوص کرا دیا گیا ہے، یہ قدردانی یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ میرے میسور پہنچنے کے بعد سالار جنگ اسٹیٹ کمیٹی کے معتمد نے میری خدمات کا باقاعدہ تحریر میں اعتراف بھجوایا۔

اردو کے فن تنقید کی تاریخ میں نواب مہدی نواز جنگ بہادر کا یہ اقدام اپنی اولیت اور عظمت کے لحاظ سے ہمیشہ قابل تقلید اور یادگار رہے گا۔ نواب صاحب موصوف حق و صداقت کے جویا ہیں۔ اگر انھیں حق و صداقت کی ایک جھلک بھی کہیں نظر آجاتی ہے تو وہ پوری حقیقت کا مشاہدہ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔۔ نواب صاحب موصوف کے نزدیک صداقت اہم ہے شخصیت اہم نہیں، اگر وہ چاہتے تو یہ کہہ کر میری تنقید کو نظرانداز کر دیتے کہ انسان مرکب ہے خطا اور نسیان سے، غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں، غلطیاں کس نے نہیں کیں۔ خذ ما صفا و دع ما کدر، آخر ہاشمی صاحب نے دو ایک باتیں تو صحیح لکھی ہوں گی آپ انھیں اختیار کر لیں اور غلط باتوں کو چھوڑ دیں ع تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو، لیکن حق و صداقت کی حمایت نواب صاحب کو فطرت کا عطیہ ہے اور بقائے اصلح و ارتقا فطرت کا تقاضا ہے، نواب صاحب موصوف کو جب اس بات کا علم ہوا کہ کمیٹی کی طرف سے جو فہرست شائع ہوئی ہے اس میں غلطیاں رہ گئی ہیں تو پھر انہوں نے ان امور کی پروا نہیں کی کہ اس پر کتنا روپیہ صرف ہوا ہے اس کو کس نے مرتب کیا ہے اور کس نے مرتب کرایا ہے یا یہ کہ آمنہ خاتون کو مصنف اور مولف کی حیثیت سے زیادہ لوگ جانتے ہیں یا ہاشمی صاحب کو، نواب صاحب موصوف کا بس ایک ہی نصب العین ہے اور وہ حق و صداقت کو بلا رو رعایت فروغ دینا ہے۔

میرے اعتراض غلط نکلتے تو کس قدر خفت ہوتی اور ہاشمی صاحب کی وضاحت غلط ثابت ہوئی تو اس سے کمیٹی کا کس قدر وقت اور روپیہ برباد ہوا۔ چنانچہ معتمد صاحب نے اپنے مراسلے میں لکھا ہے کہ "آپ کے تبصرے کی روشنی میں فہرست کی اصلاح کی کارروائی جاری ہے۔" اللہ تعالیٰ دنیا میں جب کسی کو اقتدار بخشتا ہے تو صاحب اقتدار کو آزماتا بھی ہے کہ وہ کس قدر حق و صداقت کا ساتھ دینے کا

توجہ

حوصلہ رکھتا ہے۔ جو اس آزمائش میں امتیازی طور پر کامیاب ہوتا ہے۔ اللہ اس سے راضی اور وہ اللہ سے راضی رہتا ہے۔

خوش قسمتی سے مجھے اب تک دو ایسی ہستیوں سے نیاز حاصل ہوا ہے جن میں انصاف اور حق پسندی کی شریف خصلت علی طور پر بدرجۂ تم موجود ہے۔ اللھم زد فزد۔ ایک مولانا امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم رضا لائبریری رامپور جنھوں نے اپنی تالیف دستور الفصاحت پر میری تنقید جو میں نے آپ کی ذاتی اطلاع کے لئے لکھ بھیجی تھی خود ہو کر رسالہ "برہان" دہلی بابت اپریل سنہ ۱۹۴۷ء میں شائع کرائی قارئین اس کی تفصیل میری تالیف لطائف السعادت کی تمہید میں ملاحظہ فرمائیں، اور دوسرے عالیجناب نواب مہدی نواز جنگ بہادر صدر نشین سالار جنگ اسٹیٹ کمیٹی و وزیر امداد باہمی دامکنہ حیدرآباد ہیں جنھوں نے کتب خانۂ نواب سالار جنگ مرحوم کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست پر میری تنقید کا علم ہوتے ہی فوراً دو دن کے اندر اس کی تحقیقات کرائی اور اپنا فیصلہ صادر فرمادیا کہ فہرست کی اصلاح ہونی چاہیئے چنانچہ وہ اب ازسرنو مرتب ہو کر شائع ہو رہی ہے۔ لیکن آج بھی دنیائے اردو میں ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر کوئی انجنیر یہ کہے کہ فلاں عمارت کی بنیاد کمزور ہے ور اس کا فوراً ڈھا دینا ضروری ہے ورنہ کئی لوگ اس میں دب کر مر جائیں گے تو سمجھتے ہیں کہ عمارت کے مالک سے انجنیر کی یہ بد باطنی کا ثبوت ہے اور انجنیر کا یہ قول اس کی شرارت نفس اور اس کے جذبۂ نقصان رسانی کا مظاہرہ ہے، لیکن جو لوگ تعمیر پسند ہیں اور تعمیر پسندی کو عزیز رکھتے ہیں وہ دنیا کو برابر آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور بقول حالی جن لوگوں میں اپنی غلطی تسلیم کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی ان کا اپنے فن میں ترقی کرنا ناممکن ہے، فقط

کتب خانۂ نواب سالار جنگ مرحوم کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست

یہ فہرست نصیر الدین ہاشمی صاحب نے تیار کی ہے، اس کی قیمت بارہ رپے ہے، ہاشمی صاحب نے "نقطۂ اختتام" ۸۴۲ میں تحریر فرمایا ہے :-

" اس میں بعض جگہ غلطیاں ملیں گی، ان کی صحت قصداً نہیں کی گئی، کیوں کہ کاتب کتاب کا نمونہ پیش کرنا مدنظر تھا"

اس کے یہ معنے ہوئے کہ اگر فہرست میں ابیات اور عبارتیں غلط نقل ہونے کی وجہ سے مہمل ہو گئی ہیں تو اس کی یہ ذمہ داری ہاشمی صاحب پر نہیں کیوں کہ انھوں نے ان کو اصل کے مطابق نقل کیا ہے۔ پھر لکھا ہے :-

" اگرچہ اس فہرست کی ترتیب دو سال میں ~~۳۰۷ دن~~ مکمل ہوئی، مگر اس امر کا خیال رہے کہ ایک سو سے زیادہ تعطیل کے دنوں میں کام نہیں ہوا یعنے اس فہرست کی ترتیب میں ۶۳۰ دن صرف ہوئے اس فہرست میں قلمی کتابوں کی کل تعداد ایک ہزار پینتالیس (۱۰۴۵) ہے اس لحاظ سے روزانہ تقریباً دو کتابوں کی وضاحتی فہرست کا لکھنا ہاشمی صاحب کے سے کہنہ مشق فہرست نگار کے لئے دشوار ہونے کا کیسے یقین کیا جا سکتا ہے جبکہ اکثر کتابوں کے صفحے دس بیس سے زیادہ نہیں۔

مذکور فہرست کے ص ۳۰ پر ہاشمی صاحب کے یہ دو بیان بھی ملتے ہیں :-

(۱) "مجھے اپنی علمی کوتا دامنی کا اعتراف ہے۔ بہ حد معلومات تلاش اور جستجو سے مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے"۔

(۲) " ارکان کمیٹی کا یہ علمی کارنامہ ہمیشہ یادگار رہے گا، ارباب علم سپاس گزاری کریں گے"۔

میں نے اپنے حیدرآباد میں قیام کے صرف پانچ دن اس کتب خانے میں صرف کئے اور چند کتابیں دیکھیں، فہرست سے اصل کتابوں کو مطابق کرنے سے معلوم ہوا کہ تاریخی لفظوں اور مصرعوں سے سنین غلط نکالے ہیں، مصنفوں اور تصنیفوں کے صحیح نام نہیں لکھے، قلمی کتابوں کی عبارتیں غلط پڑھی ہیں۔ فارسی کو درست نہیں سمجھا اور تصنیفوں کو غلط مصنفوں سے منسوب کر دیا ہے۔

میں نے ہاشمی صاحب کی خواہش پر یہ تبصرہ لکھا ہے، لیکن اپنی اس رائے کا اظہار ضروری

ہے کہ ہاشمی صاحب کی تحقیقات جب تک ان کی مزید تحقیق نہ کرلی جائے قابلِ استناد نہیں۔

دکھنی عبارتیں نقل کرنے میں جو تساہل برتا جارہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جنھیں اصل ماخذوں تک دسترس نہیں ہے وہ دکھنی کو نا قابلِ فہم سمجھ کر ترک کرنے لگیں گے اور اس سے بددل ہوجائیں گے۔

فائدہ :- (۱) "قلمی نسخے" کے تحت جن صفحوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ صفحے وضاحتی فہرست کے ہیں،

(۲) قلمی نسخوں کی عبارتوں کے مقابل وضاحتی فہرست کی عبارتیں لکھی ہیں — جہاں دونوں عبارتیں یکساں ہیں وہاں نقطے لگا دئے گئے ہیں۔ اور صرف وہی عبارتیں لکھی ہیں جو اصل کے مطابق نہیں یعنی بقول مرتب یہ کاتب کا نمونہ نہیں ہیں۔

قلمی نسخہ	وضاحتی فہرست
ص ۳۴۸ لغت	
(۴۳۳) خوان یغما :-	
اللہ خدا رؤف رحیم است مہربان ؛؛ چوں تنکری وکرکر دکن فارسی زبان	.... تنکری و گر کرہ دکن ....
پروردگار وایزد و یزداں وکردگار ؛؛ ہم شنیداست ذوالمنن وخلاق انس وجان	.... ہم شنیداست وراطرا ....
داعی دعا کنندہ وخوانندہ سوئے حق ؛؛ لیکن شفیع بادری دانی درفان	.... کنندو خوانند ...... دریں دانی در دفان
این چنین گرداب این بحرار کس آرد ورعدد ؛؛ جہد ظاہر داند واعداد بہشش حسب حال	ای پنجتن ...... ار کس و عدد ...... پشش
(۴۳۴) نفائس اللغات	
مصنف۔ اوحد الدین بلگرامی۔ تاریخ تصنیف	مصنف۔ حقیقت شاہ۔ تاریخ تصنیف مابعد ۱۱۵۰ھ
(اوحد الدین بلگرامی کے حالات تفصیل سے معلوم ہوسکتے ہیں)	اس کے مصنف حقیقت شاہ ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات مجھے دستیاب نہیں ہوئے

قلمی نسخہ	وضاحتی فہرست
میں نے ہاشمی صاحب سے دریافت کیا کہ انھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ نفائس اللغات کے مصنف حقیقت شاہ ہیں۔ فرمایا "نجیب اشرف ندوی نے کہا کہ اس کے مصنف حقیقت شاہ ہیں"۔	
حد ۔ ۳۵۰ (۴۳۸) تحفۃ الصبیان (پہلا نسخہ) مصنف صلاح الدین خان حسین بلکہ صلاح الدین حسن خان تخلص سید ے صلاح الدین خان حسین ابن مکن ؛ تا بکی سازی بطفلان شرح نظم وزن کی رعایت سے غالباً پہلا مصرع یوں تھا ع اے صلاح الدین حسن خاں ابن مکن پھر بھی مکن اور نظم ہم قافیہ نہیں ہیں، تخلص :۔ ع ثبت کردم از عرب در فارسی سید لاعلاج ع سیداں دونوں سنتی دل سے تبرا کر چکا اختتام :۔ شد تمام این تحفۃ الصبیان من باصد محن ؛ سال و تاریخ هم بجواز تحفۃ الصبیان من "تحفۃ الصبیان" کے اعداد ۱۰۷۲ ہوتے ہیں۔ ان میں "من" کے اعداد ۹۰ ملائیں تو ۱۱۶۲ ہوتے ہیں ہاشمی صاحب نے "تحفۃ الصبیان من" سے "من" کو حذف کر دیا ہے۔ رب خدا احمد محمد شافع ہر دو سرا ؛ بوتراب و حیدر است اسم علی مرتضیٰ	مصنف کا نام معلوم نہیں ہوا۔ تاریخ تصنیف ۱۱۶۲ھ .... بوتراب و حیدر است (حذف) علی مرتضیٰ

قلمی نسخہ	وضاحتی فہرست
فاطمۂ زہرہ حسن شبرو شبیر ہے حسین ؎ افضل الصلوات علیہم من الا المشرقین	.... من اللہ (حذف)
بوجا علم در مدینہ گھر ہے دروازہ ہے باب	....
آمدن آنا نشستن بیٹھنا مے ہے شراب	آمدن آنا نشستن (حذف)
(۳۹۴) تحفۃ الصبیان (دوسرا نسخہ)	
مصنف میر اسمٰعیل خان تخلص ابجدی سے	مصنف .... کتابت ۱۲۰۲ھ
اب اٹھا دست ابجدیؔ بہ دعا ؎ یہ ترا کام ہے نہ کر تو درنگ	
تحفۃ الصبیان کے پہلے نسخے کے مصنف شیدا اور دوسرے نسخے کے مصنف ابجدی ہیں ابجدی کی تصنیف میں امیر الامراء روشن الدولہ بہادر جنگ کا بھی ذکر آیا ہے ابجدی نواب امیر الامرا بہادر کے استاد تھے،	
"نواب امیر الامراء بہادر ہم از خوان تعلیمش مائدہ ربودہ" (گلزار اعظم) تحفۃ الصبیان والاجاہ کے پوتے عبد العلی خان کے لئے لکھی گئی تھی۔	
میں لکھا عبد العلی خان واسطے وہ ہے صاحبزادۂ والا تبار	
نامور جد اس کا والاجاہ ہے ہے پدر اس کا امیر نامدار	

قلمی نسخہ	وضاحتی فہرست
آغاز :-	
اللہ الہ خدا کا ناؤں ؛ سب ہے جگ اس کا ٹھاؤں	.... جا کے
نام اس کا ہے تحفۃ الصبیان ؛ تا کہ ہو طفلگاں کو استعلام	.... استعلام
سات سو پر ہے بیت بس چالیس ؛	سات سو پر ہے بیت بست چالیس ؛ ....
(۴۴۰) رازق باری	
والا اپنے موتی رولا ؛ فرس لغت کے معنی کھولا	مصنف سید محمد واکہ تاریخ تصنیف قبل سنہ ۱۱۸۴ھ ....

دو شاعروں کا تخلص واکہ ہے اور یہ دونوں ولایتی ہیں، اور ایک شاعر کا تخلص والا ہے جو مدراسی ہیں تفصیل یہ ہے :-

(۱) سید محمد موسوی خراسانی، مولد خراسان، باپ کے انتقال کے بعد ہندوستان آئے اور چند دن وہاں رہ کر حیدرآباد پہنچے، یہیں شادی کی اور مدت دراز تک امیرانہ زندگی بسر کی پھر ترچناپلی گئے وہیں سنہ ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے (نتائج الافکار، گلزار اعظم، اشارات بینش)

(۲) علی قلی خان واکہ داغستانی، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عباس تک پہنچتا ہے مولد اصفہان. سنہ ولادت ۱۱۲۴ھ محمد شاہ کے زمانے میں دلی آئے اور ملازم ہوئے سنہ ۱۱۷۰ میں دلی میں انتقال کیا۔

(۳) والا تخلص سید ابو سعید سنہ ۱۱۹۰ھ میں رحمت آباد (مدراس) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۶۴ھ میں انتقال کیا، ستیالی پیٹھ کی مسجد کے صحن میں مدفون ہیں، باقر آگاہ کے شاگرد اور نواب غلام غوث خان اعظم کے استاد تھے۔

یعنے سید محمد واکہ مدفن کے لحاظ سے مدراس کے علاقے ترچناپلی کے اور سید ابو سعید والا مولد و مدفن دونوں کے لحاظ سے مدراس کے ہوئے. واکہ کے انتقال کے چھ برس بعد

والا کی ولادت اور والہ کی وفات کے اسّی برس بعد والا کی وفات ہوئی، یہ دونوں شاعر اور مصنف ہیں اس لئے جب تک کافی ثبوت موجود نہ ہوں کوئی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قلمی نسخے کے کاتب نے والہ کو والا لکھ دیا ہے۔ رازق باری بقول ڈاکٹر زور صاحب مطبع مظہر العجائب میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں چھپی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو ہاشمی صاحب کا یہ قول صحیح نہیں کہ "سنہ ۱۸۷۲ء میں طبع بھی ہوئی ہے"۔ کیونکہ سنہ ۱۸۷۲ء مطابق ہے سنہ ۱۲۸۸ھ سے، لیکن یہ مثنوی میری نظر سے نہیں گزری اس لئے میں نہیں کہہ سکتی کہ اس میں کاتب نے والہ لکھا ہے یا والا۔

ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے کتب خانے میں رازق باری کا ایک نسخہ موجود ہے لیکن اس میں وہ بیت نہیں ہے جس میں تخلص آیا ہے، اسی ادارۂ ادبیات میں ایک مثنوی بنام "طالب و موہنی" بھی ہے جس کا بقول ڈاکٹر زور صاحب ہندوستان میں یہی نسخہ ہے، یہ مثنوی بے شک و شبہ والہ کی تصنیف ہے، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ رازق باری بھی انھیں نے لکھی ہے۔

ہاشمی صاحب نے "یورپ میں دکھنی مخطوطات" میں لکھا ہے رازق باری کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ہے اور تخلص والی بیت کو یوں لکھا ہے۔

ع والہ لت نے موتی رولیا ؛ فرس لغت کے معنی بولیا۔ لیکن انڈیا آفس کے نسخے سے انھوں نے جو شعر نقل کئے ہیں ان کی فاش غلطیوں کے پیش نظر کوئی ہاشمی صاحب کی نظر پر اس وقت تک اعتبار نہیں کرسکتا جب تک کہ اس نسخے کا روٹوگراف انڈیا آفس سے نہ منگوایا جائے۔

قلمی نسخہ (کتب خانۂ سالار جنگ)		قلمی نسخہ (انڈیا آفس) کاتب ہاشمی صاحب	
فہم خرد ہے دو نو عقل	افسانہ کیا ہے کہانی نقل	فہم خرد ہیں	انساں کیا ہے
راے فراست دانش گیان	خیال تصوّر دونوں دھیان	رازفراست دانس کہاں	خیال رضور در نو د ہاں
حب اور مہر کہیں سو پیار	خوبی حسن درشن دیدار	جب ہو مہر کہن سو پیار	خوح حسن درسن دیدار
ابرش ابلق ادہم گھوڑا	ہے تازیانہ دُرا کوڑا	ابرش ابلق ادہم کھورا	ہرتا زنانہ درا کورسا
نجّے کیل ہے بخدی اونٹ	طعم مزہ ہے جرعہ گھونٹ	نخنے کیل ہے بخدی اونٹ	طعم فرما ہے جرعہ گھونٹ

قلمی نسخہ (کتب خانہ سالار جنگ)	قلمی نسخہ (انڈیا آفس) کاتب ہاشمی صاحب
محمل اونٹ کا جان کجاوا — گردہ روٹی تا بہ توا	محمل کیا ہے اونٹ کی وا — کردہ روٹے تا بہ توا
طاؤس کیا ہے مور پہچان — مرغی کیا ہے ماکیاں جان	طاؤس کیا ہے مور پہچان، — مرغی کیا ہے کیاں جان
دادن دینا پھر کردن بھرنا — گرفتن لینا نہادن دھرنا	مردن کرنا، کردن کرنا — کیا ہے نہادن؟ دھرنا
فروختن کچھ شے بیچنا کھول — خریدن زر دے لینا مول	فروختن کون سکا ناول — کشادن کھولنا کھونکٹ کنول

ہاشمی صاحب نے "یورپ میں دکنی مخطوطات" میں رازق باری کی جو بیتیں انڈیا آفس کے نسخے سے نقل کی ہیں انھیں نواب سالار جنگ مرحوم کے کتب خانے کے قلمی نسخے سے مطابق کرنے کے بعد ناگزیر طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہاشمی صاحب اس زمانے میں کسی بیت کے مہمل ہونے کو محسوس کر سکتے تھے نہ اب کر سکتے ہیں، علاوہ ہاشمی صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ لکھتے کے قلمی نسخے میں واؔلا کا آخری حرف الف ہے لیکن انھوں نے اس کو ہ سے بدل دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مجھے یہ اصرار نہیں ہے کہ رازق باری واؔلہ کی تصنیف نہیں ہو سکتی، لیکن ہاشمی صاحب نے اس کا کافی ثبوت نہیں دیا، اس تبصرے سے میرا مقصد یہ ہے کہ ہاشمی صاحب کی طرز تحقیق سے وہ اصحاب واقف ہو جائیں جو اس فہرست سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں،

قلمی نسخہ	وضاحتی فہرست
(۲۳۱) قادر باری مصنف فیاض عسکری	مصنف غلام عسکری فیاض

ے سب پو ہیرے طرف سے ہوئے سلام — ان کا فیاض عسکری ہے غلام

نظم میں مصنف نے چودہ معصوموں کے نام لکھے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا غلام کہا ہے

قلمی نسخہ	وضاحتی فہرست
لہٰذا غلام مصنف کے نام کا جزو نہیں ہے	
ص ۔ ٣٥٣	
قادر باری (دوسرا نسخہ)	
کیجو اکرم خراطین مچ ماش علک وکندر مصطگی ظاہر ہے فاش	کیجیو گرم ...... مچ .... ظاہر ہے فاش
خاتمہ :۔ " بعون عنایت قادر الٰہی نسخہ قادر باری .... از دست کمترین	
قربان علی خان ولد زور آور خان ابن قائم خان مندوزی .... "	...... ولد زور آور خان قائمی مندوزی ...... "
ہاشمی صاحب کی نظر آگے نہیں بڑھی ورنہ انھیں قربان علی خان کا نسل نامہ کتاب کے آخری صفحے پر مل جاتا اور وہ قائم خان مندوزی کو قائمی مندوزی نہ لکھتے ۔	
" نسل نامہ اجداد و آبا قائم خان مندوزی مرحوم و مغفور الخ "	
(٣٧٣٧) اس کتاب کا نام سرورق یا ابیات میں لکھا ہوا نہیں ملتا ۔	لغت فارسی اردو وہندی

اس لغات کا بالکل غلط نام رکھا ہے ۔ نام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو اور ہندی دو مختلف زبانیں ہیں ، جو قدیم مصنفوں کے پاس بے معنی خیال ہے ۔ اصل میں اس کا نام ہونا چاہیے ۔ لغات عربی و فارسی و اردو ، ثبوت میں ذیل کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں ۔

فلک سپہر آسماں کہاوے ؛ ارض زمین دھرتی کہاوے نار آتش آگ کہاوے ؛ ماء آب پانی کہلاوے

شعر موے بال پہچان ؛ جبہہ پیشانی ماتھا مان اب پدر باپ پہچان ؛ اخت خواہر بہن مان

سیف تیغ تلوار کہاوے ؛ نعل کفش جوتی کہلاوے

(۴۴۸) لغات

اس مجموعے میں کل تین لغاتیں ہیں، پہلی لغات صفحہ ۱۱ پر ختم ہوتی ہے، اس میں تصنیف، مصنف، کسی کا نام نہیں اور سنہ تصنیف و کتابت بھی درج نہیں، بارھویں صفحے سے جواہر الکلید شروع ہوتی ہے، اور مصنف نے اپنا نام صنعت توشیح میں لکھا جو ولی محمد ہے، اس لغات کے کل ستائیس صفحے ہیں، تیسری لغات معین الالفاظ ہے جس کو محمد سلیم بن محمد قائم نے سنہ ۱۲۴۷ھ میں مرتب کیا ہے، لیکن ہاشمی صاحب نے صفحے الٹنے کی زحمت گوارا نہیں کی، اور اپنی وضاحتی فہرست میں پہلی لغات کا آغاز اور تیسری لغات کا اختتام لکھ دیا۔

وضاحتی فہرست	ص ۲۵۶ قلمی نسخہ
کل شی ہالک الا (حذف) کا فہ امارت تمام چیز نابود (حذف) مگر (حذف) گروہ سرداری	کل شی ہالک الا وجہہ کافہ امارت تمام چیزیں نابود خواہد شد مگر روئے او سبحانہ تعالیٰ گروہ سرداری

نہیں معلوم ہاشمی صاحب نے وجہہ اور اس کے معنے کیوں حذف کر دئے ہیں

۴۴۹ دستور الصبیان	(۴۴۹) اسماء فارسی

اس لغات کا نام اسماء فارسی ہے اور دستور الصبیان اس مصنف کی دوسری کتاب کا نام ہے۔ مندرجۂ ذیل فارسی عبارت کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے ہاشمی صاحب نے یہ غلطی کی ہے۔ فارسی عبارت :-

خاتمہ :-

بعونہ تعالیٰ نسخہ برفوایددربیان نصاب فارسی تصنیف منشی نونده رائے مصنفِ دستور الصبیان المسمیٰ باسماءِ فارسی باتمام رسید، بتاریخ بست و ہشتم ماہ جمادی الاول سنہ ۱۲۷۶ھ۔

یعنے یہ کتاب دستور الصبیان کے مصنف نونده رائے کی تصنیف ہے اور اس کا نام اسماء فارسی ہے۔

ص ۳۵۹

(۴۵۱) مالک باری

قلمی نسخہ	
دیکھو سن اس نسخے کو ، ملہم غیبی بول اٹھا باہر مطلق اور رازق ، ہے ہر مالک باری خالق "ہے مالک باری خالق" کے اعداد ۱۰۵۰ میں مطلق اور رازق کے سروں یعنے میم اور رے کے اعداد ۴۰ اور ۲۰۰ ملائیں تو جملہ ۱۲۹۰ ہوتے ہیں۔ جو سنہ تصنیف ہے ، ہاشمی صاحب نے باہر کو ماسوا بناکر خدا جانے مصنف رام راؤ سے کیوں انتقام لیا ہے۔	دیکھ .... ماسوا ....
(۴۵۲) نصاب فارسی موسومہ کمال دانش ص ۳۶۰ سال تالیف بشنوائے ہوشش ـــ صد دیگر ازو بستہ وشش	.... اے میوشش ....
ص ۳۶۱ (۴۵۴) قواعد اردو کہ ہر زبان کی بنا لفظ ہے اور اس کے دو معنے لغوی ازا ختن و اصطلاحی مایتلفظ بہ الانسان یعنے آواز انسان	.... اور اصطلاحی معنٰی

قلمی نسخہ	وضاحتی فہرست
ص ۶۷۵	
(۸۵۴) سلک گوہر	
حمد محمود اول املا ہو ٭ کہ درِ ہر مرام دل وا ہو	.... ہے ٭ کہ در ہر ہر دم دل وا ہو
ص ۶۷۶	
الحمد للہ ..... روز چہارشنبہ چہاردہ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۱۵ہجر	الحمد للہ ..... چار ماہ .... در عہد والا مہر رحم و کرم
در عہد والا مہد مصدر رحم و کرم والا ہمم عادل و دادرس نواب سعادت علی خان	(حذف) ..... ملک اودھ ادام ملکہ حوالہ کلک ہوا اعلیٰ مسودہ اس (حذف) کا
مالک ملک اودھ ادام اللہ ظلہم حوالہ کلک ہوا۔ اصل مسودہ اس سمر عاطلہ کا	
سال مسطورہ اس سمر کا کہا ہوا صدر عالم صدر کا	سال مسطور اس (حذف) کا لکھا ہوا صدر عالم صدر کا
گر سر بہ سر نو ہو سال اس کا صد ٭ بیشتر دل رسالہ عمدہ صدر	گر سو بہ سر نو ہے سال اس کا صدر ٭ ہو سرور دل رسالہ عمدہ صدر
۱۲۱۰ + ۵ = ۱۲۱۵	

مصنف کے پاس کسی مصرعے سے تاریخ تصنیف نکالنا بڑی بات ہوگی اگر ہاشمی صاحب اس کو تکلف بیجا خیال فرماتے اور مصرعے کو مسخ کر دیتے ہیں۔
غرض مشتے نمونہ از خروارے یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ نصیر الدین ہاشمی صاحب کی وضاحتی فہرست کسی طرح قابل اعتبار نہیں۔ فقط

شاہ صدر الدین اور ان کی تصانیف

مولوی شاہ ابوالحسن صاحب ادیب کولاری "غازیِ اعظم" مطبوعہ سنہ ۱۹۳۶ء میں لکھتے ہیں:۔

"شاہ محمد صدرالدین ولد شاہ میراں حسین ساکن نلوتنگل سمت سنڈے کپ پرگنہ ہسکوٹہ۔ یہ ایک باکمال بزرگ تھے، مشائخی کی بساط بچھائے ہوئے گوشۂ قناعت میں بسر کرتے تھے۔ دکنی زبان میں کئی چھوٹے چھوٹے رسالے آپ نے لکھے ہیں، ان کے عہد کے بعض شعراء نے ان کی بہت تعریف کی ہے۔ آپ کی تصنیفات میں سے تین رسالے جو سنہ ۱۱۶۴ ہجری (۱۷۵۰-۵۱) کے لکھے ہوئے ہیں میر ابوتراب ساکن ہال ہلی سمتِ چکن ہلی پرگنہ سرانے جنھیں ۱۱۶۶ ہجری میں (۱۷۵۲-۵۳) نہایت خوشخط لکھا ہے میری نظر سے گزرے ہیں جن میں ایک کا نام رسالۂ من مگن دوسرا مراۃ الاذکار اور تیسرا رسالہ مصباح النور ہے۔ یہ تینوں رسالے سالکوں کی ہدایت میں لکھے ہوئے ہیں۔ آپ کے ایک دیوان کا بھی پتا چلتا ہے مگر میری نظر سے نہیں گزرا یہ شعر انھیں کے دیوان کا ہوگا کیوں کہ ان کے نام سے منسوب کیا گیا ہے ؎

میں چال اپنی چھوڑ کر چلتی ہوں شہ کی چال میں
جیدھر ڈھلا دے ڈھل پڑی جوں ڈھال موتی تھال میں

خیراللہ شاہ قادری عرف محمد شریف جو خادمؔ تخلص کرتے تھے شہر گنجام میں رہتے تھے، سنہ ۱۲۰۴ ہجری میں مذکور رسالۂ مراۃ الاذکار انھوں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے وہ بھی میں نے دیکھا خط اچھا نہیں مگر صحیح لکھا ہے۔ یہ بزرگ آثار مبارک کی خدمت پر مامور تھے" صفحہ ۲۲۴-۲۲۳

ادیب صاحب کے بیان سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں :۔

پہلی ۔ انھوں نے شاہ صدرالدین کے تین رسالے دیکھے تھے۔ من مگن، مراۃ الاذکار، مصباح النور۔

دوسری، ان کا سنہ تصنیف $\frac{۱۱۶۴}{۱۷۵۰-۵۱}$ ہے

پروفیسر عبدالقادر سروری صاحب نے "سلسلۂ ادبیات اردو میسور ۱" کے ضمن میں رسالہ مراۃ الاسرار من تصنیف حضرت شاہ محمد صدرالدین قدس سرہٗ مرتب کر کے سنہ ۱۹۴۴ء میں شایع کیا تھا۔ اس کی تمہید میں لکھا ہے "یہ رسالہ مجھے شاہ صاحب موصوف کے سلسلے کے ایک مرید کے ذخیرے سے دستیاب ہوا تھا جو کرم خوردہ کاغذات میں ایک دوسرے رسالے 'مفتاح النور' کے ساتھ نہایت خستہ حالت میں پڑا ہوا تھا'..... یہ رسالہ انھوں نے بانی سلطنت خداداد میسور کی ولادت سنہ ۱۱۳۴ ہجری سے ایک سال پہلے ۱۱۳۳ھ میں (۲۱-۱۷۲۰) اپنے فرزند محمد امیرالدین کے مطالعے کے لئے تصنیف کیا تھا جس کا حال رسالے کی تمہید سے معلوم ہو سکتا ہے۔"

رسالے کی تمہید :- "اما بعد فقیر بے تمکین شاہ محمد صدرالدین می گوید کہ این رسالہ برائے برخوردار محمد امیرالدین تصنیف نمود، مسمی بمراۃ الاسرار ساخت و بزبان ہندی بیان این (پرداخت) تا احتیاج پرسیدن عبارت این نکات نامحرم (نہ) افتد"

پروفیسر صاحب کے بیان سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

پہلی : مراۃ الاسرار کا سنہ تصنیف ۱۱۳۳ھ ۲۱-۱۷۲۰ ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ میں نے یہ رسالہ برخوردار محمد امیرالدین کے لئے ہندی نثر میں تصنیف کیا ہے۔ اور اس کا نام مراۃ الاسرار رکھا ہے۔ شاہ صاحب نے اس رسالے میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ یہ رسالہ انھوں نے ۱۱۳۳ھ میں لکھا اور نہ پروفیسر صاحب نے اس اطلاع کے ماخذ کا حوالہ دیا ہے۔ غالباً پروفیسر صاحب نے مراۃ الاسرار کو تاریخی نام فرض کر لیا ہے کیونکہ اس کے اعداد ۱۱۳۳ ہوتے ہیں۔

دوسری : پروفیسر صاحب کے پاس شاہ صاحب کا ایک اور رسالہ مفتاح النور بھی ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے مصنف بھی شاہ صاحب ہیں یا کوئی اور صاحب۔

ڈاکٹر نذیر احمد نے علی گڑھ ہسٹری آف اردو لٹریچر کے بلیٹن نمبر ۲ مطبوعہ ستمبر ۱۹۵۸ء میں شاہ صاحب کی حسب ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ جو انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے، قوسین میں جو عبارتیں ہیں وہ بلیٹن کی ہیں۔

۱- مراۃ الاذکار (تصوف ۲۷)

آغاز :- (کروں حمد و ثنا حق کا اول میں ؛ بھی نعت مصطفٰے کا خوش نول میں)

انجام :-

یو پانچو حال جس پر کھولتے ہیں — اسے انسانِ کامل بولتے ہیں

اپنا بس کر تو اے شہ صدرالدین بات — کہا تمثیل میں یہ پانچ حضرات

یو ذکر ان کا بیاں ہے مختصر خوب — دو سو تئیس ۲۲۳ بیت بولیا خوب اسلوب

ڈاکٹر صاحب نے صفحہ ۷ اپر لکھا ہے کہ مراۃ الاذکار ۲۲۱ ابیات پر مشتمل ہے، لیکن وہ شعر جس میں اس تعداد کا ذکر ہے نہیں لکھا۔ میں نے انجام کے جو شعر لکھے ہیں وہ ادارۂ ادبیاتِ اردو حیدرآباد کے نسخے سے ماخوذ ہیں (تصوف ۶۶۰) اس نسخے میں ابتدا نہیں ہے۔

(۲ - ب مراۃ الاذکار نمبر ۲۶ اور ۳ - نمبر ۷۷) اس کا کوئی نسخہ حیدرآباد میں میں نے نہیں دیکھا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے اس کی ابتدا کا شعر نہیں لکھا۔ میرے پاس جو نسخہ ہے اس میں ابتدا نہیں ہے۔ آخری شعر یہ ہیں :-

اب اس ابیات کے اعداد کیے در — کرا پس سرحرف کے صدف میں پر (کذا)

یو دو سو پر ہیں نو دکل یو ابیات — کہا شہ صدرالدین اذکار کی بات

رکھیا ہوں مراۃ الاذکار کر نام — دعا کرنا اے سامع خاص ہور عام

درود حضرت رسول اللہ پو بھیجو — علم اذکار کا مرشد سوں بوجو

ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے "خاتمے کے اشعار سے ظاہر ہے کہ یہ ایک الگ مثنوی تھی جس میں ۲۶۲ (؟) شعر تھے مگر بحالتِ موجودہ صرف ۹۳ باقی ہیں۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

از "یو دو سو پر ہے نو دکل یو ابیات" تا "........ خاص ہور عام"

باقی اشعار کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیا ہوئے۔ اس کی ابتدا ناقص بھی نہیں ہے۔ اور یہ اشعار اس نام کی دوسری مثنوی میں بھی نہیں ہیں"۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا یہ شبہہ درست ہے کہ جو مثنوی سالم ہے اور اس میں صرف ترانوے شعر ہیں اس کے بارے میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اس میں دو سو نوے شعر تھے؟

شاہ صاحب کے "رسالہ کیمیا" یا رسالہ در معرفت علم مخسوبی یعنی کیمیاگری میں اشعار کی تعداد نوے تھی اور یہ رسالہ اس شعر پر ختم ہو گیا تھا ؎

اب اس ابیات کے اعداد کے در　　اپس سر حرف کے کر صدف میں پر

اس شعر میں اشعار کی تعداد کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ یعنے اس رسالے کی ابیات کے اعداد کے موتی صدف کے سر حرف یعنے "ضؔ" میں بھر دے ۔ ممکن ہے کہ اس کے بعد کے تین شعر "بو دو سو بر میں نو د" سے "مرشد سوں بوجو" تک الحاقی ہیں۔ کیونکہ رسالۂ کیمیا کے حیدرآبادی نسخے کے آخر میں ابیات کی تعداد لکھی ہوئی ہے

گل ابیات اس نسخے کے جانو　　عدد کے بیچ نو د ہے پچھانو

اب اس ابیات کے اعداد کے در　　اپس سر حرف کے کر صدف میں پر

ڈاکٹر نذیر احمد نے یہ نہیں لکھا کہ مثنوی مرأۃ الاذکار نمبر ۷ کے ابتدائی شعر کیا ہیں اور ان میں نواب دلاور خان کا ذکر ہے یا نہیں۔

مزید تفصیل یہ ہے کہ میرے پاس شاہ صاحب کی تصانیف کے صرف پانچ ورق ہیں صفحہ ۳ ب پر چوتھی سطر ہے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اور پانچویں سطر ہے "رسالہ کیمیا" اس کے بعد آغاز کے سات شعر ہیں:۔ (نقل مطابق اصل)

سنو ہے یک نقل اے سامع خوب　　تو حِسّ (کذا) کا علم ہے خوب اسلوب

پوچھے نواب دلاور خاں نے یکروز　　سخن شیریں یگانت کا دل افروز

کہے میں پوچھتا ہوں تم سوں یکبات　　ہے بہوت عالم کو کیمیا کے سوالات

اگر اس علم کا کچھ بل ہے تس کوں　　بنا دیکھیں بڑی فرما دُ ہکوں

کہا تب یو فقیر نواب کے تیں　　بسنیا ہوں یک دو نسخہ پیر سوں میں

جو کچھ مرشد نے فرمای دو بولوں　　کچھ یک اس علم کا تک راز کھولوں

لکھوں اکسیر کرنے کے طرح ہیں　　دکھاؤں کسب یو لک یک طرح میں

بچھٹے میں تن کے (رنگ)

اس کے بعد کے ورق غائب ہیں پھر ورق ۴ الف پر کے ابتدائی پانچ شعر یہ ہیں :۔ (نقل مطابق اصل)

لے آ ناسنکھی بینش کی اول،　　کرے گو گرد دانش سات توں حل

اگن میں عشق کے دے تاؤ یک آن　　ہوئے بیشک زری خالص او حلان

لے رس سطکی لیموں کا جوانا　　دونوں کوں پیس ہر دو یک ہوجانا

رہنچا بازار کنٹ کے بھی لے سودا　　نفع پاویگا لئے ہیں آزمودہ

اوگندک سنکھی ہیں کل ہضم ہوئے　　رہے نا اس میں گندک کی زری بوئے

ان اشعار کا مضمون کیمیاگری یا کیمیا سے تعلق ہے اور بعد کے اشعار میں ایک معنوی تسلسل ہے صفحہ ۵ الف پر کے آخری چار شعر ع ابـ اس ابیات کے اعداد کے دڑ سے ع علم اذکار کا مرشد سوں بوجہ تک اوپر نقل ہو چکے ہیں، اس سے یہ قیاس ہوتا ہے اور غالباً درست ہے کہ رسالۂ کیمیا کے آخر میں کسی مراۃ الاذکار کے تین شعر شامل ہو گئے ہیں۔

حیدرآباد میں شاہ صاحب کا ایک رسالہ ہے، اس کا عنوان ہے" این رسالہ در معرفت علم کوسی یعنے کیمیاگری" آغاز میں نواب دلاور خان کا نام آیا ہے :-

پوچھے نواب دلاور خان یکروز　　سخن شیریں یگانت کا دل افروز

انجام :-　سگل ابیات اس نسخے کے جانو　　عدد کے بیچ نود ہے پچھانو

ابـ اس ابیات کے اعداد کے دڑ　　اپس مر حرف کے کرصد میں پر

پھر بھی یہ مشکل باقی رہ جاتی ہے کہ ان اقوال میں کیسے مطابقت ہو سکتی ہے :-

ڈاکٹر نذیر احمد :　مراۃ الاذکار نمبر ۲۷، انجمن ترقئ اردو میں ۲۳۱ شعر ہیں

ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے مراۃ الاذکار میں ابیات کی تعداد ہے۔ ع دو سو تیئیس بیت بولیا خوب اسلوب۔ ۲۲۳

ڈاکٹر نذیر احمد :- مراۃ الاذکار نمبر ۲۶ ب اور نمبر ۷، کتب خانۂ انجمن ترقئ اردو میں ۲۶۲ شعر تھے مگر بحالت موجودہ صرف ۹۳ باقی ہیں،

مراۃ الاذکار نمبر ۲۶　ابتدا اور خاتمہ ناقص

مراۃ الاذکار نمبر ۷، مکمل ابیات کی تعداد ع یو دو سو پر ہے نود کل یو ابیات

رسالۂ کیمیا حیدرآباد :- ع　عدد کے بیچ نود ہے پچھانو

میسور اور علی گڑھ کے رسالۂ کیمیا کے آخر میں اگر مراۃ الاذکار کے شعر بڑھا دئے گئے ہیں تو یہ شعر کس مراۃ الاذکار کے ہیں۔ کیونکہ مراۃ الاذکار کے ایک نسخے میں" دو سو تیئیس بیت" اور دوسرے نسخے میں" دو سو پر نود" شعر ہیں اور ۲۲۳ اور ۲۹۰ میں سرسٹھ کا فرق ہے۔

۲۔ ج۔ آغاز :۔

میں پن بوج نز ولی جان　　عروجیت کا سنو بیان

انجام :۔

یو عارف کو بس ہے بول　　کہاں تیں اسکو کہئے کھول

کتب خانۂ سالار جنگ میں اس کا نسخہ موجود ہے اور انجام کا شعر میں نے اسی نسخے سے نقل کیا ہے

۲۔ د　آغاز :۔

سنو میرا اب ایک سوال　　جواب لکھوں بر حسبِ حال

یہ ابتدائی بیت اصل میں مصباح النور کی ہے ۔ انجمن کے نسخے میں اس کتاب کے ابتدائی ورق آخر کے ورقوں سے جدا ہو گئے ہیں ۔ اور آخری ورق ۶ ۔ مصباح النور نمبر ۸ ، کی صورت میں موجود ہیں سالار جنگ کے کتب خانے میں اس کا مکمل نسخہ موجود ہے ۔ وضاحتی فہرست (۲۲۲) رسالۂ تصوف میں دو رسالے ہیں ۔ پہلا مراۃ الاذکار اور دوسرا مصباح النور ، لیکن ہاشمی صاحب نے جیسا کہ ان کا معمول ہے آغاز میں مراۃ الاذکار کے شعر اور اختتام میں مصباح النور کے شعر لکھ دئے ہیں ، انھوں نے اتنا بھی محسوس نہیں کیا کہ مراۃ الاذکار سے کروں حمد و ثنا حق کا اول میں ؛ ہے نعت مصطفےٰ کا خوش نولیس اور مصباح النور سے آپی دریا آپی بوند ؛ بس کر صدرالدین کہہ موند ؛ کی بحریں الگ الگ ہیں

انجام :۔

جو کچھ طالب کو درکار　　سب اس بیچ کیا اظہار

ڈاکٹر نذیر احمد نے خاتمے کے چند ضروری شعر لکھے ہیں وہ یہ ہیں :۔

تب یہ بولیا ان کے ساتھ　　چھے سو چوراسی ابیات

نام اس کا مصباح النور　　جوں موسیٰ کو ہے کہ طور

تاریخ جوں لالہ در باغ　　ایں دودہ بن جان چراغ

عدد چراغ ابجد کے او　　چار او پر ہیں بارہ سو

انک دودہ کے چالیس جان　　گھٹا چراغ سوں خوب پچھان

رہے گیارا سو ساٹھ اور چار　　خوب سمجھ کر دیکھ اس ٹھار

آپی دریا آپی بوند، بس کر صدرالدین کچھ بوند

آپ صدرالدین ہوا انجان تو مت رہ ھو دیک درمیان

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ چراغ کے عدد ۱۲۰۴ ہیں "دوده" کے عدد جو چالیس ہیں گھٹائیں تو ۱۱۶۴ باقی رہتے ہیں، لیکن دوده کے انک چالیس نہیں ہیں انیس ہیں۔ علاوہ ع اس دوده بن جان چراغ کے معنے اگر یہ ہیں کہ اس نور کے چراغ میں دھواں نہیں ہے تو "دود" کے آخر میں ہ کیسی۔ بہرحال یہ تخرجہ میری سمجھ میں نہ آیا اور میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ شعر غلط نقل ہوئے ہیں۔

ہاشمی صاحب لکھتے ہیں کہ مذکور رسالۂ تصوف میں ۵۶ صفحے اور ہر صفحے میں گیارہ سطریں ہیں۔ یعنے ان اوراق میں زیادہ سے زیادہ ۶۱۶ اشعار کی گنجایش ہے لیکن مراۃ الاذکار کے ۲۲۳ اور مصباح النور کے ۶۸۴ جملہ ۹۰۷ شعر ہوتے ہیں۔ یعنے بقول ہاشمی صاحب ۵۶ صفحوں کی بجائے ۸۲ سے زیادہ صفحے ہونے چاہئیں، علاوہ اس ہیں مراۃ الاذکار کے نسخے کا خاتمہ نہیں ہے۔ یہ معما وضاحتی فہرست پر جو اصحاب نظرِ ثانی کر رہے ہیں وہ حل کریں گے۔

۳۔ مراۃ الاذکار نمبر ۷۷، اس پر تفصیلی بحث اوپر گذر چکی ہے۔ ۲۔ب مراۃ الاذکار نمبر ۲۶ کے تحت

۴۔ رسالہ کسب عروج نمبر ۳۲ تا ۳۴

کسبِ عروج کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں" دراصل یہ عنوان ہمارے نسخوں کے اعتبار سے الحاقی ہے۔ پہلے دو میں کوئی عنوان نہیں ہے البتہ تیسرے کے ترقیمے میں اس مثنوی کا نام مظہر بتایا گیا ہے صفحہ ۱۸۔

میرے پاس جو رسالہ ہے اس کی ابتدا یہ ہے :۔

اول نام اللہ کا لیکھ بعد نبی رسول

کاسب کے تیئں کسب دے بکھیا صدرالدین انول

کسب بنا سب بوج ابوج ہے بوج نہ بوجے سوج،

سوج بوج کی بوج آوے تو دی بوج عروج

ساتو صفتوں میں ہی پن ہے سات نہیں تو ٹیک

ساتو کے تیئں ٹیک کئے پر ٹیک دسے گا دیکھ

انجام :- عروجیت کا حال جو کچھ تھا سو بھی کیا اظہار
شہ صدرالدین توں بول بکو کچھ پھر پھر کیا تکرار
چھتالیس ابیات سکل یو یاد رکھولے دوست
یو جب دیکھ کریگا پیدا دسے تجی ہمارت

ترقیمہ :- رسالہ نقطہ ببع صفات تمام شد

۵ - رموزات الکاسبین نمبر ۲۸ تا ۳۱ یا رموز اسکاسبین یا کسب محویت

آغاز : نام لے اللہ محمدؐ کا اول کسب کاسب کو کہوں در ہر محل
گوش جاں سوں اب سنو صاف یقیں کیا کتا ہے نظم میں شہ صدرالدین

انجام

بس کرلے شہ صدرالدین اس راز کو دید میں دیدار پا آپس کوں کھو
سو پو پندرا نظم میں بیتاں تمام یاد رکھنا بر زباں لے خاص عام

ع سو پو پندرا نظم میں بیتاں تمام ، کو نصیرالدین ہاشمی صاحب نے یوں پڑھا ہے
ع ہو یو بن در نظم نیں شان سکام -

۶ - مصباح النور نمبر ۷۸ اس پر تبصرہ ۲ - د - رسالہ تصوف نمبر ۲۶ کے تحت ہو چکا ہے ۔
۷ - مفتاح النور نمبر ۱۳۹ یہ عارفانہ رسالہ نثر میں ہے - جو کنت کنزا مخفیا کی عارفانہ تفسیر سے شروع ہو کر تصوف کے مختلف مسائل کو گھیرے ہوئے ہے ۔

بالکل اسی مضمون کے چار رسالے در اسرار نمبر ۲۱۷ اور در الاسرار ۲۱۸ تا ۲۲۰ وضاحتی فہرست میں ملتے ہیں - لیکن ان چاروں رسالوں میں مصنف کا نام نہیں ہے ، ڈاکٹر نذیر احمد نے وہ عبارت نہیں لکھی جس میں اس رسالے کا نام مفتاح النور بتایا گیا ہے . اور پروفیسر سروری صاحب کے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مراۃ الاسرار کا جو نسخہ ملا تھا اس کے ساتھ مفتاح النور نامی ایک رسالہ بھی تھا - انھوں نے یہ نہیں لکھا کہ مفتاح النور کا مصنف کون ہے :-

" مراۃ الاسرار مجھے شاہ صاحب موصوف کے سلسلے کے ایک مرید کے ذخیرے

سے دستیاب ہوا تھا۔ جو کرم خوردہ کاغذات میں ایک دوسرے رسالے "مفتاح النور" کے ساتھ نہایت خستہ حالت میں پڑا ہوا تھا"

حاصل یہ کہ ادیب صاحب اور سروری صاحب نے شاہ صاحب کی پانچ تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

ادیب صاحب : مراۃ الاذکار[۱]، من لگن[۲]، مصباح النور[۳] (۱۹۳۶)

سروری صاحب : مراۃ الاسرار[۴]، مفتاح النور[۵] (۱۹۴۴)

وضاحتی فہرست میں رسالہ کسب عروج کا ذکر ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے لکھا ہے کہ انجمن ترقی اردو میں اس کے تین نسخے ہیں۔ اور ان میں سے دو میں اڑتالیس اور تیسرے میں سینتالیس شعر ہیں۔ میرے پاس جو نسخہ ہے اس میں بھی اڑتالیس شعر ہیں۔ ہاشمی صاحب نے ایک "رسالۂ صدرالدین کا ذکر کیا ہے۔ اس کا نمبر ۱۲۲ ہے۔ لیکن لکھا ہے کہ اس میں آٹھ صفحے ہیں اور ہر صفحے میں تیرہ سطریں ہیں اس لحاظ سے کل شعر ایک سو چار[۴] ہوئے۔ ان میں سے ۴۸ شعر کسب عروج کے[۱] ور بقیہ شعر کسی اور تصنیف کے ہیں علاوہ آغاز اور انجام کے اشعار میں بحر کا اختلاف ظاہر کر رہا ہے کہ یہ ایک تصنیف کے شعر نہیں ہیں۔

آغاز :

اوّل نام اللہ کا لے کر بعد نبی رسول
کا سب کے تیئں کسب دیکھیا صدالدین انمول

اختتام :

کیا کہے ہیں شاہ صدرالدین بیاں قول جو مقبول نزدِ عارفاں
موج لاحرکت ہو وسی پر دل ہو جاری تب کیتیں تجھ روح کا چہرہ نکھاری

(یہ شعر یقیناً غلط نقل ہوا ہے)

نتیجہ یہ کہ شاہ صاحب کی ایک اور تصنیف ہے جس کے اختتام میں مذکور شعر ہیں۔

وضاحتی فہرست میں ایک اور تصوف کا رسالہ ہے نمبر ۲۲۵۔

آغاز: من در بن تن ہے سیماب عکس روح حق شخص ہے آب

شخص بنا نیں عکس ظہور　　عکس بنا درپن بے نور

وسط : اصل اصول اس کا اب جان　　صدرالدین میں من پہچان

انجام : جب یو میں پن جاوے توٹ　　قید دنیا سوں ہووے چھوٹ

اپنا میں پن جاوے نکل　　نور منزّہ ہوی اصل

یہ شعر میں نے اصل نسخے سے نقل کئے ہیں ۔ ہاشمی صاحب کے تصرفات کوئی دیکھنا چاہیں تو فہرست دیکھیں ۔ مذکور دس رسالوں کے علاوہ ایک اور رسالہ میں نے حیدرآباد میں دیکھا ہے :۔

آغاز :

طالبِ حق ہے تو سن دھر گوش دل　　جی انا وحدت میں ہے جا اوس سوں مل

زندگی دنیاں کو گویا وہم ہے　　او سمجھتا ہے جسے کچھ فہم ہے

انجام :

قلب کر دیکھ اس انا کوں ہوٹے انا　　نا ہووے ہرگز انا بالکل فنا

جی بقا ہے سو فنا کیوں ہوے گا　　جی فنا ہے سو اسے کوں کھوئیگا

صدرالدیں توں کھو تکو ہرگز انا　　اس انا میں آپ کوں کرنا فنا

توں انا ہو رہ انا ہو رہ انا　　تجکوں میں ہر بار پھر پھر کیا کنا

ہاشمی صاحب : آپ کی وضاحتی فہرست مطبوعہ جنوری ۱۹۵۷ میں چار رسالوں کی وضاحت ہے :۔

(۲۲۱) رسالۂ صدرالدین کے تحت رسالہ کسبِ عروج کا آغاز ہے ۔ یہ چھٹی تصنیف ہے ۔ اور شاہ صاحب کے کسی اور رسالے کا انجام ہے ۔ یہ ساتویں تصنیف ہے ۔ اور رموز الکاسبین آٹھویں تصنیف ہے اس کے دو نسخے ہیں (۲۲۲-۲۲۳) ایک اور رسالۂ تصوف ہے (نمبر ۲۲۵) جس کے پہلے شعر کا پہلا مصرع ہے ۔ من درپن تن ہے سیماب ، یہ نویں تصنیف ہے ۔

ڈاکٹر نذیر احمد :۔ ۲ ب مراۃ الاذکار نمبر ۲۶ ناقص اور نمبر ۲۷ کامل ۔ ڈاکٹر صاحب نے بلیٹن میں کامل نسخے کا آغاز نہیں لکھا اس کے بارے میں اصل نسخہ دیکھے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ یہ رسالہ کیمیا ہے یا مراۃ الاذکار نمبر ۲۷ سے علٰحدہ کوئی اور مراۃ الاذکار ہے ۔

۱۰

مضمون نگار :- رسالۂ کیمیا شاہ صاحب کا دسواں رسالہ ہے اور گیارہویں رسالے کے پہلے شعر کا پہلا مصرع ہے ۔

طالبِ حق ہے توسن دھر گوش دل .

یہ دو رسالے میں نے حیدر آباد کے مذکور کتب خانوں میں سے کسی ایک کتب خانے میں دیکھے ہیں ۔ کتب خانۂ سر سالار جنگ ، کتب خانۂ ادارۂ ادبیات اردو اور اسٹیٹ لیبریری ، لیکن ان رسالوں کے آغاز اور انجام نقل کرتے وقت سہواً کتب خانے کا نام اور کتاب کا نمبر حذف ہو گیا ہے ۔

شاہ صاحبؒ کی تصانیف جن کے نام معلوم نہیں ہیں

پہلی ، ۲ ج ۔ آغاز :-

من پن بوج نز دلی جان   عروجیت کا سنو بیان

دوسری ، انجام :-

کیا کہے ہیں شاہ صدرالدین بیاں   قول جو مقبول نزدِ عارفاں

تیسری ، آغاز :-

من درپن تن ہے سیماب   عکس روح حق شخص ہے آب

چوتھی آغاز :-

طالبِ حق ہے توسن دھر گوشِ دل   جی انا وحدت میں ہے جا اوس سوں مل

ممکن ہے کہ ان میں سے کسی تصنیف کا نام من لگن ہو جس کا ذکر ادیب صاحب نے غازئ اعظم میں کیا ہے ۔

نواب دلاور خان

"دلاور خان بن دلیر خان بن داراب خان اکبر آبادی شش ہزاری منصب دار تھا۔ نظام الملک آصف جاہ اسے بہت دوست رکھتا تھا اور باکھوڑ کے بائیس پرگنے اس کو جاگیر میں دئے تھے۔ پھر اس کو طلب کر کے بہت اصرار سے صوبہ سرا کی قلعہ داری اور دیوانی بادشاہی اس کے تفویض کی۔ جب دلاور خان قلعے میں داخل ہوا تو طاہر خان نے آہ و حسرت سے قلعے کو چھوڑ کر شہر میں سکونت اختیار کر لی ...... دلاور خان کا بیٹا افضل خان کولار کا قلعہ دار تھا۔ سنہ ۱۷۴۴/۱۱۵۷ء میں جب نظام الملک آصفجاہ کرناٹک پائین گھاٹ کا انتظام کرنے کے لئے روانہ ہوا تو نواب دلاور خان بھی حضور کی طلبی پر ہزار سوار اور چار ہزار پیادہ اور پالیگار کے پانچ چھ ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر گیا تھا۔ اور اس مہم سے فراغت ہونے کے بعد رخصت ہو کر سرا کو پہنچا۔ ناصر جنگ کو قتل کرنے کے مشورے میں اگرچہ صاحب سرا رضا مند نہیں تھا لیکن افاغنہ نے جبر سے محضر پر اس کی مہر لگوائی تھی، ناصر جنگ کی شہادت کے بعد بخار کا بہانہ کر کے سرا کو واپس ہو گیا، دلاور خان کا ایک بھائی دلیر خان نامی تھا، ناصر جنگ مقتول کے بھائی صلابت جنگ کی نظامت کے زمانے میں راجہ سیتھل داس دیوان نے حیدر قلی خان نامی ایک شخص سے ۲ دو لاکھ روپے نذر لیکر اپنی سفارش سے اس کو صوبہ سرا کی صوبہ داری کی سند جس پر صلابت جنگ کی مہر تھی دلوائی غرض نواب موصوف (دلاور خان) عیاش تھا۔ اپنے اکثر اوقات رنگین عمارتوں کی تعمیر اور گلزار و آبشار کے سیر تماشے میں صرف کرتا تھا۔ سنہ ۱۷۵۲-۵۳/۱۱۶۶ء میں بالاجی راؤ نانا پونا کے پیشوا کے ستر لاکھ روپے کے ملک کی سند صلابت جنگ سے حاصل کی۔ اس مبلغ میں صوبہ سرا کے بائیس تعلقے بھی (پالیگار کے مقبوضات کے سوا) داخل تھے تو اس نے صوبۂ سرا پر فوج کشی کی۔ چنانچہ راقم سطور نے یہ حقیقت مفصل نشانِ حیدری میں لکھی ہے۔ قصہ کوتاہ بالاجی راؤ نے مذکور سند کی نقل نواب دلاور خان کے پاس بھیجی۔ نواب نے ناظم حیدرآباد کی مہر دیکھی، اور بلا عذر قلعے کو پرگنوں کے ساتھ سپرد کر کے اس کی رسید لے لی اور سبکدوش ہو گیا، بالاجی راؤ نے نواب کی دیانت داری اور کثیر العیالی پر نظر کر کے اپنی طرف سے بائیس پرگنے کولار کے بطور جاگیر دے کر روانہ کیا اور اپنے ایک امیر بلونت راؤ کو سرا کی صوبہ داری دے کر خود آگے بڑھ گیا۔ تین سال کے بعد بلونت راؤ

معزول ہوگیا. گوپال راؤ ناظم مرج اس صوبے کا ناظم مقرر ہوا سنہ ۱۷۵۶-۵۷ / ۱۱۷۰ میں بسالت جنگ بن نظام الملک آصف جاہ نے نواب حیدر علی خان سے اتفاق کر کے پہلے ہسکوٹہ فتح کیا پھر صوبہ سرا پہنچ کر محاصرہ کرلیا۔ دو تین مہینے کی کوشش سے جناجی پنت نامی مرہٹہ قلعدار سے قلعہ لے لیا اور اس صوبے کا انتظام اور وہاں کے پالیگار کو حیدر علی خان کے سپرد کر کے خود ادھونی چلا گیا، حیدر علی خان صوبہ سرا کا انتظام میر رضا علی خان کے سپرد کر کے چک بالاپور وغیرہ فتح کرنے کے لئے چلے گئے، پانچ سال بعد بالاجی راؤ نے سرا کا قلعہ میر موصوف سے لے لیا اور اس کو اپنے ملازموں میں داخل کرلیا اور گرم کنڈے کا علاقہ جاگیر میں دے کر اس کے نواح کا بندوبست میر کے ذمہ دیا۔ آٹھ سال تک صوبہ سرا مرہٹوں کے قبضے میں رہا۔ لیکن ٹیپو سلطان نے یہ قلعہ بابوجی سندھیہ سے لے لیا، اس روز سے تیئس سال تک حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان کے ماتحت رہا۔ لارڈ کارنوالس نے نظام الملک اور ناظم پونہ کے سپہ سالاروں سے اتفاق کر کے ٹیپو سلطان پر فوج کشی کی تھی تو ہری پنت پھڑکیا نے ۱۷۹۱-۹۲ / ۱۲۰۶ میں غلام محی الدین قلعہ دار سے قلعہ لے لیا اور ایک سال تک حکومت کی پھر ۱۷۹۹ / ۱۲۱۳ میں جنرل ہارس نے اکیس روز کی کوشش سے سرنگاپٹم کا قلعہ فتح کرلیا اور ٹیپو سلطان شہید ہوگئے تو یہ قلعہ انگریز کی کمپنی میں داخل ہوگیا۔"

نواب دلاور خان کے حالات میں نے تذکرۃ البلاد والحکام مصنفہ میر حسین علی کرمانی سے نقل کئے ہیں۔ چونکہ یہ کتاب کم یاب ہے۔ اصل عبارت ذیل میں نقل کر دی ہے :-

کتب خانۂ نواب سالار جنگ، ف، تاریخ ۱۴۶، تذکرۃ البلاد والحکام موسوم بہ چہار دہ اورنگ اورنگ دوئم شرح بنائے صوبہ سرا و ذکر حکام آں صوبہ بتفصیل ذیل این کہ صفحہ ۲۷ تا ۵۲ "دلاور خان بن دلیر خان بن دراب خاں اکبرآبادی کہ شش ہزار منصب داشتہ بود نظام الملک آصفجاہ او را بسیار دوست می داشت و دوبست پرگنہ پاکوٹڑ بہ خان مذکور جاگیر دادہ بود، دراں ولا طلب داشت۔ بعد و کد بسیار قلعداری صوبہ سرا و دیوانی بادشاہی تفویض کردہ روانہ فرمود چوں دلاور خان داخل قلعہ گردید، نواب طاہر خاں آہ و حسرت قلعہ را گذاشتہ در شہر سکونت داشت ...... افضل خان پسر دلاور خان قلعدار کولا ...... چوں در سنہ ۱۱۵۷ ہجری نظام الملک آصف جاہ برائے بندوبست کرناٹک پائین گھاٹ رخصت فرمود، نواب دلاور خان نیز حضور طلب شدہ، ہزار سوار و چہار ہزار پیادہ جمع کردہ و پنج شش ہزار مردم پالیگار ہمراہ خود بردہ بود بعد فراغت ازاں مہم رخصت گشتہ بصوبہ سرا رسید ...... در مشورت

قتل ناصر جنگ اگرچه صاحب سرا رضامند نبود اما افاغنه جبراً بر تجویز نامه مهرش کنانیده بود و بعد شهید شدن
ناصر جنگ بلطائف الحیل که بیماری تپ را بهانه ساخته داخل صوبه سرا گردید...... دلیر خان برادر دلاور خان
...... در عهد نظامت صلابت جنگ برادر ناصر جنگ راجه بیتهل داس دیوان شخص حیدر قلی خان نامی
را بسفارش خود بعد گرفتن دو لک روپیه نذر خود صوبداری صوبه سرا بمهر صلابت جنگ دهانید......
غرض نواب موصوف عیاش بود اکثر اوقات خود بتعمیرات رنگین و بسیر و تماشائے گلزار و آبشار صرف
میکرد، چول در سنه ۱۱۶۶ هجری بالاجی راؤ نانا سرکردهٔ پونا سند ملک هفتاد لک روپیه از صلابت جنگ بدست کرده
بهر آن که دو و بست تعلقات صوبه سرا سوای پالیگار داخل مبلغ مذکورش بود بایں نواح فوج کشی نمود
چنانچه راقم سطور مفصل این حقیقت در نشان حیدری ترقیم ساخته است، قصه کوتاه نقل سند مذکور بنواب
فرستاد نواب نظر غور بمهر ناظم حیدرآباد نمود بلا عذر قلعه صوبه معه پرگنات سپرد و رسیدش گرفته فارغ گشت
راؤ مذکور بر دیانت داری و کثیر العیالی نواب نظر کرده دو و بست پرگنه کولار از طرف خود جاگیر داده روانه نمود
و بلونت راؤ نامی امیر خود را دراں صوبه...... گذاشته خود بیشتر روانه گردید...... بعد سه سال بلونت راؤ
معزول شد...... گوپال راؤ ناظم مرج بایالت آنصوبه مقرر شد...... در سنه ۱۱۷۰ هجری بسالت جنگ
بن نظام الملک آصف جاه باتفاق نواب حیدر علی خان اول هسکوته گرفته بصوبه سرا رسید و مورچال زده
بسعی دو سه ماه از دست قلعدار مرهٹه که جمناجی پنت نام داشت تسخیر کرده در و بست آنصوبه معه پالیگار
بنظامت حیدر علی خان بهادر سپرده خود بسمت ادهونی مراجعت نمود پس خان موصوف میر رضا علی خان
را بندوبست آں صوبه تعین ساخته خود بضبط چک بالاپور وغیره شتافت، بعد پنج سال مادهو راؤ نانا بالاجی راؤ
لشکر کشی کرده قلعهٔ آں صوبه از دست میر موصوف بتصرف خود آورد و او را داخل ملازمان خود ساخت و
تعلقه گرم کنده جاگیر داده به بندوبست آں نواح نامزد نمود، تا مدت هشت سال باز آں صوبه بضبط مرهٹه بود
...... ٹیپو سلطان از دست بابوجی سندهیه قلعه تسخیر کرده بضبط خود آورد...... پس ازاں روز تا بیست
و سه سال زیر حکم حیدر علی خان و ٹیپو سلطان ماند...... در حینیکه جنرل لارڈ ارل کارن والس بهادر
با سپه سالاران فوج انگریزیه و نظام الملک و ناظم پونه اتفاق کرده بر ٹیپو سلطان فوج کشی نموده بودند —
هری پنت پهڑکیا با فوج خود رسیده در سنه ۱۲۰۶ هجری از دست غلام محی الدین قلعدار مذکور...... گرفته
یک سال عمل کرد بعد صلح فیما بین هر سه سرکار باز در سنه ۱۲۱۳ هجری لشکر انگریز بسرداری جنرل هارس

سپہ سالار در تاختہ بعی بست و یکم وزاز یورش بہاری قلعہ سرینگ پٹن گرفت و ٹیپو سلطان شہید شد ایں قلعہ داخل کمپنی انگریز گردیدہ است"

مذکورہ عبارت میں ایک جملہ قابل غور ہے :-

"راقم سطور مفصل ایں حقیقت در نشانِ حیدری ترقیم ساختہ است"

"راقم سطور نے مفصل یہ حقیقت نشان حیدری میں لکھی ہے۔ اس سے بظاہر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نشان حیدری اس تذکرے سے پہلے کی تصنیف ہے، لیکن نشانِ حیدری میں اس تذکرے کا ذکر چار بار آیا ہے۔ اور ہر جگہ یہی لکھا ہے کہ "میں یہ تذکرہ لکھ چکا ہوں"۔

۱۔ راقم سطور مفصل احوالش (قلعۂ ادھونی) در کتاب تذکرۃ البلاد والحکام در اورنگ سیوم بیان ساختہ است، وازاں جا مبرہن خواہد شد، صفحہ ۳۰۵، سنہ ۱۱۹۹ھ

۲۔ مفصل احوال خاندانش (مدکم گوڑہ) راقم سطور بکتاب تذکرۃ البلاد والحکام در اورنگ دہم علٰحدہ ترقیم کردہ صفحہ ۳۰۸، سنہ ۱۱۹۹ھ

۳۔ راقم سطور مفصل ایں ماجرا در کتاب تذکرۃ البلاد والحکام در اورنگ ہفتم نگاشتہ است صفحہ ۳۶۸، سنہ ۱۲۰۷ھ۔

۴۔ راقم سطور مجمل کیفیتش (دھوندوجی واگیہ) بیشتر در اورنگ چہارم و دوازدہم کتاب تذکرۃ البلاد والحکام چیزی مندرج ساختہ بود وبعد آں علٰحدہ در اورنگ چہاردہم مفصل مذکور کردہ است، صفحہ ۳۸۰، سنہ ۱۲-۱۲۰۸ھ

حقیقت یہ ہے کہ کرمانی ان دونوں کتابوں کا مواد سنہ ۸۲-۱۷۸۱م ۱۱۹۶ سے جب کہ وہ نواب حیدر علی خان کی ملازمت میں داخل ہوئے تھے جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور ۱۷۹۹ء تک یہ دونوں کتابیں لکھی جا چکی تھیں، ان میں تقدیم و تاخیر زمانہ کا حال یہ ہے کہ نشانِ حیدری سے پہلے تذکرۃ البلاد والحکام اور تذکرۃ البلاد والحکام سے پہلے نشانِ حیدری لکھی جا چکی تھی،

کرمانی لکھتے ہیں کہ انھوں نے ۱۲۱۶م ۰۲-۱۸۰۱ میں نشانِ حیدری لکھی۔ ع

سال تاریخ ختم آں خرم دم   بے سر کذب گفت ذکر دو شاہ
۱۲۱۶ = ۲۰ — ۱۲۳۶ م

اور تذکرۃ البلاد والحکام کا سنہ تصنیف ۱۲۱۵م ۰۱-۱۸۰۰ سے ۱۲۲۵م ۱۸۱۰ تک ہے دراصل یہ زمانے ان کتابوں پر نظرِ ثانی کے ہیں۔

شاہ صاحب کے مزید حالات

بنگلور کے شمال مشرق میں بنگلور سے ٹمکور کی شاہ راہ پر بنگلور سے سولہ میل دور نیلونگل شہر ہے۔ اس شاہ راہ کی بائیں طرف بس اسٹانڈ کے جنوب مغرب میں کوئی سو گز کے فاصلے پر شاہ صاحب کا مزار ہے۔ یہ مزار ایک اونچے چبوترے پر ہے اور اس چبوترے کے چاروں کناروں پر جالی دار دیوار ہے۔ اور اس دیوار کے اندر مزار کے چاروں طرف ایک اور دیوار ہے۔ اوپر کوئی سایہ نہیں ہے۔ اس وقت یہاں کے سجادہ نشین سید حضرت پاشا قادری صاحب ہیں۔ جو شاہ صاحب کی اولاد میں ہیں۔ اس سال عرس منایا گیا۔ اشتہار کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نلمنگل میں کئی سالوں سے شاہ سید صدرالدینؒ کا صندل و عرس شریف بند تھا۔ لیکن مقام مسرت ہے کہ اس سال سے پھر صندل و عرس کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور آئندہ بھی ہر سال عرس منانے کے انتظامات ہوئے ہیں لہٰذا خوشخبری دی جاتی ہے کہ بروز جمعہ ۶ مارچ سنہ ۱۹۵۹ء بعد نماز مغرب فاتحہ کے بعد صندل مزار مبارک پر چڑھایا جائے گا۔ المشتہر سجادہ نشین درگاہ شریف سید حضرت پاشا قادری نلمنگل۔

درگاہ کی جاگیر کی سند یہ ہے:-

مہر نظام الملک

نقل مطابق اصل

حق تعالیٰ

بمتصدیان مہمات حال و استقبال و دیسمکھیان و دیسپاندیان و دیسکلکرتیان و رعایا و مزارعان و مہاجنان سمت سونڈی کپ وغیرہ پرگنہ ہسکوٹہ سرکار سرا تعلقہ کرناٹک صوبہ دارالظفر بیجاپور نوشتہ میشود مبلغ یکفلوس درماہہ خارج جمع بطریق رسوم خیرات سرخانہ رعایاء سکنہ سمت مذکور وغیرہ تعلقہ آن نلونگل و سولوروو ادگنٹہ باشد۔ و موازی پاڈکم یک چادر زمین آبی و خشکی خارج جمع لایق زراعت از سواد دیہات سمت مذکور بطریق انعام

دروجہ مدد معاش متعلقان حقایق آگاہ شاہ صدرالدین درویش حسب الضمن مقرر گشتہ باید کہ وجہ رسوم مسطور را بلا اہمال و بی عذر ماہ بماہ بفقراء درویش مذبور میرسانیدہ باشند و اراضی مذکور بتصرف مشارٌ الیہما واگذارند کہ حاصلات آنرا صرف معیشت خود ہا نمودہ بعبادت و دعاء دوام دولت ابد مدت اشتغال داشتہ باشند۔ دریں باب تاکید اکید و قدغن بلیغ دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ بتاریخ پانزدھم ۱۵ شہر جمادی الاول سنہ ۱۱۵۶ ہجری قلمی شد،

شاہ صاحب کے بارے میں اور زیادہ حالات قارئین کو "علی گڈھ تاریخ ادب اردو" حصہ دوم میں میرے مقالے "میسور میں اردو" میں ملیں گے ۔

مراثی محمد سعید مہکری المتخلص بہ عاصی نلونگلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کربلا کی سرزمیں پر بسکہ قحطِ آب تھا　　قطرۂ اشکِ یتیماں گوہرِ نایاب تھا
حلق شاہِ بے گنہ کا کربلا میں وادریغ　　آب سوں اوس خنجرِ بیداد کے سیراب تھا
تشنگی سیں شاہ کے افسوس ہے عالم اپر　　گوہرِ بحرِ رسول اللہ کیوں بے آب تھا
درد سے اوس گلبنِ باغِ رسالت کے دریغ　　گل گریباں چاک تھا سنبل پو پیچ و تاب تھا
قاسم نوشہ چلے اور علی اکبر چلے　　سرورِ مظلوم پر اوس روز کیا اسباب تھا
کشتیٔ آلِ نبیؐ پر ظلم کی امواج سوں　　آہ کیا طوفان تھا کیا جور کا سیلاب تھا
جن کے تیئں دشوار تھا رکھنا قدم مخمل اُپر　　خاک کے بستر اوپر اوس سرورں کو خواب تھا
فرقِ فرزندِ پیمبر جلوہ کر نیزے اوپر　　ماہ شب افروز تھا خورشید عالم تاب تھا
ظالموں نے شاہ کی کیا خوب مہمانی کئے　　درد کا خوان عزی اور آب کا خوناب تھا
شاہ تنہا سیف جیوں ہو برق میدان پر چلی　　دل منے کفار کے بادل میں جیوں مہتاب تھا

کیوں کہ عاصی خاک ڈالے سر اوپر عاشور میں
مصطفےٰؐ کے آل پر اوس روز کیا اسباب تھا

ولہ

خوں سوں شہ کے آج صحنِ کربلا رنگیں ہوا　　بحرِ خوں میں گوہرِ خیر النساء رنگیں ہوا
حشر نیں برپا ہوا کیوں خلق نیں بیجاں ہوا　　تیغ سے جب بوسہ گاہ مصطفےٰؐ رنگیں ہوا
ساغرِ زہرِ زمرد رنگ سے واحسرتا　　حضرتِ زہرا کا لعلِ بے بہا رنگیں ہوا
کیوں ہوا نیں چاک اس غم سوں گریبانِ فلک　　جب شہِ مظلوم کا خوں سوں قبا رنگیں ہوا
آبِ حیواں جا پڑیا اس درد سوں ظلمات میں　　پیاس سے جب خوں میں او نورِ خدا رنگیں ہوا

شاہ کی تحریر حرفِ غم منی دل چاک ہو — صفحۂ محفوظ پر کلکِ قضا رنگیں ہوا
شاہ کا جسمِ مطہر نیم بسمل دیکھ کر — روح پاکِ حضرتِ خیر النسا رنگیں ہوا
کیوں گوارا ہوے پانی عاصئ غمگیں اوپر
تیر سوں بن نیر اصغر کا گلا رنگیں ہوا

ولہ

اے صبا کیوں کربلا میں شاہ تھے بے یار بول — کیوں چلیا پیاسے گلے پر خنجرِ خونخوار بول
آب سوں رمضان میں عالم کو نہیں ہرگز گریز — کیوں ملیا نیں شاہ کوں عاشور میں افطار بول
اے صبا تقصیر کیا تھی ظالماں نیں جو کیے — خوں سے تر سرور کے بر میں جامۂ گلنار بول
عندلیباں پر نہایت سوز ہے اس درد سے — کیوں جھڑے باغِ رسالت کے گلاں یکبار بول
بے حسابی جو کہ گذری کربلا میں شاہ پر — سوزِ دل سوں اے صبا اس درد کا طومار بول
بات کرنے پائے نیں دولن سوں گئے ان کے اوپر — قاسم ابنِ حسن کا حسرتِ دیدار بول
اس جفا کی سرزمیں پر گل نہ تھے جز خارِ غم — کیا گلے میں قاسمِ مظلوم کے تھا ہار بول
اے صبا کس زندگی خاطر دئے کفار نے — اس قدر جانِ رسول اللہ کو آزار بول
اے صبا بدگوہروں کی تیغ بے جوہر ستی — اس مبارک تن اوپر کیسے لگے تھے وار بول
باپ کے غم اور علی اصغر کے ماتم میں دریغ، — کیا اتھا اس وقت حالِ عابدِ بیمار بول
اے صبا سر خاک پر رکھ شاہ کی خدمت منے
عاصئ غمگیں سدا اس درد سے ہے زار بول

نسیم

میسور کا مشہور و مقبول شاعر

ڈاکٹر آمنہ خاتون میسور

(ولادت سنہ ۱۲۵۶ھ م ۱۸۴۰ء؛ وفات بروز شنبہ ۱۲ شعبان ۱۳۰۵ مطابق ۲۴ اپریل ۱۸۸۸)

ہماری زبان، بابت ۱ جولائی سنہ ۵۸ء میں ٹی عبدالقادر ایم اے صدر شعبۂ اردو فارسی فسٹ گریڈ کالج منگلور، ریاست میسور کا ایک مضمون "میسور کا ایک گمنام شاعر، نسیم میسوری" کے عنوان سے شایع ہوا تھا ذیل کا مضمون "نسیم، میسور کا مشہور و مقبول شاعر" جس میں مزید معلومات فراہم کئے گئے ہیں ہماری زبان بابت ۲۲ اگست سنہ ۵۸ء میں شائع ہوا اور اب نظر ثانی کے بعد اس مجلے میں شائع ہوا ہے، ۸ ستمبر ۵۸ء کو عبدالقادر صاحب کا ایک اور مضمون "ایک کتبہ — تین فائدے" ہماری زبان میں چھپا، اس مضمون میں پہلی بار اس کتبے کی نقل چھپی ہے جو نسیم کے پڑنانا ہنکی نواب محمد رضا علی خاں شہید کی قبر پر نصب تھا، اس کے بعد عبدالقادر صاحب نے "نسیم میسوری کے سو شعر مع مختصر حالات زندگی" ۲۰ اکتوبر سنہ ۵۸ء میں چھاپے، مذکور کتبے کی عبارت اور رسم خط کا بالکل صحیح نمونہ میں نے اپنے مضمون کے آخر میں پیش کر دیا ہے، علاوہ محمد علی خاں میانہ کے لکھے ہوئے "حالات نسیم" بھی نقل کئے ہیں، نسیم کے سوانح حیات کے بارے میں یہی ایک معاصر شہادت ہے جو فی الحال میسوریوں کے پاس محفوظ ہے میانہ کی تحریر اس جملے پر ختم ہوئی ہے " نواب صاحب کی ابتدائی تعلیم وغیرہ کا حال ان کے شاگرد رشید اور قدیم دوست بخشی عبدالحمید خان ساقی نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے اس لئے میں نے اسی پر اکتفا کیا" ساقی کا مذکور تذکرہ میں نے نہیں دیکھا، میرے اس مضمون میں ایک اور ندرت یہ ہے کہ گلدستۂ محبوبیہ آصفیہ میسور بابت ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۰ھ کشن راج پریس میسور میں افسر میسوری کے اہتمام سے طبع ہوا ہے، اس گلدستہ کے آخر میں افسر سکرٹری مشاعرہ مشاعرۂ محبوبیہ میسور کی ایک عنوانی تقریر "چھپی ہے، اس تقریر کے نصف اول میں حب رسول اور "روح حضور پُر نور صلعم کے نعتیہ محفل میں رونق افروز ہونے کا ذکر" ہے اور آخری حصے میں شہر میسور میں مشاعروں کے آغاز کی تاریخ ہے، پہلا مشاعرہ میسور میں نواب نسیم نے سنہ ۱۲۷۳ھ میں منعقد کیا تھا، افسر کی مذکور تقریر محفوظ نہ ہوتی تو آج ایک صدی سے زیادہ عرصے کے بعد شہر میسور میں مشاعرے کے آغاز

کا پتا چلانا ناممکن ہوتا،

جس شاعر کا کلام عوام وخواص کی زبان پر ہو، معاصرین نے اس کی داد دی ہو، شاگردوں کو اس سے تلمذ پر فخر ہو، معاصر رسالوں میں اس کا کلام چھپا ہو قدر دانوں نے اس کا دیوان شائع کیا ہو اور اس کا ذکر تذکروں میں آیا ہو، تاریخ ایسے خوش بخت شاعر کو گمنام نہیں کہتی۔

شہر میسور میں نسیم کی شاندار کوٹھی بنگی نواب کی سڑک پر حاجی عمر خان قندھاری کی مسجد سے لگی ہوئی جنوب طرف عین اسی جگہ واقع تھی جہاں اب شہزادی چلوانمبا کا دق کا اسپتال ہے۔ جوانی میں نسیم ضلع چکمگلور میں عملدار تھے، تعلقے کے اعلیٰ عہدہ دار کو عملدار کہتے ہیں نسیم[۱] نے شادی نہیں کی تھی، ان کی آزادی پسند طبیعت نے نوکری کو گوارا نہیں کیا، اس لئے نوکری چھوڑ دی اور وفات تک رئیسانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کردی، اگلے نوابوں کی طرح نسیم کے یہاں بھی شعر و سخن کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں اور شعرا کی سرپرستی ہوتی تھی، خود نسیم رات دن فکر شعر میں محو رہتے تھے۔

نسیم بہت بڑے دولت مند تھے، ان کے تمول کے بارے میں سید درویش پیرزادہ قادری متولی جامع مسجد میسور (ولادت ۱۸۵۸ء وفات ۱۹۲۳ء) کا قول مولوی عبدالرحیم صاحب متولی مسجد بندگی علی شاہ میسور بیان کرتے ہیں کہ اگر نسیم چاہتے تو ریاست میسور کے آٹھوں ضلعوں میں آٹھ علی گڑھ کالج قائم کر سکتے تھے، اس قول سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علی گڑھ کالج کے میسوری کس قدر قائل تھے، آج بھی قدیم ریاست میسور کے حدود میں سینکڑوں لوگ موجود ہیں جنہیں نسیم کے عاشقانہ اور عارفانہ شعر یاد ہیں اور وہ ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں،

گلدستہ شمع سخن، مئی ۱۸۸۴ء میں جاری ہوا، عبدالحی تحقیق اس کو مرتب کرتے تھے اور گلدستہ آفتاب سخن مطبع گلزار بنگلور میں ۱۸۸۵ء سے چھپنا شروع ہوا تھا، ان گلدستوں اور بنگلور کے اخباروں، قاسم الاخبار، میسور اخبار وغیرہ میں نسیم اور ان کے شاگردوں کا کلام بہ کثرت چھپتا تھا، ان کے علاوہ ذیل کے تذکروں اور جدید رسالوں میں بھی نسیم کا حال اور کلام ملتا ہے،

[۱] دیوان نسیم قلمی (مملوکہ مولوی نند حسین مرحوم مالک مطبع محمدی میسور) کی ترتیب کا کام محمد علی خاں میاںؔ نے ۱ر نومبر ۱۸۹۱ء مطابق ۲۸، ربیع الاول سنہ ۱۳۰۹ھ میں ختم کیا تھا، اس کی ابتدا میں نسیم کے حالات بھی لکھے ہیں، میاںؔ نسیم کے بچپن کے ساتھی تھے اور ان دونوں میں برادرانہ تعلقات تھے، ان حالات کی رو سے نسیم نے چار شادیاں کی تھیں

(۱) یادگار ضیغم، مولفہ نواب عبداللہ خاں ضیغم، اس کا ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری حیدرآباد دکن میں موجود ہے اور بہت عمدہ حالت میں ہے، اور اس کا ایک نسخہ میرے کتب خانہ میں بھی موجود ہے۔ اس کی طباعت قادر علی خاں کے اہتمام سے مطبع گلزار دکن حیدرآباد میں ہوئی ہے، اس کی تالیف کے بارے میں مولف نے لکھا ہے ؎ حدیث زندہ گویم مردہ در گور حال خیر اشتمال شعرائے حال یعنی زندوں کا جو سنہ ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۴ء) تک موجود ہیں مع کلام کے جس طرح مل سکا بہم پہنچایا"

رسالہ آجکل بابت اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ڈاکٹر زور صاحب نے اپنے مضمون 'یادگار ضیغم' میں دو جگہ لکھا ہے کہ 'اس تذکرے کا نقش اول سنہ ۱۳۰۲ میں لکھنؤ میں چھپا' ممکن ہے کہ یہ تذکرہ لکھنؤ اور حیدرآباد میں بیک وقت چھپا ہو، میں نے لکھنؤ میں چھپا ہوا نسخہ نہیں دیکھا، ڈاکٹر آرزو نے یہ نہیں لکھا کہ ان کے پاس اس تذکرے کے جو دو نسخے ہیں وہ کہاں چھپے ہیں، یادگار ضیغم کے متعلق ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو کا ایک مضمون آج کل بابت دسمبر سنہ ۱۹۵۴ء میں چھپا ہے اسی کے ساتھ انہوں نے یادگار ضیغم میں جو تصویریں ہیں ان میں سے ۵۸ (اٹھاون) تصویریں بھی شائع کی ہیں، ان میں نسیم کی تصویر[1] بھی ہے زور صاحب نے لکھا ہے کہ مختار الدین احمد صاحب کے مضمون کے ساتھ ۷۷ (   ) شعرا کی تصویریں بھی چھپی ہیں" یہ مغالطہ زور صاحب کو آرزو صاحب کے اس جملے سے ہوا ہے" ان ۷۷ شعراء کے حالات مختصر طور پر آپ جان گئے، اب انہیں دیکھنا چاہتے ہوں تو آئندہ صفحات میں تصویریں ملاحظہ فرمائیے۔

"ص ۴۴ یادگار ضیغم میں نسیم کے بارے میں لکھا ہے:۔

"نسیم تخلص، محمد حسین علی سلطان نام۔ ان کے دادا ٹیپو سلطان کے ہمشیر زادے تھے اور نانا ان کے بنگی نواب تھے، طرفین سے رئیس ہیں، قوم کے شیخ قریشی ہیں، اب بھی وثیقہ معقول سرکار انگریزی سے پاتے ہیں۔ جاگیردار ہرپور متوطن میسور ہیں، خوش اخلاق، نیک صفات ہیں، نعت شریف اکثر کہتے ہیں چنانچہ اخلاص دل کے باعث عالم رویا میں زیارت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے ہیں، اکثر زبانیں جانتے ہیں اور ان میں شعر کہتے ہیں مختلف لوگوں سے شعر و سخن میں مشورہ رکھا ہے، اردو میں میر شمس[2] الدین فیض مرحوم حیدرآبادی کے شاگرد ہیں، پچاس کی عمر ہے، یہ کلام ہے:۔

[1] نسیم نے ضیغم کو اپنا فوٹو بھیجا تھا جو ضیغم کے مرتبہ اصل نسخے میں چسپاں ہے، یہ نسخہ کتب خانہ ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے اور میں نے اس سے استفادہ کیا ہے، مطبوعہ نسخے میں مصور نے اسی فوٹو کی تصویر بنائی ہے۔

[2] عبدالقادر صاحب یکم جولائی ۵۸ء سے ۱۵ر جون ۵۹ء تک یعنی "ہماری زبان" میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نعت

نہ نماز آتی ہے مجھ کو نہ دعا آتی ہے — یا محمدؐ کی مگر دل سے صدا آتی ہے
دل کے ناسور کو میرے نہ لگاؤ مرہم — اس دریچے سے مدینے کی ہوا آتی ہے
ہیں وہ شیطان جو منکر ہیں شفاعت کے ترے — جن کو ایماں نہیں کب ان کو حیا آتی ہے
حکم کرتے ہیں یہی وہ کہ پڑھے جاؤ درود — جن کو بیماریٔ عصیاں کی دوا آتی ہے
شکر اللہ کا مرا شعر ہے مقبول نسیم — کیوں غزل سننے کو اک خلق خدا آتی ہے

عاشقانہ

نگاہِ گرم کی جب وصل میں اس نے مرے تن پر — گری کیا یاس کی بجلی تمناؤں کے خرمن پر
ہمارے دل سے پوچھو تیر مژگاں نے کیا کیا کیا — تڑپ کر جان دینے جب لگے ہم ان کی چتون پر
نسیم اس قول کو میرے سخن داں ہی سمجھتے ہیں — کسی فن کو نہیں ترجیح بے شک شعر کے فن پر

ولہٗ

آنکھ اس گل سے لڑائی ہیں نے انساں جان کے — کیا کروں یارب میں اب لالے پڑے ہیں جان کے
کچھ سنو بہر خدا اس بے وطن کی بات بھی — کیا تو بھر جائیں گے موتی تمہارے کان کے
ہے غضب کی بات کچھ منہ سے نہیں نکلا سخن — دل میں وہ شرما گئے مطلب مرا پہچان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۳ اُن کے پہلے مضمون "میسور کا ایک گمنام شاعر نسیم میسوری" کے شائع ہونے سے مہاراجا کالج مخزن، اردو نمبر بابت ۶۰-۱۹۵۹ء میں ان کے چوتھے مضمون "میسور کا مشہور و مقبول شاعر نسیم میسوری" کے شائع ہونے تک برابر یہی لکھتے آرہے ہیں کہ "نسیم نے کس استاد کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کیا تھا یہ کسی سے معلوم نہ ہو سکا، مگر کلامِ نسیم کا ایک شعر واضح کرتا ہے کہ انہوں نے کسی فیض نامی استاد سے فیض حاصل کیا تھا، چنانچہ لکھتے ہیں ؎ فیض جناب فیض سے واللہ اے نسیم ؛ باغ جہاں میں نغمے نے مارا ہزار کو ؎ حضرت فیض کی ہو جب صحبت ؛ کس کو دم مارنے کی ہو جرأت"

حیرت ہے کہ خود نسیم کے کہنے کے باوجود کہ وہ فیض کے شاگرد ہیں عبدالقادر صاحب کے نزدیک یہ امر بصیغۂ راز ہی رہا کہ وہ کس کے شاگرد ہیں! حالانکہ ہماری زبان، مورخہ ۲۲ر اگست ۵۸ء میں یادگارِ ضیغم کے حوالے سے لکھا جا چکا تھا کہ نسیم شاگرد ہیں میر شمس الدین فیض حیدرآبادی کے، علاوہ محمد سعید عبدالخالق حیدرآبادی سنہ ۱۹۴۲ء میں اٹھارہ برس پہلے اپنی تالیف میسور میں اردو میں لکھ چکے ہیں کہ "نسیم کو اردو میں حافظ میر شمس الدین علی خاں فیض حیدرآبادی سے شرف تلمذ حاصل تھا" صفحہ ۲۵۔ پھر بھی غنیمت ہے کہ عبدالقادر صاحب نے نسیم کو ۱۵ر جون ۵۹ء میں "میسور کا مشہور و مقبول شاعر" مان کر شاعر پر احسان کیا ہے۔

پریشانی دل صد چاک کی اب وہ نہیں کیوں کر ولہ جمائے دانت کا ذکر گیسو ونیں شانہ بیٹھا ہے
نسیم بادہ کش کو کچھ نزی پروا نہیں حاسد غزل پڑھتا ہوا گلشن میں وہ مستانہ بیٹھا ہے
کیوں خفا مجھ سے ہوا رشک قمر آپ سے آپ ولہ کوئی بدلا ہے کہ خود بدلی نظر آپ سے آپ
تمنے انگڑائی جو لی ہمنے بھی مطلب سمجھا دل سے دل کو اجی ہوتی ہے خبر آپ سے آپ

یہ نمونہ کلام اس لئے اہم ہے کہ خود نسیم نے یا ضیغم نے اس کا انتخاب کیا ہے،

(۲) "مدراس میں اردو" از نصیر الدین ہاشمی ص ۱۸۵

"نسیم محمد علی سلطان نام اور نسیم تخلص، میسور ان کا وطن تھا، غم کے مشاعرے میں شریک ہوتے تھے"

(۳) پروفیسر عبدالقادر سروری "مرآۃ الاسرار" کی تمہید میں لکھتے ہیں :-

"اسی علم دوستی کا نتیجہ تھا کہ میسور کے کئی شہروں میں اردو شعر و سخن کا کافی چرچا رہا اور بعض ایسے شاعر بھی اٹھے جو اردو کے مشہور اساتذہ کے مدمقابل کہلائے جا سکتے ہیں ان میں نسیم میسور کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ سلطنت کے کئی شہر جیسے سریرنگ پٹن گنجام، میسور، بنگلور، کولار، چن پٹن میں شعر و سخن کا بازار ہمیشہ گرم رہا۔ صفحہ ۸

(۴) "میسور میں اردو" مرتبہ محمد سعید عبدالخالق (عثمانیہ) میں جو سنہ ۱۹۴۱ء میں چھپی ہے نسیم کے حالات ملتے ہیں، ماخذ کے بارے میں لکھا ہے "ان معلومات کے لئے ہم حضرت نسیم کے ایک رشتہ دار مولوی نذر حسین صاحب مالک مطبع صفدری کے ممنون ہیں صاحب موصوف سے حضرت نسیم کا ایک مکتوب بھی حاصل ہوا جو انشا پردازی کا اعلیٰ نمونہ ہے، صفحہ ۲۵ تا ۲۹،

اس خط کی تصنیف کا سبب یہ ہے کہ "۔۔ ۱۸۷۰ء میں نواب صاحب باسودہ تخلص بہ وحشی نے جب اپنے فرزند دلبند کے بیاہ کی خوشی میں نواب نسیم صاحب کو ایک غزل سہرا کی ردیف میں لکھنے کی فرمائش کی تھی تب مرحوم نے دو تین گھنٹوں کے عرصے میں ایک سہل اردو خط اور مثنوی اور فرمائشی غزل لکھ کر بھجوا دی (ماخوذ از حالات نسیم مرحوم محمد علی خاں میانہ صفحہ ۴ اور یہی محمد سعید عبدالخالق صاحب کا ماخذ ہے)

نسیم نے شعر و سخن کی جو سرپرستی کی ہے وہ کچھ ریاست میسور ہی میں محدود نہیں تھی بلکہ اس کے حدود کلکتے تک پھیلے ہوئے تھے، چنانچہ کلکتے کے محمد وزیر، وزیر مالک و مہتمم رتن پریس کلکتہ ۱۸۸۲ء سے گلدستہ نتیجۂ سخن، شایع کر رہے تھے، جنوری ۱۸۸۶ء کے گلدستے میں لکھا ہے :-

"شکرلہ، الحمدللہ وشکرلہ، یوں تو ہمارے مطبع وگلدستۂ نتیجۂ سخن کلکتے کے کیسے کیسے والیان ملک ورئیسان صاحب ثروت وزمینداران وتاجران عالی ہمت ذی وقار وحکام عالی مقام معین و مددگار ہیں جن کے ہم نہایت ثناخواں وشکر گذار ہیں مگر خاص اس موقعے پر بعض صاحبوں کا ذکر جو ایک خصوصیت کے ساتھ اعانت مطبع فرماتے ہیں زیب صفحہ کرنا ہمارا عین فرض ہے"

اس کے ضمن میں جموں وکشمیر سے حیدرآباد، مدراس اور میسور تک کے اور دہلی اور ٹونک سے کلکتے تک کے تقریباً ۶۶ معاونین گلدستہ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ ان میں نسیم کا نام بائیسواں ہے اور ان الفاظ میں نمایاں ہے:۔

"میسور، عالی جناب بنگی نواب، نواب محمد حسین علی سلطان صاحب نسیم"

نسیم جس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں وہ کچھ قدیم زمانہ نہیں، ان کی آنکھیں دیکھے ہوئے لوگ آج بھی زندہ ہیں اور خود نسیم کے حقیقی بھائیوں اور بہنوں اور میرے بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کثیر تعداد میں، ریاست میسور اور حیدرآباد میں زندہ ہے یادگار ضیغم میں ریاست میسور میں نسیم کے معاصرین امیر، احمد، ارمان، راجی، قاصر، قسیم، کلیم اور بیدار کے حالات ملتے ہیں، ان کے علاوہ تذکرے کے خاتمے میں بنگلور میسور اور ترکیرہ کے مزید سترہ معاصر شاعروں کے صرف نام درج ہیں، نسیم کے زمانے میں حکومت کی طرف سے اردو کی تعلیم وتعلم کا انتظام ہو چکا تھا، اردو میں تصنیف وتالیف کا مشغلہ عام ہو گیا تھا، مشاعرے عام طور پر ہوتے تھے، گلدستے شائع ہوتے تھے جن میں طرحی مصرعوں پر طبع آزمائیاں ہوتی تھیں، غرض آج سے پچھتر سال پہلے کے نسیم جیسے ایک شاعر کو گمنام کہنا جیسا کہ 'ہماری زبان' بابت یکم جولائی ۵۸ء کے صفحہ ۲ پر کہا گیا ہے نسیم کے حالات سے بے خبری اور اس شاعر کی بے قدری ہے،

نسیم کے چار شاگرد مشہور ہیں:۔

(۱) منشی شیخ محمد کبیر صدیقی بنگلوری المتوفی سنہ ۱۹۱۰ء جن کا دیوان تحفۂ تحصیل مطبع آگرہ اخبار میں ۱۹۰۰ میں چھپا ہے، نسیم کے تقریباً ایک درجن معاصرین نے اپنی زندگیوں میں اپنے دیوان چھپوائے تھے نسیم کی وفات کے بعد تحصیل نے حضرت داغ کی شاگردی اختیار کر لی،

(۲) غلام عبدالقادر امیر میونسپل کمشنر ترکیرہ المتوفی سنہ ۱۹۰۷ء

(۳) محمد احسان اللہ خان ہیگری میسوری تخلص شباب المتوفی ۱۸۹۵ء شباب کی ایک غزل گلدستۂ جلوۂ سخن مدراس بابت اپریل ۱۸۸۷ء میں چھپی ہے اس کا مقطع ہے ؎

شہرہ ہے اپنے شعر کا گلزار دہر میں — شاگرد ہوں شباب نسیم و بہار کا

اور حاشیے پر لکھا ہے "بہار حضرت نسیم کا دوسرا تخلص ہے اس کی تصدیق نسیم کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے ؎

گلشن میں دھوم ہے جو نغمہ ہزار کا — دیواں سنا رہی ہے نسیم بہار کا

محمد حیات قابل متولی مسجد بندگی علی شاہ میسور المتوفی ۱۹۱۱ء نے جو نسیم کے معاصر تھے وفات کی تاریخ لکھی ہے ؎

کہا حوروں نے لے بلائیں سال — گلشن خلد میں نسیم آئے
۱۳۰۵ھ

(۴) بخشی عبدالمجید خاں ساقی — (ماخوذ از ہماری زبان، ۲۲ راگست سنہ ۵۷ء)

حالات نسیم مرتبہ محمد علی خاں میانہ

مرقومہ پہلی نومبر سنہ ۱۸۹۱ء مطابق یکشنبہ ۲۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والمنہ بڑی تجسس کے بعد نکی نواب محمد حسین علی سلطان متخلص بہ نسیم صاحب کے اشعار دستیاب ہوئے سنہ ۱۳۰۵ ہجری میں قبلہ گاہی مرحوم کے جانی دوست میرے بزرگ خان بہادر قادر محی الدین صاحب قبلہ مصاحب مہاراجہ میسور کے خط سے مجھے نواب صاحب کی رحلت کی کیفیت معلوم ہوئی نہایت قلق گزرا ساتھ ہی میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ نواب صاحب مرحوم نے اپنی حالت زیست میں کبھی اپنے اشعار مرتب کرنے کا خیال نہ فرمایا تھا، مجھ سے یہ کام بن آیا تو کیا خوب ہوگا کیوں کہ دنیا میں دوستی اور رشتہ داری کے یہی معنے ہیں کہ بر وقت ایک دوسرے کی مدد یا کوئی نقش اپنے دوست کی یادگار کا صفحۂ عالم پر ثبت کردیوے، برگشتہ طالعی نے مجھے ایسے کاموں سے مقصّر رکھا ہے، کامل بارہ یا تیرہ سال سے صحرا نوردی کی میعاد جو میری سرنوشت میں ہے اس کے اتمام کے لئے خانہ بدوشوں کے مانند گشت کرنا اپنا کام ہے، کہیں ایک سال کہیں دو سال مقام ہے (صفحہ ۲) اس صورت میں، دکرنی تو کجا دوستوں کی صورت کو بھی بہ شکل وطن دیکھنا محال کسی استاد کا شعر حسب حال ہے، شعر، مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ٭ ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں، پس اس پراگندگی نے مجھے یہ ترغیب دی کہ اکثر دوستوں کو جن کے پاس مرحوم کے اشعار رہنے کا گمان تھا خطوط لکھے تاکہ کلیات جمع ہو کر طبع ہو جائیں، اور چنیے مرحوم کا یادگار رہے لیکن افسوس کہ یہ میرا خیال غلط نکلا، جب دوستوں سے اشعار آچکے اور بغور مطالعے کا اتفاق ہوا تو بجز مرحوم کے تخلص کے اور کوئی دلیل مرحوم کے طبعزاد ہونے پر نہ گزری بعض شعر تو سہو کاتب سے بالکل غلط اور بعضوں میں دخل بیجا بھی تھا بیچارے مرحوم کو فن شعر سے عشق تھا، اس فن میں وہ اپنا ثانی آپ ہی تھے، پس ایسے اشعار کو مرحوم کے نام سے مشہور کرنا گویا مرحوم کی لیاقت کو بٹّا لگانا ہے، نیکی برباد گنہ لازم کا کام مجھ سے کیوں ہو سکے اس واسطے خاموش رہا، پھر خیال کیا کہ مرحوم تو اکثر اپنے اشعار اردو اخباروں میں شایع کرواتے تھے، ان اخباروں سے کیوں نہ اخذ کرلوں، یہ بھی غیر ممکن پایا، ایک ہی اخبار ہوتا تو شاید ممکن تھا، معتبر (؟) بلکہ معتذر (صفحہ ۳) نظر آیا، اس لئے میں اپنے اس خیال سے ہاتھ دھو بیٹھا، ایسے میں ناگاہ میرے ایک دوست

ہاسن سے ملاقات کے لئے یہاں آئے اور اثنائے تقریر میں کہنے لگے کہ نواب صاحب کی بیماری کے وقت مجھے جب ہاسن جانے کی ضرورت ہوئی برائے عیادت و رخصت میں نواب صاحب کے مکان پر گیا وہ اپنے بالاخانے پر ایک نہالی پر لیٹے ہوئے تھے، طبیعت کا یہ عالم تھا کہ لحظہ بہ لحظہ ضعف بڑھتا جاتا تھا، جب میں قریب بستر کے گیا تو مجھے نزدیک آنے کے لئے کہا، نواب صاحب نے ارشاد فرمایا اور کہا کہ بھئی میری طاقت تو طاق ہے وہ ٹوٹی پھوٹی کتاب جو تمہارے روبرو میز پر دھری ہے اٹھالو میرے چند اشعار اس میں مندرج ہیں ان کو رسم الخط سے تم ہی نقل کر کے چھپا دو، غرض حسب فرمان نواب صاحب میں کتاب لے کر ہاسن چلا آیا اور دو چار دن کے بعد ان کے انتقال کی کیفیت بھی مسموع ہوئی یہہ کہہ کر بخشی عبدالحمید خان صاحب ساقی نے اس کتاب کو اپنے قلمدان سے نکال کر روبرو رکھ دیا میں نے بھی اس کو دیکھا ایک بوسیدہ کتاب ہے چند عملیات و نسخہ جات نواب صاحب نے اپنے ہاتھوں سے لکھے ہیں دوسرے جہت میں چند شعر خود ہی تحریر فرمائے ہیں، کہیں کسی سے لکھوایا بھی ہے، اور نظر ثانی سے خود ہی اصلاح بھی کی ہے ان کافی دلایل سے یہ اشعار مرحوم کے ہی طبع زاد ہونے پر مجھ کو (صفحہ ۴) کامل یقین ہوا اور پھر میں اپنے ارادے پر[۱] مستعد ہو گیا۔

---

[۱] محمد علی خان میانہ کے اس بیان واضح ہے کہ نسیم نے مرض الموت میں انتقال سے دو چار دن پہلے اپنا دیوان اپنے شاگرد بخشی عبدالحمید خان ساقی کے حوالے کیا کہ وہ اسے چھپوا دیں، میانہ نے اس نسخے کو دیکھا اور انہیں کامل یقین ہوا کہ جو شعر مذکور دیوان میں درج تھے وہ نسیم ہی کے طبع زاد تھے، پھر انہوں نے کلیات نسیم کی تدوین کا کام شروع کر دیا، ورنہ اس سے پہلے میانہ کو ان کے دوستوں نے نسیم کے جو شعر بھیجے تھے ان کے بغور مطالعے سے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ بجز مرحوم کے تخلص کے اور کوئی دلیل مرحوم کے طبع زاد ہونے پر نہ گزری بعض شعر تو سہو کاتب سے بالکل غلط اور بعضوں میں دخل بیجا بھی تھا، غرض ۱ نومبر ۱۸۹۱ میں جب میانہ نے کلیات نسیم مرتب کر لیا تو ان کے علم میں ان کا مرتبہ کلیات پہلا کلیات تھا جو نسیم کی وفات کے بعد مرتب ہوا تھا۔ لیکن بنگلور سے کاتب عبدالحی تحقیق اور قاسم الاخبار کے ایڈیٹر محمد قاسم غم سنہ ۱۳۰۸ھ میں دیوان نسیم شائع کر چکے تھے، ۷ جولائی ۱۸۹۱ء کو سنہ ۱۳۰۸ھ ختم ہوتا ہے۔ اور جولائی کی ساتویں سے نومبر کی پہلی تک تین مہینے پچیس دن ہوتے ہیں یعنے محمد علی خاں میانہ کی ترتیب کلیات نسیم ختم ہونے سے چند مہینے پہلے غم نے دیوان نسیم شائع کر دیا تھا ممکن ہے کہ غم کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ میانہ کلیات نسیم مرتب کر رہے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ غم نے جب سنا ہوگا کہ کلیات نسیم مرتب ہو رہا ہے تو انہوں نے کتابت، طباعت اور فراہمی کاغذ کی سہولتوں سے فائدہ اٹھا کر دیوان نسیم شائع کرنے میں پہل کی۔

ظاہر ہے کہ کسی کا نظم یا نثر دیکھنے میں آتا ہے تو پہلے یہ خیال ہوتا ہے کہ فلاں شخص کون اور اس کے آباو اجداد کہاں کے باشندے اور اس کے حالات کیسے تھے، جب تک یہ نہ معلوم ہو کسی کے شعر یا انشا دیکھنا ایسا ہوتا ہے جیسا کوئی بھوکا آدمی بسیری کھانا کھاچکا پانی نہ ملنے سے تشنہ رہ گیا اس واسطے لازم آیا کہ مرحوم کے حالات مختصر قید قلم کروں لیکن میں اور مرحوم کی تعریف مثل اس مصداق کے ہے، کس نگوید کہ دوغ من ترش است، لہٰذا علاقہ رشتہ داری و محبت سے قطع نظر کر کے ضروری حالات ذیل میں لکھتا ہوں کہ مرحوم کو فن شعر سے کیسی مناسبت تھی اور اس میں کیا کچھ دخل تھا۔

سنہ ۱۸۷۵ عیسوی میں نواب صاحب باسودہ متخلص بہ وحشی نے جب اپنے فرزند دلبند کے بیاہ کی خوشی میں نواب نسیم صاحب کو ایک غزل سہرا کی ردیف میں لکھنے کی فرمایش کی تھی تب مرحوم نے دو تین گھنٹوں کے عرصے میں ایک سہل اردو خط اور ایک مثنوی اور فرمایشی غزل لکھ کر بھجوادی، شاہ ظفر نے بھی اپنے فرزند کی شادی میں اسی ردیف کی غزلیں لکھنے کی فرمائش اپنے شعرائے نامدار سے کی تھی وہ غزلیں بھی ذیل میں تحریر ہوئی ہیں تاکہ انصاف پسند ناظرین لطف اٹھائیں اور داد سخن دیں، تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

خط

(صفحہ ۵) مئی گلگوں پلا ساقی کدھر ہے ؟ کہ ہر نخل تمنا پر ثمر ہے، سبحان اللہ بحمدہ آج علی الصباح کیا مبارک خواب دیکھا جس کے خیال میں جشن جمشیدی ایک دور ساغر بھی نہ تھا، ڈاک کا ہرکارہ نصرت الاخبار دہلی لایا میں نے تعبیر پائی یعنے کیفیت جشن شادی نوشاہ محمد حیدر علی خان صاحب بہادر صاحبزادہ بلند اقبال مطاعی ام نواب محمد عمر علی خان صاحب بہادر والی باسودہ مع حسن ایمائے شعر و سخن بندہ نظر آئی، اس کی خوشی و انبساط کا حال بیچارہ قلم چہ برنگارد،

میں نے فرمایشیں حسب حوصلہ بجالائیں الامر فوق الادب بلکہ ایک مثنوی طرہ ہے لیکن حیران ہوں کہ الٰہی لچھے دار عبارت کیا لکھوں، نفظ لغات سے بھردوں، مقفیٰ یا مسجع لکھوں تو سراسر آورد رعایت قافیہ میں کھرتی کے الفاظ آجاتے ہیں، زبان کا مزہ نہیں آتا، خیر نثر مرجز بھی یہ بھی نظم کا بھائی ہے، ہم منشی نہ شاعر نہ مولوی نثر عاری لکھنے سے کیا عار ہے اگر ہم سے کچھ قصور بھی ہوجائے، ہم دہلی اور لکھنو والے تو نہیں محبت دلی حاضر ہے جو دل میں آیا قلم سے نکلا، چشم بد دور چشم دید خود نواب صاحب نے وہ رنگین عبارت لکھی ہے کہ نسیم وصبا کا رنگ اڑ گیا، صاحب نصرت الاخبار نے جھوٹھ (صفحہ ۶) نہ لکھنے کے الزام کے ساتھ سماعی مضمون کا گلدستہ ایسا باندھا کہ بلبل کا دم بند ہوگیا، ہم قیاسی تشبیہ کیا دیں بنگلور کے لال باغ کا نظارہ نواب صاحب

نے کہا ہے کہتے ہیں اس کا ثانی آج کل ہند میں نہیں۔

ہنگام شادی میمنت آبادی روئے زمین باسودہ بعینہٖ باغ موصوف کے سرو شمشاد و صنوبر کئی قسم کے دو رویہ لب جو ہوں گے جس قدر انسان کے علم میں پھول پھل، جھاڑ جڑی بوٹی ہیں کیاریوں میں موقع پر لگے گئے ہوں گے، ہر رنگ و ہر قسم کے پھولوں کے تختے الگ الگ قرینے سے رہیں گے اور ہر روش پر سبزے کی جدولیں ہوں گی، باد بہاری ہر سمت رواں ہو گی، نکہت گل دل و دماغ تر و تازہ کرتی ہو گی کہیں آب رواں کہیں فوارے ہوں گے رقاصان پری وش مطربان خوشنوا راگ رنگ میں مشغول ہوں گے، اہل محفل خوشی سے پھولے نہیں سماتے ہوں گے دور شراب صالحین و مثلث ہو گا، چشم بد دور نوشاہ باخلعت شاہانہ جلوہ افروز ہوں گے، نواب صاحب مبارکبادیاں بہ خوشی و فرحت لیتے ہوں گے، ہم کم یاد آوری کا گلہ کیا کریں، اگر ہم ہوتے ہمارے یہ ارمان نکل جاتے نوشاہ جوان صالح پر بصد دل نقد جاں نثار کر نے تصدق ہوتے گھوڑا تھامتے براتیوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہر ہر قدم پر دعائیں دیتے مبارکباد کہتے بیرے ہمسفیر (صفحہ ۷) نواب مرزا فیروز حسین خان صاحب بہادر صبا بھی من حال و قال ہر دو مبتلائے فراق بہ مصداق اس بیت کے ہے، چوں بیک شمع دو پروانہ تو لا دارند؛ حال آں ہر دو بیک سوزش و سازش باشد؛ جناب نواب صاحب آداب، سال تاریخی عروسی چہ خوش آمد نسیم؛ جلوۂ شادیٔ نوشاہ مبارک باشد۔ اب روئے سخن سراپا مسرت بخدمت نواب محمد حافظ قلی خان صاحب بہادر والی ۱۲۹۳ محمد گڑھ ہے اگرچہ شکل صورت پرستاں جمال مبارک ہم نے نہیں دیکھا لیکن برنگ معنی آشنایاں محو سابقہ اتحاد عالم ارواح ہوں، مصاحبت چہ ضرور است آشنائی را؛ ہنوز با دیں محو نکہت عربی است، اور دوست کے دوست بڑے پیارے ہوتے ہیں، از بس بساز و برگ دو رنگی نزاع ہست؛ یک سجدہ بر دو قبلہ ہم از اختراع ماست، داماد جوان صالح شیریں قلم خسرو ملک علم و فضل مبارکباد بالنون والصاد۔

سنتے ہیں کہ نواب صاحب باسودہ کا ارادہ زیارت بیت اللہ شریف کا ہے، یہ سفر فتنت مبارکباد؛ بسلامت روی و باز آئی، بندہ بھی ہمرکاب ہو جاتا، کچھ ایک نمبر باقی رہ گئے ہیں مجبور ہے امید کہ نواب صاحب موصوف کی سرکار کے سوائے اس خاکسار کو جو اردو اخبار آتے ہیں ان میں طبع ہوں، ایں کار از تو آید و مردان چنیں کنند، مورخہ ۵ ماہ اکتوبر سنہ ۷۵ و الراقم محمد حسین علی سلطان نسیم قریشی بمقام بنگلور (صفحہ ۸) مثنوی ا۔ لا ساقی پیالۂ مثلث؛ یہ شکل عروس وہ مثلث، ...... پھولوں کے نام سے ہو دفتر؛ اخبار میں یہ سمائے کیوں کر (صفحہ ۹) پیارے ساقی پلاتے ہو کیا؛ سٹ روز کے پھول لاتے ہو کیا...... شادی پسر تمہیں مبارک؛ بالنون و صاد و التبارک (صفحہ ۱۰) غزل فرمائشی از نسیم۔ سر کو نوشہ کے مرے شاہ نے باندھا سہرا؛ سورۂ نور کا دکھلاتا ہے جلوہ سہرا.......

غالب، سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ ؛ مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا (صفحہ ۱۱) تا وبھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی؛ ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا...... ذوق، دھوم ہے گلشن آفاق میں اس سہرے کی ؛ گائیں مرغان نواسنج نہ کیوں کر سہرا (صفحہ ۱۲) رخ سے فرخ پہ برستے ہیں جو بیرے انوار ؛ تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا ...... جس کو دعوی ہو سخن کا یہ سنا دو اس کو ؛ دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا۔

جیسے انگریزی زبان کے لئے لنڈن فارسی کے لئے شیراز اردو زبان کے لئے دہلی معدن خیال کئے جاتے ہیں وہاں کے استادوں کے ہم پلہ شعر کہنا کچھ سہل کام نہیں، مشک آنست کہ خود ببوید۔

اور اس بوسیدہ کتاب کے ایک صفحے پر چند سطریں جو میرے ایک قدیم دوست غلام جیلانی صاحب کمندان علاقہ بارتہ کے خط خاص سے (یہ لفظ دراصل کمیانڈنٹ ہے کثرت استعمال سے کمندان ہوا ہوگا، نیٹیو پیدل رجمنٹ کے کرنیلی کے عہدے کا نام ہے، اس خدمت کا مشاہرہ ایک سو بیس ۱۲۰ روپیہ ہے سعہ) (صفحہ ۱۳) لکھی ہوئی نظر پڑیں بجنسہ نقل کرتا ہوں، وہو ہذا، مقام سیموگہ، صاحب اخبار نیر اعظم مراد آباد نمبر ۲ مطبوعہ سیزدہم جنوری سنہ ۱۸۷۹ء میں طبع فرمایا کہ جملہ نازک خیال اہل کمال اس مصرع کا مصرعہ ثانی بطور مطلع بہم پہونچا کے اندر میعاد پندرہ روز کے اس مطبع میں عنایت فرمادیں تاکہ پرچہ آئندہ میں بکمال شوق دل برائے شہرت عام طبع کیا جاوے سامعین کو لطف آوے، اور نیز جو صاحب اس مصرع پر غزل لکھنا چاہیں تو ایسا التزام فرمائیں کہ ہر شعر کا مصرعہ ثانی یہی مصرع رہے، مع حیات بعد ہوئی پہلے انتقال ہوا، شب بست وسوم ۲۳ جنوری کی نیاز مند غلام جیلانی بھی حاضر تھا کہ اخبار گوہر بار خود ہی بدست کیا اور دیکھا مصرع صدر بحضور اخویم نسیم صاحب قبلہ مدظلہ العالی سنایا معاً حضرت موصوف نے بدیہاً ارشاد فرمایا نیاز مند حسب الارشاد تحریر کیا دستخط غلام جیلانی؛ غزل،

ملا جو خاک میں دانہ وہی نہال ہوا؛ حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا...... جلایا وصل سے جس دم مرا وصال ہوا ؛ حیات بعد ہوی پہلے انتقال ہوا (صفحہ ۱۴) فراق ابرو میں لب کا ترے خیال ہوا؛ حیات بعد ہوئی پہلے انتقال ہوا ...... یہ التزام غضب کا ہے اس غزل میں نسیم ؛ حیات بعد ہوئی پہلے انتقال ہوا، بنگی نواب محمد حسین علی سلطان قریشی نسیم تخلص سنہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۳۰۵ ہجری / ۱۸۸۸ء میں شعبان کی بارہویں کو انتقال کر گئے، مرحوم کا سلسلہ ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ سے یوں ملتا ہے کہ نواب محمد ابراہیم علی خان صاحب (جن کا مزار اب نافٹ بنگلور میں واقع ہے جس پر ایک چھوٹی سی گنبد اور ایک جہت میں مسجد بھی ہے لوگ ہر پنجشنبہ کو اس مزار پر پھول بھی چڑھاتے ہیں) بادشاہ ٹیپو سلطان کے ماموں ہیں ان کے فرزند نواب غنی رضا علی خان صاحب کو بادشاہ کے دربار میں میر میران (جرنیلی) کا عہدہ تھا اور بادشاہ کے بڑے معتمد تھے، جب کوئی مہم وغیرہ درپیش ہوتی تو بادشاہ نواب صاحب ممدوح

کو ہی اس کام پر مسلط فرماتے اور یہ بھی بڑی شجاعت سے فتح پاکے بادشاہ کے حضور سرخروئی حاصل کرتے تھے بعض اوقات (صفحہ ۱۰) حسب مصلحت مخالف نربوں کو آگ لگانے کی عادت تھی، ملک کی زبان کنڑی ہے بنکی بکسر با آگ کو کہتے ہیں محاورے میں غصے کے معنے پر بھی یہ لفظ مستعمل ہے، پس عوام و خواص نے نواب صاحب کی شجاعت اور آگ لگانے کی عادت پر یہ خطاب دیا کہ لفظ نواب صاحب کے ساتھ بنکی بھی لگادیا، جس کے معنے آتش بار نواب یا غصیلے نواب کے ہیں،

جب سرینگ پٹن انگریزوں سے مفتوح ہوا تو یہ اسی لڑائی میں کام آئے، انگریز جب کوئی ملک فتح کرتے ہیں تو ساتھ ہی رحم دلی کے لباس میں تدبیر ملکی (پولٹیکل پالسی) بھی قائم کرتے ہیں ویسا ہی نواب ممدوح کے فرزند بنکی نواب محمد قاسم علی خان صاحب ہر طرح سے اپنے باپ کے نقش قدم پر تھے مگر زمانے کا رنگ اور کچھ ہو گیا تھا کوئی سرکش باقی نہ رہا تھا اس واسطے نواب صاحب گھر میں بیٹھے پنشن پا رہے تھے، انہی نواب صاحب کی دختر زہرہ بیگم صاحبہ ہیں جو مرحوم نواب نسیم صاحب کے والدہ ماجدہ ہیں یہ بیگم صاحبہ بڑی عاقلہ و سنجی تھیں نواب صاحب کے والد ماجد نواب عبدالقادر صاحب قریشی بن نواب عبدالمجمد زاہد صاحب قریشی ہیں

نواب نسیم صاحب کے والدہ ماجدہ کے نام چوپن ۵۴ روپیہ پنشن ماہوار تھی اور ان کے والد ماجد کو ستر ۷۰ روپیہ ملتا تھا غرض ایسی (صفحہ ۱۶) پنشن سے خوش گزر کرتے تھے، نواب نسیم صاحب کی صغر سنی میں اقربا کی تنگ رنجی کے سبب سے ان کے والدین نے بنگلور میں سکونت اختیار کی جب نسیم صاحب کو عہد شباب شروع ہوا تو اپنے والدین کی اجازت سے تحصیل علم کے لئے میسور آئے، منجم غلام حسین صاحب منشی (جن کو علوم مشرقی میں مہارت کامل تھی اور فارسی میں یکتائے وقت تھے) کے پاس درس لینے لگے، ان کے والدین کو جب اپنے فرزند کی مفارقت گوارا نہ ہوئی تو بار ثانی میسور آئے یہیں کی خاک ہو گئے، غرض نسیم صاحب کو عالم شباب میں والدین کے سلوک سے تشفی نہ ہوئی اس لئے روزگار کی تلاش میں مسٹر ایل، بی، بورنگ صاحب (جو ان دنوں چیف کمشنر تھے) سے ملاقات کی اور مافی الضمیر سے بھی آگاہ کیا، نسیم صاحب جیسے خوش رو جوان تھے ویسے ہی خوش تقریر بھی تھے اور حاضر جواب بھی تھے، مسٹر ایل، بی، بورنگ نے نہایت پسند کیا اور تحصیلداری کا عہدہ بھی اسی وقت بخوشی تمام دے کر رخصت کی۔

نسیم صاحب جب کام پر مسلط ہوئے تو سرکاری کام سے زیادہ انست نہ رہی ہمیشہ شعرا و تذکرے اور اخبارات کے مطالعے کو ہی سب کاموں پر ترجیح دیتے رہے علاوہ عہدہ داراں قوم مفتوح سے بہ سبب آزاد طبیعت ہونے کے موافقت نہ آئی، سات آٹھ سال کے عرصے میں ہی اس اپنے کام سے (صفحہ ۱۷) طبیعت

اثنائی اتفاقاً نواب صاحب کوئی بیوہ لیڈی پر مائل ہوئے، یہ بھی اپنی نوکری سے دست بردار ہو کے اس کے ساتھ تری کیرہ تعلق میں جہاں اس کے املاک تھے مع اپنے ملک و املاک چلے گئے لیڈی صاحبہ نے حسب شرایط اسلام نکاح بھی کر لیا، اب نواب صاحب کو عملداری سے زیادہ آرام ہوا خوشی سے رہنے لگے، شعر گوئی اور اخبار بینی جو مرحوم کی قدیم عادت تھی اس کو اور بھی ترقی ہوئی شاید سات آٹھ سال اسی خوشی میں نہ گزرے اس تفرقہ انداز اجل نے اس لیڈی کو نواب صاحب سے جدا کیا، مذکور لیڈی بڑی جہاں دیدہ دنیا کے نشیب و فراز سے خوب ماہر تھیں، خیال کیا کہ نواب نسیم صاحب نے تو اپنے لئے سب قسم کی تکلیف اور نقصان اٹھایا آئندہ ان کی کیسی گزرے گی، اس دور اندیشی سے دو تین لاکھ روپئے کی ملکیت کے باغات حسب قانون سرکار رجسٹر کروا دیا۔

نواب صاحب نے ثانیاً دوسری ایک لیڈی سے بھی شادی کی تھی، نتیجہ برعکس نکلا بہت ہی قریب عرصے میں طرفین میں نا اتفاقی ہو گئی، سبب اس کا شاید مذہبی تنازع ہوگا، جو باعث مفارقت ہوا

نواب صاحب مرحوم کے چار بی بیاں یکے بعد دیگرے ہوتی آئیں، اب ان میں سے ایک منکوحہ بی بی زندہ ہے

(صفحہ ۱۸) حکام انگریزی کی نواب صاحب مرحوم پر بڑی مہربانی تھی، یہ جب ملاقات وغیرہ کو جاتے تو ویسی ہی توقیر ہوتی تھی جو ان کے بزرگوں کو حالت زندگی میں ہوتی تھی، اگر نواب صاحب تحصیلداری کا کام رغبت سے سرانجام دیتے تو امید کی جاتی ہے کہ یہ بھی ہزاروں روپیہ کے مشاہرہ تک ترقی کرتے لیکن نواب صاحب کا معشوق شعر نے بجز اپنے دوسرے طرف مشغول نہ ہونے نہ دیا، راقم جو نوابصاحب کے ساتھ کم سنی سے یارانہ رکھتا تھا اور من بعد ایک برادرانہ تعلق بھی ہو گیا تھا بقول، کر مہلے تو مارا کرد گستاخ، بسا اوقات بطریق مضحکہ فن شعر کی شکایت کی تو کبھی چین بجبیں نہ ہوتے اور کہتے تھے جو حظ اس فن سے اپنے کو حاصل ہے وہ کسی شے میں نہیں پاتا ہوں، اب میں راقم خیال کرتا ہوں تو فن شعر جو ایک بیکار نظر آتا تھا بڑے کام کا نکلا، فرض کیا کہ نواب صاحب اس فن سے باز ہی آتے اور سرکاری کاموں کو سرانجام دیتے تو شاید ہزار روپیہ مشاہرہ تک ترقی کرتے کیا وہ دن جو نواب صاحب نے انتقال کیا ان کو بچا سکتا تھا ممکن نہیں، ماہانہ ہزار دو ہزار روپیہ والوں کو ہم دیکھ چکے ہیں بعد مردن کوئی ان کا نام تک نہیں لیتا، بلکہ ترکے کے جھگڑے بیچارے میتوں کو ایصال ثواب سے بھی باز رکھتے ہیں، یہی ایک شعر کی دولت ہے کہ آج ہم نواب نسیم صاحب کو ان کے (صفحہ ۱۹) شعر دیکھنے سے ایسا یاد کرتے ہیں جیسا کل ہم نے ان کو باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، پس نسیم صاحب کا نوکری سے باز آنا اور اپنی معشوقہ شاعری کا دم اخیر تک ساتھ دینا ان کی یادگاری کا موجب ہوا، جب تک ان کے اشعار یاد رہیں گے اور

جہاں پڑھے جائیں گے ان کا نام زندہ رہے گا اور میں نسیم صاحب کی اس ثابت قدمی کو ان کی عقل پر دلیل کرتا ہوں۔

سنا ہے کہ بعضے ہمارے ملک کے ایسے غیرے حضرات جن کی فارسی اور عربی قابل رحم ہے نسیم مرحوم پر زہر اگلتے ہیں اور شعر پر بیجا نکتہ گیری کرتے ہیں، شعر جو ایک عیب ہو دیکھیں ہزار غور سے یار ؛ ستم ہے لاکھ ہنر پر نظر کسی کو نہ ہو، یہ بیچارے نکتہ گیر پرانی لکیر کے فقیر ہیں، دقیانوسی خیالات اور سن رسیدگی نے ان کو پیر نابالغ بنا دیا ہے، تحقیقات علم ان کی طبیعتوں میں اس قدر ہے کہ کوہ الوند کرہ زمین پر سب پہاڑوں سے اونچا ستارۂ زہرہ و مشتری بہ صورت انسان رقص دکھاتے ہیں، خیال کیا چاہیے جن کے دماغ ایسی باتوں سے بھرپور ہوں تانے تشبیہات اور نئے استعارے دلی اور لکھنو کے محاورے ان کے پاس غلطی پر مبنی ہونا کچھ عجب نہیں، شکر ہے کہ اعتراض پر ہی خاتمہ ہو ورنہ کفر کے فتوے لازمی تھے، کسی کے نظم یا نثر پر نکتہ چینی کرنی مفید عام ہے لیکن در پردہ نہ ہو ورنہ ٹٹی کے آڑ شکار کھیلنا ہے، اکثر یوں دیکھا گیا ہے جو لایق ہیں جن کی (صفحہ ۲۰) لیاقت کا لوہا پبلک مان چکی ہے کسی کی تحریر پر اعتراض کرتے ہیں تو بذریعۂ اخبار یا کتب مشتہر کرتے ہیں، جس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ پبلک مان لے یا رد کرے یہ نہیں کہ گھروں میں بیٹھے شیخی بگھارے اور آپ اپنے کو پانچویں سواروں میں شمار کرے، غرض ایسے اعتراض تو ہماری دانست میں ٹیں ٹیں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

مولانا استادی شہاب نے کیا خوب ایسوں کی شان میں فرمایا ہے، رباعی

حق گو کو غلط فہم نے جانا جھوٹا،   سچ علم نہیں اس کہ ہے دعوی جھوٹا
جھٹلاتا تھا اس کا حق کہا میں نے شہاب   جھوٹا جھوٹا ہوں میں تو سچا جھوٹا،

نواب صاحب کی طبیعت میں تامل اور سنجیدگی زیادہ تھی تاہم یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ نواب صاحب کے پڑنانا نواب محمد غنی رضا علی خان صاحب کی شجاعت جو ٹیپو سلطان شہیدؒ کے وقت آفتاب آسا چمکی تھی اور اس کا شعاع مرحوم پر بھی پڑا تھا ایک وقت مرحوم اپنی گھوڑ گاڑی سے جدا ہوئے تو آپ کا ہاتھ ضایع ہو گیا، ڈاکٹر کی طلبی ہوئی وہ نواب صاحب کو بیہوش کر کے اپنا کام کرنا چاہا، نواب صاحب نے صاف انکار کر دیا اور سیدھے سادے بیٹھے رہے، ڈاکٹر نے مجبوراً ان کے ہاتھ کو جوڑ کر پٹی باندھ دی اہل مجلس متحیر تھے (صفحہ ۲۱) کہ باوجود ایسی سختی کے نواب صاحب نے جنبش بھی نہ کی ڈاکٹر جو ایک یورپین افسر تھا بالطریق فسانے کے کئے دن تک نواب صاحب کے استقلال اور جوانمردی کا ذکر کرتا رہا، نواب صاحب کی ابتدائی تعلیم وغیرہ کا حال ان کے شاگرد رشید اور قدیم دوست بخشی عبد الحمید خان صاحب ساقی نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے اس لئے میں نے اسی پر اکتفا کیا،

مرقوم پہلی نومبر سنہ ۱۸۹۱ عیسوی   الراقم محمد علی خاں میانہ

لہ محمد علی خاں میانہ کا یہ کول اس قابل ہے کہ اس کو آب زر سے لکھوا کر ہر معترض اپنے لکھنے پڑھنے کے کمرے میں رکھے،

بنکی نواب محمد رضا علی خاں شہید کی قبر پر کا کتبہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللھم صلی علی محمد و الہ و اصحابہ وسلم

حضرت بنکی نواب محمد رضا علیخاں ملکی اور فوجی علاقہ زمرا کی میر میراں دولت خدا داد کی بھوت خیر خواہ تھی کرنک کے جنگ میں تفنگ کے ضرب سی بتاریخ بیست و ششم ماہ رمضان شریف ۱۲۱۲ ہجری کو شہید ہوگیے سو روبرو حضرت ٹیپو سلطان شہید دیکہ کر بہوت غم الم کر کر لاش کرنک سے شاہی گمبد شریف کے چبوترے پر حکم اللہ کے موافق بغیر کفن کے اوسی الو دلباس سے دفن کرنا کر کی حکم نامہ روانہ فرمای موافق بتاریخ بیست و ہفتم ماہ مذکور رحمۃ اللہ علیہ کو دفن ہوی سو شہید موصوف فرزند حضرت نواب ابراہیم علیخاں حاکم بنگلور کہ نابینا کو انکھیں دینی سے زندہ ولی کر کے مشہور تھے سو حقیقی ماموحضرت نواب حیدر علیخاں قریشی بہادر شہید کے ہونے سے ابادی شہر بنگلور میں گمبد شریف اور مسجد اور مسافر خانہ اور مجاوران خدام وغیرہ خرچ کو قریۂ ارلور یک سوحن کے جاگیر اور کشف کرامت وغیرہ تاحال جاری ہی سو ظاہر ہیں اور نواب بہادر موصوف اور بنکی نواب مذکور حقیقی مولیری اور بہو بیرے براوراں ہونی سی حضرت ٹیپو سلطان شہید موصوف کے چچا ہوتے ہیں اور حضرت بنکی نواب شہید کے دو فرزند حضرت بنکی نواب محمد ابراہیم علیخاں صاحب کو شہزادی منسوب ہوکر داماد حضرت ٹیپو سلطان شہید کے ہونی سی ایک سو ہن کی پنشیں دار تھی سو لاولد اور دوسری فرزند بنکی نواب محمد قاسم علیخانصاحب مولیرے برادر حضرت ٹیپو سلطان شہید کے ہونے کی سبب سے سنہ ۱۸۲۵ عیسوی میں سلطان پنسیں دار ہزار روپیہ کے تھی سو انکی زوجہ خاص شادی کے خیر النساء بیگم دختر سید حسین صاحب بن نادعلی شاہ جاگیردار پہولمری کے تھی بیگم مذکور کے بطن سے یکدختر زہرا بیگم او یکفرزند محمد جعفر علیخاں سلطان پنسین دار یکسوات روپیہ چلر کو زوجہ خاص سے دو فرزند محمد ابراہیم علیخاں اور محمد قاسم علیخاں اور تین دختر بفضلہ تعالے حاضر ہیں اور زہرا بیگم مذکور پنسیں دار پچاس پر چہار روپیہ چلر کی منسوب بعبد القادر قریشی مہوار سنہ ۱۸۳۵ عیسوی سے ستر روپیہ کے پنسیں دار فرزند حضرت محمد زاہد قریشی نواسی حضرت نواب حیدر علیخاں قریشی بہادر شہید کے اور ہمشیرہ زادہ حضرت ٹیپو سلطان قریشی شہید کے ہونی سے سنہ ۱۸۳۰ عیسوی میں مہوار ستر روپیہ کے پنسین دار ہوے تھی اور زہرا بیگم مذکور کے بطن سے تین فرزند محمد حسین علے سلطان قریشی تخلص نسیم اور عبد المجید زاہد قریشی اور محمد سراج الدین قریشی اور چہار دختر بفضلہ تعالی حاضر ہیں یہہ مضمون مندرجہ مذکور مخفی میں رہنی سے ظاہر رہنا بہتر جانکر عبد القادر قریشی جدر آراستہ کیا پنجم ماہ محرم

سنہ ۱۲۸۳ ہجری نام ہی مادۂ تاریخ حضرت ٹیپو سلطان مغفور فرمائی سو کہ رضائی رب سنہ ۱۲۱۳ ہجری۔

نواب محمد غوث احمد علی خاں افسر، سکریٹری انجمن مشاعرہ محبوبیہ میسور کی ایک "عنوانی تقریر"

اے ذی وقار حضرات!

ہمارے شہر میسور میں مشاعرے کا افتتاح کب سے ہوا اور کہاں کہاں یہ جلسے قائم ہوئے اور کن کن بزرگوں نے اس کا حصہ لیا تھا پہلے پہل شمس الشعرا فصیح الفصحا جناب بانکے نواب محمد حسین علی سلطان (صاحب دیوان) صاحب نسیم میسوری مرحوم نے سنہ ۱۲۷۳ ہجری میں افتتاح کیا جس میں حضرت فیض کا مصرع طرح دیا گیا تھا ع کس نے دکھلایا تجھے کوچہ مرے ناسور کا، معزز نامی گرامی شعرا نے اس پر طبع آزمائی بخوبی کی تھی مگر یہ مشاعرہ شورخ کا پہلو لیا ہوا تھا اور سنہ ۱۸۷۳ء مطابق سنہ ۱۲۹۱ ہجری میں حضرت استاذی مولینا افضل العلماء فصیح الشعراء مولوی مفتی غلام محی الدین صاحب عازم مرحوم (صاحب دیوان) ومغفور نے شاعرہ مذکور کو نعتیہ لباس پہنایا اور مسجد میمناں کے بالا خانہ پر ماہ بماہ جلسۂ مشاعرہ نعتیہ اجرا کیا اور سنہ ۱۳۰۸ ہجری میں مسجد باغبانان میں قایم کیا اور سنہ ۱۳۰۹ ہجری میں مولینا عازم نقاہت ہوئے توصد ہا احباب والد امجد باقر میسوری کو مجبور بنایا سنہ ۱۳۰۹ ہجری سے سنہ ۱۳۱۳ تک اسی مسجد میں قایم کیا، پھر چند روز بعد مخلص خانے میں خاص طور پر منعقد ہوا بعد میں ہمارے دوست عبد الرحمٰن خان صاحب مرحوم نے مسجد درگاہی میں قایم کرنے پر آمادہ کیا تو حضرت قبلہ گاہی (صاحب دیوان) نے ۱۳۲۳ ہجری میں حضور نظام آصفجاہ سادس نور اللہ مرقدہ کی چالیسویں سالگرہ کی یادگار میں افتتاح کیا بعدہ ۱۳۲۵ ہجری میں ہمارے یکدوست محمد امام صاحب حوالدار اور محمد سالار صاحب نقاش اور آدم خان صاحب جمعدار اور قادر ابراہیم صاحب مکان محبوبیہ غوثیہ میں جو آج جمع ہوے ہیں اور مجمع شعرا کو خلق کے روبرو عقد ثریا سا چمکا رہے ہیں، جلسۂ مشاعرہ کو باعث برکت جانا اور آج تک ہمارا ساتھ دیکر ہماری تائید میں سرگرم ہیں خداوند کریم تو اپنے حبیب کی نعت شریف کے طفیل اونکی اور دیگر معاونین جلسہ کی عمر میں برکت دے اور انکی نیکیوں کو بڑھا اور مرادات دلی بر لا آمین یا رب العلمین. خاکسار افسر سکریٹری انجمن مشاعرہ محبوبیہ میسور۔

لہ ابو عیسی محمد غوث احمد علی خان افسر بن محمد باقر بن حاجی عبد العلی خان بن باقر علی خان بن بلال زمان خان میر میران۔

شباب ۔ محمد احسان اللہ خان مہکری رئیس میسور شاگرد تسلیم رئیس میسور

خاندان ۔ محمد احسان اللہ خان تخلص شباب بن محمد موسیٰ رضا خاں رئیس میسور بن محمد بہاء الدین تخلص خرم بن محمد موسیٰ رضا بن محمد علی لقب آصف تخلص خانہ زاد بن محمد سعید مہکری تخلص عاصی ۔

شباب کا انتقال تقریباً چھپن سال کی عمر میں چہار شنبہ کے روز ۱۱ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۲ ہجری مطابق ۵ رجون سنہ ۱۸۹۵ء کو حیدر آباد میں ہیضے سے ہوا، محمد سعید نلونگلی (وفات ۱۷۵۳) ارکاٹ اور سرا کے نواب سعادت اللہ خان (وفات ۱۷۳۲) کے مصاحب تھے، عاصی کے فرزند محمد علی نواب حیدر علی خاں اور سلطان شہید کے زمانے میں کلیکوٹ، گوتی، بارہ محل اور بنگلور کے آصف (گورنر) تھے انھیں ٹیپو سلطان نے فلک شکوہ کا خطاب دیا تھا، سنہ ۲۵-۱۸۲۴ء میں باسی ۸۲ برس کی عمر میں فوت ہوئے، خانہ زاد تخلص تھا، گنج شایگاں حمد اور نعت اور منقبت میں خانہ زاد کے قصیدوں، مسدسوں، مخمسوں اور رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ سنہ ۱۸۰۶ء میں اس کی تکمیل ہوئی، اس میں تقریباً ساڑھے پانچ ہزار شعر ہیں، بیاضوں میں متفرق کلام اس کے علاوہ ملتا ہے، خانہ زاد کے دو بڑے بھائی عبد القادر تخلص قادری (وفات ۱۸۰۸ء) اور محمد باقر تخلص یکرنگ اردو کے شاعر تھے، خانہ زاد کے چھوٹے فرزند محمد محی الدین علی خان رسا بخشی دار العدالت میسور (وفات ۱۲۷۷ھ-۶۱-۱۸۶۰ء) کی فرمایش پر ان کے بھتیجے محمد بہاء الدین خرم بن محمد موسیٰ رضا نے مہاراج کشن راج وڈیر کے مطالعہ کے لئے "جدول خلاصہ شاہنامہ" کے نام سے سنہ ۱۸۲۸ء میں سات برس کی جان کاہ محنت سے شاہنامہ فردوسی کا خلاصہ لکھا ہے جو چھپ جانے پر ہر حیثیت سے "معارف" اعظم گڑھ کے زیادہ سے زیادہ بتیس ۳۲ صفحوں میں سما جائے گا، یہ خلاصہ تاریخ ادبیات فارسی میں ایک نادر اور گرانقدر اضافہ ہے۔

مہارانی کالج میسور کے اسی مجلے کی جلد دوم میں ریاست میسور کے مہکری خاندان کے مذکورۂ بالا کل شاعروں کا مکمل کلام شایع کیا جائے گا،

عالی جناب غوث محی الدین صاحب ریٹیرڈ سینیر ممبر ریونیو بورڈ، گلگشت، سوماجی گوڑہ، حیدرآباد دکن، شباب کے اکلوتے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کے مختصر حالات یہ ہیں:۔

غوث محی الدین، مولد حیدرآباد، ابن احسان اللہ مہکری، مدرسۂ عالیہ اور نظام کالج میں تعلیم پائی، کالج میں اعزازی اسکالرشپ ملتی رہی، مدرسے اور کالج میں فٹ بال ہاکی اور کرکٹ کے نمائندہ رہے ۱۹۱۷ء میں حیدرآباد سول سروس کے لئے منتخب ہوئے، امراوتی برار میں تربیت پائی، برٹش انڈیا

کا امتحان اعلیٰ درجے میں پاس کیا اور "ب ٹی" میں امتیاز حاصل کیا، نوکری کی ابتدا اسٹیٹ سٹلمنٹ کمشنر کی حیثیت سے ہوئی، ترقی کرتے کرتے ریونیو بورڈ کے سینئر ممبر کی حیثیت سے ۱۹۵۱ء میں وظیفہ یاب ہوئے، یوروپ اور مشرق وسطیٰ میں وسیع پیمانے پر سیاحت کی ہے،

سنہ ۸۷-۱۸۸۶ء میں، جلوۂ سخن، نامی طرحی اور غیر طرحی غزلوں کا ایک گلدستہ مدراس سے شایع ہوتا تھا۔ اس میں شباب کی غزلیں بھی چھپتی تھیں، اس وقت شباب کی عمر سولہ برس کی تھی، میرے کتب خانے میں شباب کی جو غزلیں محفوظ ہیں ان کے مقطعے یہ ہیں:-

۱ شہرہ ہے اپنے شعر کا گلزار دہر میں ؎ شاگرد ہوں شباب نسیم و بہار کا

؎ حضرت نسیم کا دوسرا تخلص ہے،

۲ کسی گلفام نے شاید کیا ہے وصل کا وعدہ — شباب آج اپنے جامے میں نہیں پھولے سماتے ہیں

۳ جب شعر شباب آپ کا پڑھتے ہیں عدو بھی — تحسین کی صدا آتی ہے بزم شعرا سے

۴ جواب خط کا فقط اس نے اتنا لکھ بھیجا — شباب نامہ ترا قابل جواب نہ تھا

۵ کسی کا گھبرا کے ہائے کہنا وصال میں آپ اپنے دل سے — ہمارا عالم شباب صاحب خدا ہی جانے کہ کیا کریں گے

۶ بیٹھے ہو جھومتے ہوئے آنکھوں میں ہے خمار — کس کی نظر شباب تمہیں مست کر گئی

۷ ایک غزل کے مقطع میں تخلص نہیں ہے ؎

تمہیں گر فخر ہے ہم کو بھی ہے ناز — جفا میں تم ہو یکتا ہم وفا میں

شباب کی دو مکمل غزلیں:-

دیکھو نجاؤ آؤ نہیں سیر کے لئے — داغوں سے دل ہمارا چمن ہے بہار کا
صورت نہیں ہے چین کی فرقت میں کوئی دم — سرمایہ لٹ گیا مرے صبر و قرار کا
ساقی ہو مئے ہو ابر ہو گلشن ہو یا خدا — جب یہ ملیں تو لطف ہے فصل بہار کا
واعظ سنا نہ پند ہمیں اپنی راہ لے — رندوں پہ بس چلے گا نہ پرہیزگار کا
شہرہ ہے اپنے شعر کا گلزار دہر میں — شاگرد ہوں شباب نسیم و بہار کا

ولہ

کیا فائدہ ہے سیر مزار شہدا سے — سبزہ نہ لپٹ جائے کہیں آپکے پا سے
گھبراؤ نہیں وصل میں ہے رات بہت کچھ — دیتے رہے یوں صبح کو بھی ان کو دلاسے

اللہ رے ستم وصل کے وعدے پہ یہ حیلہ
باندھے گئے ہیں پاؤں مرے رنگ حنا سے

کیا پوچھتے ہو زلف کے عشاق کا عالم
تم خوب رہو کوئی جو مر جائے بلا سے

کیوں نخل تمنا کے ثمر ہم کو ملیں گے
جب ناخن تقدیر کٹیں بند قبا سے

عشاق کا خوں کام ضرور آئے گا ان کے
اللہ کرے رنگ ہی اڑ جائے حنا سے

اللہ رے ستم غیروں کی اتنی بھی رعایت
بیوجہ اٹھائے گئے ہم ان کی سبھا سے

رہتے ہیں نگہبان یہی دشت جنوں میں
کانٹوں کو محبت ہے کہاں تک کف پا سے

جب شعر شباب آپ کا پڑھتے ہیں عدو بھی
تحسیں کی صدا آتی ہے بزم شعرا سے

نسیم کے شاگردوں اور ان کے معاصرین کے زمانے میں میسوری شاعر اردو میں شعر کہنے اور اپنی اردو کو دلی اور لکھنؤ کی اردو کے عین مطابق بنانے کی کوشش کرنے لگ گئے تھے اور اپنی تصانیف میں امکان بھر اپنی مادری زبان دکنی سے جو زوال سرکار خداداد تک تحریر و تقریر میں رائج تھی بچتے تھے، اس لئے مذکورۂ بالا شاعری کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ میسوریوں میں اردو کی تقلید کس پیمانے پر شروع ہوئی تھی۔

جماعتی قوم اور زبان

از ڈاکٹر آمنہ خاتون

حاجی حکیم عبدالشکور نقشبندی، یونانی میڈیکل ہال اشوکہ روڈ میسور کا وطن سند گھٹہ ہے جو ضلع میسور کے تعلقہ کرشنا راج پیٹ میں ایک قریہ ہے، حکیم صاحب جماعتی قوم کے ایک معزز فرد ہیں اور جماعتی سند گھٹے کے قدیم باشندے ہیں سند گھٹے کی سنگین مسجد کے مشرق میں عاشورہ خانہ (عزاخانہ) تھا۔ اسی کی مغربی دیوار میں مسجد کے مقابل ایک پتھر پر کنڑی زبان میں جو عبارت کندہ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے

"سالواہنا سکھا کے سال ۱۴۵۹ (سنہ ۱۵۳۷ء) میں رنگی نایک اور بابو شٹی نے سند گھٹے کے اندرونی حصے میں پتھر کی مسجد کا دیوستھان (کلو مسیتیا دیوستھان) بنوا کے اس کے لئے سواپور کا قریہ اور حبیب کا گھر وقف کیا ہے، چاند سورج موجود رہنے تک آئندہ آنے والے ارسو (راجا) گوڈا (پٹیل) سینبابووا (پٹواری) ان میں سے کسی نے بھی اس وقف میں خیانت کی تو اپنے ماں باپ کو کاشی (بنارس) میں قتل کیا، اس کو سینبا بووانا گپا نے لکھا" (اپی گرافیا کرناٹکا جلد چہارم حصہ دوم صفحہ ۱۸۳ کرشنا راج پیٹ تعلقہ سند گھٹہ قریہ کتبہ نمبر ۷۲)

اس کتبے میں سب سے زیادہ قابل توجہ امر یہ ہے کہ سند گھٹے کے مسلمانوں کی نیکیوں کے وہاں کے ہندو اس قدر قائل تھے کہ مسلمانوں کی مسجد اور اپنے مندر میں وہ کوئی امتیاز نہیں کرسکتے تھے، یہ دونوں ان کی نظر میں عبادت گاہیں تھیں، بقول عرفی ع پروانہ چراغ حرم و دیر نداند، جبھی تو اس وقف کی عبارت کے ایک ہندو مصنف نے مسجد کو دیوستھان کہا ہے، اور ظاہر ہے کہ آپس کا یہ اعتماد مدتوں کی یکجائی ہی سے پیدا ہوسکتا ہے، یقیناً مسلمان آج سے کم از کم پانسو سال پہلے سے سند گھٹے میں آباد ہیں اور تاریخی طور پر ثابت ہے کہ مسلمانوں کے لئے مسجد کی تعمیر میں ایک ہندو شریک

غالب ہے، جماعتیوں کے ایک گھرانے کا لقب ششتی (مہاجن) ہے اور بابو ششتی ایک مسلمان کا نام ہے مرکارہ (کورگ) کے ششتی عبدالقادر جو ۱۹۱۶ء میں بقید حیات تھے اپنے علاقے میں مشہور شخص تھے،

حکیم صاحب کی وساطت سے مجھے ایک نادر رسالہ دیکھنے کا موقع حاصل ہوا اس کے مصنف مرکارہ کے محمد یوسف ہیں، اس میں مصنف نے جماعتی قوم کے حالات لکھے ہیں، اس رسالے کا تاریخی ہجری نام روضۂ علاقہ بنداں (۱۳۴۴) اور شمسی فرخنگاہ ناظران (۱۹۱۶) ہے، اس رسالے میں ششتی عبدالقادر کا مذکور ہے، میں نے اس رسالے کا خلاصہ مصنف ہی کے الفاظ میں ذیل میں لکھ دیا ہے، اس رسالے کی تالیف کی وجہ یہ ہے کہ کرزن گزٹ جلد ۸ نمبر ۲۳ مورخہ ۸ر اگست سنہ ۱۹۰۶ء میں کسی نے اس اخبار کے قارئین سے دریافت کیا تھا کہ جماعتی قوم سے کون لوگ مراد ہیں اور ان کی کیا خصوصیات ہیں، اس کے جواب میں اسی اخبار کی جلد ۸ نمبر ۳۰ مورخہ ۸ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء میں محمد عثمان صاحب تخلص نذیر نے ایک مضمون لکھا ہے اور اس کے آخر میں جماعتی قوم کی اختراعی زبان کے نمونے بھی دیے ہیں،

محمد عثمان نذیر کی ولادت سنہ ۱۳۰۳ھ میں ہوئی، مولد آلدور ضلع چکمگلور ہے، بفضلہ تعالیٰ نذیر صاحب اس وقت بقید حیات ہیں اور آپ کی مشہور دکان "نذیر کافی ورکس" اشوکہ روڈ شہر میسور میں ہے، کرزن گزٹ میں آپ کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ "یہ جماعت پہلے پہل کشور عرب سے ہند کو سوداگری کرتی آئی اور شہر بیجاپور میں ساکن رہی، شہنشاہ بیجاپور نے ان کی نیک چلنی، دیانت شعاری کو پسند کر کے جواہر فروشی کی سند سے سرفراز فرمایا"۔

چوں کہ نذیر صاحب نے جماعتی فرقے کے حالات بہت ہی مجمل لکھے تھے محمد یوسف نے تفصیل سے کام لیا ہے، اس تفصیل کا خلاصہ حسب ذیل ہے :-

" اس رسالے کا تاریخی ہجری نام روضۂ علاقہ بنداں (۱۳۴۴) اور شمسی فرخنگاہ ناظران (۱۹۱۶) ہے اور مصنف رسالۂ ہذا محمد یوسف ہے، جماعتی قوم ریاست میسور اور کورگ کے ان شہروں میں آباد ہے، ارسی کیری، ہسن، آلدور، ناگن ہلّی، سندگھٹہ، چندراپٹن، گلشن آباد، ہٹور، علواڑی، کنور، نرسی پور، چن پٹن، ہاسن، اوکیتہ ماسندر، گلشن آباد، بلندور، مام ہلی، چکنایکن ہلی وغیرہ اور دارالخلافہ کورگ مرکارہ اور ویراجندر پیٹ، یمن میں ابریشم کثرت سے پیدا ہوتا تھا اور اس کی صنعت کے حریری ماہر تھے، آنحضرتؐ کے زمانے میں فتح یمن کے بعد بہت سے یمنی اور کچھ حصہ حریریوں کا مدینۂ طیبہ میں بس گیا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں فارس فتح ہوا تو اسلامی لشکر کے ساتھ قوم حریری بھی فارس میں بس گئی، اور لقب علاقہ بند سے

ملقب ہوئی، شام میں حریری کہلائی، کوفے اور بصرے میں بھی یہ قوم بس گئی، حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے باپ دادا بھی اسی پیشے کے تھے اور تجارت بھی کیا کرتے تھے، حضرت امام صاحب نے ایک کارخانہ خزبافی یعنی ریشم تیار کرنے کا قایم کیا، جو ملک مسلمانوں نے فتح کیا اور جدھر جنود اسلام نے رخ کیا یہ قوم بھی اس کے ہمرکاب رہی، اسلامی فاتحین کے ساتھ یہ قوم ہندوستان پہنچی اور یہیں رہ گئی، حریری جو اصل میں عربی النسل ہیں علاوہ اپنے گروہ کے لوگوں کے کوئی اور شخص ان کی نظروں میں آجاتا ہے تو ٹنک کہہ کر پکارتے ہیں، یہ عادت اس قوم کے ذکور واناث میں قریہ جات کے شیخ وشاب میں اب بھی ہے، مغلوں کے زمانے میں یہ لوگ جونپور و دہلی پہنچے، اکبر کے زمانے میں درباری اور محل شاہی کی اشیا اور فوجی وردیوں کی ساخت وپرداخت کے واسطے دارالحکومت اور دیگر صوبجات میں کارخانے کھولے گئے اور حریری ان میں مامور ہوئے چوں کہ درباری امرا اور وزرا اکثر ہنود تھے، اس قوم کو پٹوا لقب بخشا، سنسکرت میں پٹ ابریشم کو کہتے ہیں. جب لفظ وا ہندی میں کسی اسم کے بعد لایا جاتا ہے تو اسم فاعل ترکیبی بنتا ہے، حریریوں کی ایک جماعت نے اشیاے آہنی اور ظروف مسین اور بلوریں اور انواع نگینہ کی تجارت اختیار کی اور لقب مینار سے ملقب ہوئے، مینار مقلوب یارمن ہے، مینار اور حریری رشتہ داری وکیفیت ونسبت ووصلت میں متفق ہیں،

سید محمد میر جونپوری اور شیخ مبارک جونپوری زاد الفیضی و ابوالفضل یک جان و دو قالب تھے سید محمد میر کے مریدوں کی دو جماعتیں تھیں ایک قوم حریری دوسری ہندی، پیر طریقت جب عالم وجد میں آتے تو انا مہدی کہتے، ہندی گروہ نے انہیں مہدی موعود تسلیم کرلیا، مگر گروہ حریری اس کی منکر رہی، گروہ مہدویہ میں ایک شخص بڑے فاضل اور نیک اعمال شیخ علائی نام تھے، آپ سے گروہ حریریوں کو کمال الفت ومحبت تھی، باوصف ان کے مہدوی ہونے کے حریریوں نے کچھ پروا نہ کی اور اپنے رشتۂ الفت کو ان سے نہ توڑا، حریریوں نے مرہٹواری میں رہ کر مرہٹی سیکھ لی مثل اہل زبان صاف بولنے لگے بلکہ انھوں نے ایک الگ زبان جو مرہٹی زبان کا شعبہ تھی اختراع کرلی اور اس کو خصوصیت کے ساتھ رواج دیا، لیکن اس کے موجدین نے اس زبان کو ادبی زبان کے مقام پر نہیں پہنچایا، دارالصدر سریرنگ پٹن میں ان کا لقب پٹوگر ہوا، ہندوؤں کے ایک تیوہار میں جس کا نام اننت چتردسی ہے ریشمیں اور زریں رنگ برنگ کی ڈوریاں اقسام کے پھندنوں سے سنواری جاتی ہیں اور ہندو اپنے گلے اور دست وبازو میں باندھ کر پرستش کرتے ہیں پٹوگروں نے حسب عادت ان کو تیار کیا، سلطان نے پٹوگروں کے سرپرست محمد مسعود کو طلب کرکے اس کا نعم البدل یہ تجویز

کیا کہ ایک کیسۂ ابریشمی اتنا کشادہ تیار کرو کہ اس میں عمال وحکام کی مہریں سما سکیں، اس کی قیمت ایک ہن مقرر کی، ادھر عمال کو ایک گشتی (اطلاع) اس مطلب کی روانہ ہوئی کہ ہر ملکی عہدہ دار اس کیسۂ ابریشمی کو خریدے سلطان نے ملک میسور کے تمامی مضافات میں اس قوم کے افراد کو منصب عطا فرمایا اور چند کو پٹیل وچودھری کے خطاب بخشے، محمد مسعود کو چوبدار اور خدمتگار سرکاری عنایت کئے، سندیں قضائت اور پٹیل وچودھری کی اپنی مہر ثبت کرکے عطا کیں دو بیڑوں (پان) کا ان کو مستحق کیا، مقامی پنچایت وفیصلوں کا انہیں اختیار دیا، ایک معزز ہندو دولت اسلام سے مشرف ہوا تھا اس کے دو بیٹے باقاعدہ اسلامی تعلیم یافتہ تھے، ان کے لئے بیویوں کی تلاش تھی، جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے بادشاہ ان کا اور قدیم مسلمانوں کا رتبہ ایک سمجھتا تھا، نائب شہر قاضی محمد مسعود دربار میں حاضر تھا، سلطان نے نائب شہر قاضی سے مخاطب ہوکے فرمایا کہ جو شخص کفر سے بطوع خاطر خارج ہوکے اسلام قبول کرے اور اس کے احکام کی تعمیل میں مصروف رہے کوئی کراہت صوری ومعنوی کیا اس میں باقی رہی، کہا کہ نعوذ باللہ کچھ نہیں، سلطان نے کہا کہ تمہاری دو لایقہ بیٹیاں بالغہ موجود ہیں اگر فلاں شخص کے دونوں فرزندوں سے منسوب ہوں تو خوب ہے، نائب قاضی راتوں رات قبیلے کے ساتھ پریاپٹن کے قاضی کے پاس بھاگ گئے، سلطان نے انہیں بھیجنے کا حکم دیا تو پریاپٹن کے قلعدار نے نائب قاضی صاحب اور ان کے مددگار پریاپٹن کے قاضی اور ان کے فرزند کو بھی سرینگپٹن روانہ کردیا، سلطان نے ان تینوں کے پاؤں کٹوا دیئے،

مرکرہ میں جماعتی قوم

محمد حسین صاحب بڑے شایستہ اور لایق شخص تھے ان کی لیاقت واہلیت کی وجہ پایۂ تخت مرکرہ میں من جانب مہاراجہ عہدۂ سر قاضی عطا ہوا، ان کے لئے ایک چھوٹا سا محکمہ ایک پیادہ اور ایک دُرّہ حکومت کی طرف سے دیا گیا، ان کے برادر محمد صاحب کو ویراجندر پیٹ میں منصب قضاءت ملا مہاراجہ کی بے اعتدالیوں اور خلاف عہدی کی وجہ خطۂ کورگ برٹش حکومت نے ممالک محروسہ میں داخل کرلیا، اور قاضی محمد حسین صاحب منصب قضاءت سے شہر کوتوالی کی طرف منتقل کئے گئے اور ان کے ہمشیر زادے محمد حسن نامی بڑے لیاقت شعار اور کارگذار نفس تھے، ویراجندر پیٹ سے طلب کئے گئے اور اپنے ماموں صاحب کی خدمت مولفہ پر مامور کئے گئے، محمد حسن صاحب کو لقب کوتوال بالکل ناموزوں محسوس ہوا تو سرکار عالیہ سے التجا کی کہ لفظ کوتوال کو صوبیدار سے بدل دیں، ہو المراد اس کا عمل ہوا صوبہ دار صاحب چونکہ بڑے شریعت پسند اور پرہیزگار وحقوق شناس تھے انہوں نے اپنے اقربا کو کنور، نرسی پور وغیرہ سے طلب کرکے بہت کچھ فیض پہنچایا

پھر یہ لوگ اپنی صنعت وحرفت وبیپار کے ذریعے کچھ روپیہ کما کے زمینیں خرید کیں، باغات کافی کے لگائے اور اپنی زندگانی بہ آرام تمام کرنے لگے، چنانچہ مصنف رسالہ ہذا بھی سنہ ۱۸۷۷ء میں یہاں آکے اپنے قدیم خویشوں کی صف میں داخل ہوگیا اور ایک مدت دراز تک میر مدرس کی خدمت پہ مامور رہ کر مستعفی ہوگیا۔ اس کے بزرگاں یعنے اس کے پرداد کے باپ عبدالکریم بیجاپور سے نواب حیدر علی کے عہد حکومت میں سریرنگ پٹن آئے اور اپنے پیشۂ خاص کی بدولت دربار نواب موصوف میں وظیفہ خوار رہے ان کی وفات کے بعد اس کے پرداد عبدالقاور اپنی باپ کی خدمت پر مامور کئے گئے وہ زمانہ ٹیپو سلطان جنت آشیاں کا تھا، ان کے عالم حیات میں سریرنگ پٹن کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ ان کے انتقال کے بعد اس کے دادا عبداللہ کو مہاراجۂ میسور کے یہاں اسی پیشے کی بدولت خدمت عطا ہوئی، ان کے انتقال کے بعد چھے سال مصنف اپنی باپ کی خدمت ادا کر کے مستعفی ہوکے کورگ چلاآیا میسور وسریرنگ پٹن کے معزز اصحاب تمام وکمال تحت زمین ہوگئے"

(سلسلہ کے لئے دیکھیں صفحہ ۲۶۶)

جماعتی زبان کے تین جملے متعلقہ صفحہ ۲۶۷

میری شادی ہوکر بہت دن گذرے۔	میں ایں داؤنٔ ہوے دِتیاں ہیو
تمہاری بیوی کہاں ہیں۔	تمار مینٹری کِیت وچ
میری بیوی گھر پر ہیں	مین مینٹری گھرم وچ

شجرہ

عبدالکریم
|
عبدالقادر
|
عبداللہ
|
محمد حسن
|
محمد یوسف مصنف زوج بنت
|
عبدالعظیم

حسن ابال
|
شیخ فرید
|
بنت زوجۂ عبدالدین — محمد یوسف مصنف زوج بنت
|
محمد محمود وظیفہ یاب منشی دیراجے پیٹ ہائی سکول

(۲) جماعتی زبان کا جو نمونہ کرزن گزٹ میں چھپا ہے اس میں کاتب نے غلطیاں کی ہیں ہم جناب محمد عثمان صاحب نذیر کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے ان غلطیوں کی اصلاح کی ہے۔

کیا تیری شادی ہوی	کا ہے تیں ایں وادں ہیو
اللہ ایک ہے	اللہ ہکڑ وچ
کیا تیرے عورت بچے خیریت سے ہیں	کا ہے تیں میڑی ڈکرڈ نہرا دچ
آج بارش زیادہ برسی	آج پاؤس یاگلو پڑی
قرض دار کا زیادہ تقاضا ہے	ڈنا ادو کھبرے وَرات دچ
کانی کے جھاڑاں کو کیڑا زیادہ لگا ہے	بنار تاڈیا نک کیڑ بھریے ٹگیا
اس کی دکان گرد ہوئی ہے	ٹنگ ہرو اڑو ہیاگو

باپ = ابُو ؛ بھائی = بہن ؛ متو = سر ؛ گچی = گردن ؛ گالی = بات ؛ بھت = کھانا ؛ ماڈرو = سالن ؛ نواوں = قضیہ ؛ دکڑی ، دکڑا = بیٹی ، بیٹا ؛ بھوئیں = زمین ؛ سجن = رشتہ دار ؛ "

ٹ آپ کی کتابوں کی دکان اس وقت مسجد اعظم میسور کے احاطے میں مشرق کی طرف ہے ، رسالہ مذکور آپ ہی کے پاس ہے اور محمد یوسف مصنف آپ کے خالو ہیں ، ہم جناب محمد محمود صاحب کی اس عنایت کے ممنون ہیں ۔

فائدہ :- جماعتی زبان میں واو معروف اور یاے معروف کی آوازیں نہیں ہوتیں صرف واو مجہول اور یاے مجہول کی آوازیں ہوتی ہیں اردو آوازوں ھ ء کو ٹ۔ ڑ۔ ل لکھا ہے۔

جماعتی قوم کی میری ایک عزیز شاگرد یاسمین صاحبہ بی اے ۔ بنت عبدالرشید بن عبدالرحمٰن صاحب کافی پلانٹر ہاسن سے میسور آئی تھیں، میں نے ان سے خواہش کی کہ وہ اپنے دادا صاحب سے دریافت کرکے جماعتی زبان کے مزید نمونے لکھ بھیجیں۔ چنانچہ انہوں نے ذیل کے جملے لکھ بھیجے ہیں جو شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں :-

آج تمہارے یہاں کیا سالن پکا تھا	آج تمارہ گھرم کینشو ماؤ رؤ ردّے تھکیوں
آج ہمارے ہاں گوشت کا سالن پکا تھا	آج ہمار گھرم بوٹیار ماؤ رؤ روے تھکیوں
تمہارے بھائی بہن کہاں ہیں	ہین اکا اڈّو کِت وچ
میرے بھائی بہن گھر پر ہی ہیں	مین اکا اڈّی گھر نچ وچ
یہ بہادر شاہ ہیں	یو بہادر شاہ وچ

انھوں نے ملک کی آزادی کے لئے انگریزوں سے جنگ کی

سیں ملک کر آزادیر جوگو فرنگیا ٹرہزگی جنگ کریوں

ان کا مزار رنگون میں ہے	تنا مزار رنگوقم وچ
خدائے پاک انہیں جنت نصیب کرے	خدا تنا تک جنت نصیب کرے
تم کہاں گئے تھے	تُمی کِت گئے تھکیا
میں باغ گیا ہوا تھا	ہیں تُو آنک جائے تھکُم
تمہارا نام کیا ہے	تمار ناؤں کا ے وچ
میرا نام زید ہے	مین ناؤں زید وچ
تم کہاں کے رہنے والے ہو	تو کِت تھکٹو
میں میسور کا رہنے والا ہوں	ہیں میسورم تھکٹو ہارَد
تمہاری طبیعت کیسی ہے	تمار طبیعت کیسی وچ
میری طبیعت اب خدا کے فضل سے اچھی ہے	مین طبیعت خدار فضل لے ہِب نٹری وچ

یاسمین صاحبہ کے دادا جناب عبدالرحمٰن صاحب کی عمر اس وقت اللہ کے فضل وکرم سے تقریباً سو سال کی ہے اللہم زد فزد - از جناب محمد عثمان صاحب نذیر کہتے ہیں کہ ریاست میسور کی جماعتی قوم کے وہ سب سے معمر بزرگ ہیں۔

لکھو، لکھئے، لکھیں

از:- ڈاکٹر آمنہ خاتون

بعض لوگوں کو قواعد اردو سے واقف نہ ہونے کے سبب اصرار ہے کہ لکھو اور لکھئے امر کے صیغے ہیں اور لکھیں صرف مضارع کا صیغہ ہے، اس لئے جواب لکھیں کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ "چاہیں تو جواب لکھیں یعنے جواب لکھنے یا نہ لکھنے کا اختیار ہے" ذیل کا مضمون انھیں لوگوں کی ہدایت کے لئے لکھا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مضارع اور امر کے سب صیغے (واحد حاضر کے صیغے کے سوا) یکساں ہیں جیسا کہ ذیل کے نقشوں سے واضح ہے :-

قواعد اردو از مخدومی مولوی عبدالحق، طبع چہارم صفحہ ۹۵ اور ۹۸

فعل حال

۱- حال قدیم یا مضارع

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے	وہ لائیں	تو لائے	تم لاؤ	میں لاؤں	ہم لائیں
مونث	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

۶- امر

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ لائے	وہ لائیں	تو لا	تم لاؤ	میں لاؤں	ہم لائیں
مونث	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

اس مضمون میں قدیم لوگوں کی نثر و نظم سے ایسی مثالیں پیش کی گئی ہیں جن میں کریں، لکھیں، پڑھیں وغیرہ صیغے بطور امر استعمال ہوئے ہیں، علاوہ اس امر کے ثبوت میں کہ لکھیں وغیرہ امر کے صیغے ہیں موقر اور مستند ہم عصر اساتذہ کے خط درج ہیں،

میر تقی میر از ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، صفحہ ۴۸۲

میر سے مت تلون اس میں سمجھیں آپ سا مصطفٰی خاں آشنا یک رنگ ہے

نیرنگ خیال از محمد حسین آزاد:-

انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا

"سلطان الافلاک کی بارگاہ سے حکم پہنچا ...... جس طرح چاہیں اپنے رنج و تکلیف تبدیل کر لیں اور اپنے اپنے بوجھ لے کر گھروں کو چلے جائیں،

نادرات غالب، مولفہ آفاق حسین آفاق صفحہ ۴۷، غالب نے کرو، کریں کیجئے یہ تینوں صیغے امر کے استعمال کئے ہیں:-

"..... میں جانتا ہوں ان دونوں کو زہر مہرے کا استعمال مفید ہوگا، کبھی کبھی شربت نیلوفر میں گھس کر پلا دیا کریں اور چاٹ لیا کریں، بھائی لڑکوں کا گھر ہے شربت نیلوفر، شربت بنفشہ ...... اسی طرح کی چیزیں گھر میں تیار کرو۔ گاہ گاہ استعمال میں آتی رہیں"

صفحہ ۶۴ نبی بخش حقیر کے لئے نسخہ "آپ شوق سے اس پانی کو شروع کیجئے، اور دوا طبیب کی بدستور کئے جائیے اور غذا موافق طبیب کے کھائے جائیے پانی جب پیجئے یہی پانی پیجئے"

دریائے لطافت از سید انشا، نسخۂ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (علی گڑھ) صفحہ ۱۱۳،۱۱۲

"وصیغۂ امر حاضر مفرد در اردو حاصل شود از دور کردن علامت مصدر و تانیث و تذکیر آن بہ یک صورت باشد مانند کرنا و کر کہ بمعنی فعل و افعل کہ در فارسی ترجمۂ آن کردن و کن باشد و تثنیہ و جمع مذکر و مونث بزیادت واو مجہول حاصل آید مانند کرو ...... و با ہمزہ و یائے مجہول ہم بعد از امر مفرد حاضر جمع و تثنیہ حاصل آید مانند اٹھئے بجائے برخیزید و بیٹھئے بجائے بنشینید"

"و امر غائب فلانے سے کہہ دو کہ وہاں جاوے یا کہو یہیں پر رہے وہی غائب نجاوے

اور نہ رہے، جاویں اور رہیں تثنیہ و جمع امر نجاویں اور نہ رہیں نہی آن"

مخدومی مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو کراچی، مکتوب مورخہ ۲۲ جولائی سنہ ۱۹۵۵ء

"مجھے اس بارے میں آپ سے اتفاق ہے یعنی (جواب) لکھیں، (تشریح) کریں میں ہمیشہ اپنے سوالات میں لکھئے، تشریح کیجئے لکھتا ہوں، جب سے میں نے یہ شروع کیا تو، جامعۂ عثمانیہ اور پنجاب یونیورسٹی کے ممتحنوں نے بھی "لکھو، کرو" وغیرہ ترک کر دیے۔

بعض حضرات اب تک اردو زبان کو فارسی اور عربی سے کم تر سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں سے آگے نکل گئی ہے؛ یہ خبط کم نزی ہے، پہلے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ عربی یا فارسی داں شخص اردو کی بھی تعلیم دے سکتا ہے، وہ یہ سمجھتے ہی نہ تھے کہ اردو بھی کوئی مستقبل زبان ہے، حالانکہ اردو کا پڑھانا عربی فارسی پڑھانے سے زیادہ مشکل ہے۔"

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مکتوب مورخہ ۷ر دسمبر ۵۱ء

"آپ کا مقالہ میں نہیں دیکھ سکا، جو ترمیم آپ مناسب سمجھیں کر دیں۔"

ڈاکٹر محی الدین قادری زور، پروفیسر اردو، حیدر آباد دکن، مکتوب مورخہ ۲۸ر جولائی سنہ ۵۵ء

"میں سمجھتا ہوں کہ کریں اور کیجئے دونوں جائز ہیں اور غلط تو قطعاً نہیں"

ڈاکٹر سید عبداللہ، یونیورسٹی پروفیسر اردو، پنجاب یونیورسٹی، مکتوب مورخہ ۱۲ر اگست سنہ ۵۵ء

"دوسرا عنایت نامہ بھی مل گیا ہے، میں نے آپ کے سابقہ گرامی نامے کی ایک نقل اپنے رفیق کار پروفیسر وقار عظیم صاحب کی خدمت میں بھیجی تھی، اس کا جو جواب انہوں نے دیا ہے وہ، منسلک ہے، ان کی رائے سے مجھے بھی اتفاق ہے"

سید وقار عظیم صاحب مکتوب مورخہ ۴ر اگست ۵۵ء

"امر حاضر کی تیسری صورت (جو اصل میں مضارع کی شکل ہے) کے متعلق جو استفسار کیا گیا ہے اس کے متعلق اپنی رائے پیش کر رہا ہوں

(۱) میرے نزدیک آئیے، جائیے اور آئیں، جائیں کو یکساں ایک ہی محل پر استعمال کیا جاسکتا ہے، چنانچہ داغ کے اس مصرعے میں کہ

ع آپ گھبرائیں نہیں، جَور سے توبہ نہ کریں

گھبرائیں اور توبہ نہ کریں بالکل اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے جیسے آپ نہ گھبرائیے اور آپ توبہ نہ کیجئے۔

(۲) اگر کسی نے دیکھیے اور لکھیے کے بجائے لکھیں اور دیں استعمال کیا ہے تو اسے غلط کہنے کا حق ہمیں یقیناً نہیں"

پروفیسر سید عبدالوہاب بخاری، مدراس، مکتوب مورخہ ۱۴ر ستمبر سنہ ۵۵ء

"آپ مجھے میری اس غیر معمولی تعویق پر معاف فرمائیں .... آپ کی رائے سے

میں متفق ہوں، اگر لکھو یا لکھئے کی بجائے لکھیں ہو تو اس میں نہ صرف مضایقہ نہیں بلکہ جیسے کہ آپ نے بتلایا ہے توازن کے لحاظ سے اقرب ہے"

قول فیصل

پروفیسر آل احمد سرور، لکھنؤ یونیورسٹی، مکتوب مورخہ ۴ راگست سنہ ۵۵ء

"اس باب میں تو کوئی تردد نہیں ہے کہ لکھئے، لکھو، لکھیں تینوں صورتیں صحیح ہیں آپ نے جو حوالے دئیے ہیں ان سے لکھیں کے اس طرح استعمال پر قرار واقعی روشنی پڑتی ہے. میں نے امتحان کے پرچوں میں تینوں طرح کے فقرے دیکھے ہیں. میں خود جواب دیجیے یا لکھئے لکھتا ہوں، میرا خیال ہے کہ ممتحن کو ادب کے ساتھ تہذیب کا بھی پاس رہنا چاہئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ سمجھ دار والدین چھوٹے بچوں سے بھی آپ جناب کرتے ہیں، یہ مضحکہ خیز نہیں بلکہ تہذیب کی تعلیم ہے، رہا آپ کی ترجیح کا سوال تو مجھے لکھیں اور جواب دیں پر قطعی اعتراض نہیں، ہاں لکھو اور جواب دو کو اچھا نہیں سمجھتا اگرچہ اس کی صحت میں بھی کلام نہیں، بہرحال لکھئے یا لکھیں کو میں مناسب سمجھتا ہوں"

حصّۂ دُوم

(طالبات)

مضمون نگار طالبات کے نام حرفِ تہجی کی رعایت سے لکھے گئے ہیں

مرتّبہ

محمودہ خانم مکّی

خانم کے بارے میں بعض صحیفوں اور مصنفوں کے قول

خورشید بیگم، بی، ایس، سی

۱۔ ٹنی سن "خانم قسمت کا ستارہ ہے۔ زمین کی حور ہے، فلک کی چاندنی ہے، چمن کی بہار ہے، پھول کی نکہت ہے۔ خانم کی مسکراہٹ زندگی کا لطف ہے، اس کا روٹھنا خزاں کا آنا ہے"۔

۲۔ وید "اے خانم تو اپنے گھر والوں کے لوگوں سے رانیوں کی طرح بات چیت کر"۔

۳۔ رامائن "خانم کی توہین دنیا کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے"۔

۴۔ مہابھارت "نیک عورت دنیا کی روشنی اور بری عورت دنیا کی تاریکی ہے"۔

۵۔ رابرٹ ٹیلر "خانم صبح کا پھول ہے۔ نسیم بہار ہے۔ جھرنوں کا زمزمہ ہے۔ فردوس زمیں کی حور ہے میری کشتی کی مانجھی ہے"۔

۶۔ بائرن "خانم میری لاٹھی ہے جو میری زندگی کا سہارا ہے"۔

۷۔ ٹیگور "خانم آئینہ ہے جس میں مجھے اپنی تصویر نظر آتی ہے"۔

" "خانم ہر چیز کو خوبصورت ہر کام کو دلچسپ اور ہر مقام کو گلزار بنا دیتی ہے"۔

" "خانم میرا لباس ہے اور میں اس کا لباس ہوں"۔

۸۔ منوسمرتی "اگر ایک طرف سے شہنشاہ آرہا ہے اور دوسری طرف سے خانم تو شاہنشاہ کو چاہئے کہ ایک طرف ہٹ جائے اور خانم کو راستہ دے دے"۔

۹۔ بالزاک "خانم فرشتوں اور انسانوں کے درمیان کی مخلوق ہے"۔

۱۰۔ گولڈسمتھ "کانٹوں سے بھری ہوئی شاخ کو ایک پھول خوبصورت بنا دیتا ہے اور غریب سے غریب گھر کو نیک شعار عورت جنت بنا دیتی ہے"۔

۱۱۔ لوول "خانم ایک دیوی ہے، نیک کام اس سے اس طرح ہوتے ہیں۔ جس طرح آسمان سے بارش ہوتی ہے"۔ "خانم کے لئے دنیا میں نیکی اور پاکیزگی سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہے"۔

۱۲۔ تھامس مور "اے نیک خانم تو رات کا تارا اور صبح کا ہیرا ہے۔ تو شبنم کا قطرہ ہے جس سے کانٹوں کا منہ بھی

موتیوں سے بھر جاتا ہے تو بیرے "تاریک دفن میں مشعل ہدایت ہے۔"

۱۳۔ ناطق گلابی "اگر دنیا میں خانم نہ ہو تو چند ہی دنوں میں انسان خونخوار درندے بن جائیں گے۔"

۱۴۔ الین کنم گم "خانم ہر چیز کو خوبصورت ہر کام کو دلچسپ اور ہر مقام کو گلزار بنا دیتی ہے۔"

کتب خانہ

راحت نسیم، سکینڈ ایر بی اے

اس ملک میں قدیم زمانے سے سلاطین و امراء و رؤسا و علماء و فضلا کو کتابوں کے جمع کرنے کا شوق چلا آتا ہے، برٹش گورنمنٹ نے جو زمانہ حال میں سنسکرت کی کتابوں کی فہرست فیاضی سے اپنا روپیہ خرچ کر کے بنوائی ہے، ان کی تعداد کی نوبت ہزاروں سے گزر گئی ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ راجاؤں اور رئیسوں اور پنڈتوں کے پاس اب بھی ایسے کتب خانے ہیں جن میں کتابوں کا انبار لگا ہوا ہے، جب کتب خانوں کا یہ حال اس زمانے میں ہو کہ ہندوؤں کی سلطنت کو گئے ہوئے ایک مدت دراز گزر گئی ہو تو اس زمانے میں کہ ان کی سلطنت تھی اور سنسکرت کی قدر تھی پنڈتوں کا عروج تھا کیسے کیسے بڑے کتب خانے ہوں گے، راجہ بکرماجیت و راجہ بھوج کے کتب خانوں میں کتابوں کا شمار کرنا دشوار تھا، جب ہندوستان میں مسلمانوں کا عہد سلطنت آیا تو ان کے عہد میں بھی عربی فارسی کتابوں کے کتب خانے مرتب ہونے شروع ہوئے، محمود غزنوی گو خود ہندوستان کا بادشاہ نہ تھا، مگر ہندوستان میں مسلمانوں کا بادشاہ بنانے والا تھا، اس نے غزنی میں بڑا کتب خانہ اور عجائب خانہ بنایا تھا۔ اسی کی تقلید کر کے یہاں بھی بعض بادشاہوں نے شاہی کتب خانے کے مرتب کرنے پر توجہ کی، خاص کر شہنشاہ اکبر نے وہ توجہ کی اور شاہی کتب خانہ بنایا کہ وہ اپنے زمانے کے پہلے دنیا کے کل بادشاہوں پر سبقت لے گیا۔ آصف الدولہ شاہ اودھ نے لکھنؤ میں ایسا بڑا کتب خانہ بنایا اور اس میں نایاب کتابیں جمع کیں کہ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب پرنسپل دہلی کالج نے کئی برسوں میں برٹش گورنمنٹ سے نو سو روپے ماہوار تنخواہ پا کر اس کی فہرست انگریزی میں مرتب کی، جس کا ایک حصہ مطبوع ہوا ہے گو یہ شوق ذوق کتب خانوں کا سلاطین اور رؤسا اور علما کو رہا ہو مگر کتب خانوں کی صورت جو اس زمانے میں مہذب ممالک میں ہے وہ ہندوستان میں کبھی نہیں ہوئی کہ ایک عالی شان عمارت

خاص کتب خانے کے نام سے تعمیر ہو، کتابوں کی فہرست کی اشاعت ہو، طلبہ اور اہل علم کو عام اجازت ہو کہ وہ کتب خانے میں آن کر کتابوں کا مطالعہ کریں یا کتابوں کو مستعار لے کر پڑھیں اور علیحدہ کمرے ایسے بنے ہوں کہ روشنی کا سامان اس میں مہیا ہو کہ طلبہ رات کو مطالعہ کتب سے مستفید ہوں، تمام تواریخ ہند کے ورق الٹ ڈالئے مگر کہیں کتب خانوں کے اس انتظام کا پتا مسلمانوں اور ہندوؤں کے عہد میں نہیں ملتا،

پہلے کتب خانوں کی یہ صورت تھی کہ کتب خانے کا مالک اگر عالم ہوا اور اس کے عزیز اقربا احباب بشرطیکہ اہل علم ہوں. کتب خانے سے مستفید و مستفیض ہوتے تھے اور باقی سب محروم گو ان کتب خانوں کی حالت ایسی نہ تھی جیسی کہ اب مہذب قوموں میں ان کی صورت عام فیض رسانی کی ہے۔. مگر اس میں شک نہیں کہ بعض کتب خانے پہلے زمانے میں ایسے اہل فضل و کمال کے پاس ہوتے تھے کہ وہ اپنی قابلیت اور لیاقت سے تصنیفات کر کے ان کتب خانوں کی کتابوں میں جو علم ہوتا تھا اس پر اضافہ کر دیتے تھے اور یہ ان کا بڑا کمال تھا. کتب خانوں کی علت غائی یہی ہے کہ عالم پہلے علم پر ان کے طفیل سے اضافۂ علم کرتے رہیں، پہلے علمی اکھاڑے تھے جن میں طالب العلم مباحثوں سے ایسے محظوظ ہوتے تھے جیسے کہ پہلوان کشتی لڑ کر، عالم کتب خانوں کو یہ جانتے تھے کہ وہ غذائے روح اور دوائے دل و دماغ ہے وہ ایک ایسا گھر ہے کہ جس میں ساری چھوٹی بڑی سلطنتیں اپنی بہار دکھا رہی ہیں اور سب طرح کے نامور یگانۂ روزگار اپنا جوہر و کمال موجود ہو کر بتلا رہے ہیں، کوئی زمانہ نہیں جو اس میں موجود نہ ہو اور اپنا حال نہ بتا رہا ہو، جو طالب علم علم کے پیاسے تھے ان کے روبرو یہ علم کا سمندر بہا دیتے تھے وہ اس میں غواصی کرتے تھے گو ان کو طوفان کا خوف لگا رہتا تھا، بعض کتاب کے کیڑے ایسے بن جاتے تھے کہ ان کا حال اس درخت کے کیڑے کا ہو جاتا تھا کہ جب اس کے تمام پتے کھا چکتا ہے تو خود اس کا کام تمام ہو جاتا ہے۔

.بہت سے آدمی پہلے ایسے ہوتے تھے وہ خود تو علم سے ناآشنا ہوتے تھے مگر ان کو کتب خانے بنانے کا اور کتابوں کے آراستہ کرنے کا بڑا شوق ہوتا تھا. وہ کتابوں کو بڑے دام دے کر خریدتے تھے، ان کی لاجوردی لوحیں بنواتے تھے اور سونے کی جدولیں اور بیل بوٹے ورقوں پر کھچواتے تھے، جلد کو سنہری کام سے سونے کا ڈلا بنواتے تھے ان کو کارچوبی زردوزی زربفتی جزدانوں میں رکھتے تھے. کتابوں کی ایسی آراستہ صورت دیکھ کر اور ان کی گنتی لے کر خوش ہوتے تھے، ایسے آدمیوں کا یہ شوق ایسا تھا جیسا کہ کسی گنجے کے سر پر بال نہ ہوں اور وہ خوبصورت کنگھا خریدے اور آنکھوں سے اندھا ہو اور بڑا آئینہ مول لے، بہرا ہو اور عمدہ بیش قیمت موسیقی باجے اور ساز خریدے ایسے کم علم فقط کتابوں کی بھڑک دکھا کر ایسی نمایش

ونمود کرتے تھے جیسی کہ کسی شخص کو گھوڑے پر چڑھنا نہ آتا ہو مگر اپنی شہسواری کی نمایش اصطبل میں رہوار تیز رفتار گھوڑوں کو باندھ کر کرے، پاؤں سے چلا نہ جاتا ہو مگر اپنی سبک رفتاری کے جتلانے کے لئے ٹاٹ بانی نمدہ دوزی جوتوں کی قطار دکھائے۔ گو ایسے آدمیوں میں یہ عیب علم کی نا آشنائی کا تھا مگر ان میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ قدیمی کتابوں کے محافظ تھے کیڑوں کی حملہ آوری سے اور چوہوں کی فتح یابی سے ان کو بچاتے تھے۔ مگر اب ان کتابوں کی عروس کی گردن و گوش کو زیور سے آراستہ کرنے والے بہت کم ہو گئے ہیں۔

اس زمانے میں بُری بھلی کتابوں کے جمع کرنے کا شوق پہلے زمانے کی نسبت زیادہ ہو گیا ہے غریب آدمیوں کے پاس بھی کتب خانے ایسے ہیں کہ پہلے امیروں کے پاس نہ تھے مگر علم ادب کی تحصیل کا شوق بہت کم ہو گیا ہے اب علم ادب کے کتب خانوں کا حال یہ ہے وہ مقبرے ہیں کہ جن میں کتابیں جزدانوں کا کفن پہنے صندوقوں کے تابوتوں میں مردہ پڑی ہیں۔ کیڑے اور چوہے ان کے علم کو ہضم کر رہے ہیں وہ اب خالی فہرستیں ہیں، علم ادب در سینہ نہیں رہا در سفینہ ہے اور سفینے کا بھی یہ حال ہے کہ شیرازہ شکستہ، اوراق کرم خوردہ چھلنی، صفحوں کے ہندسے ملائیے تو پچاس کے بعد ساٹھ آتے ہیں بیچ کے دس غائب، اس زمانے کی رائے یہ ہو گئی ہے کہ انگریزی علم ادب کے وہ شیریں چشمے بہ رہے ہیں کہ ان کے ہوتے اپنے ملک کے علم ادب کے خشک کنوؤں کو جو پوچھے وہ بیوقوف ہے۔ اس ملک کے ادب کے کتب خانے، عقل و دانش کے پاگل خانے، حماقت کے بھرے جہاز، عقل کے قفل سمجھے جاتے ہیں، غرض اب ان کتب خانوں کی جگہ پر انگریزی کتب خانے اپنا قدم جما رہے ہیں، دہلی میں ایام غدر سے پہلے دس پانچ نامی گرامی کتب خانے تھے جن کی تفصیل یہ ہے کہ شاہی کتب خانہ جس کا نام بھی مٹ گیا۔ شاہ ولی اللہ کے خاندان کا کتب خانہ جو ایک دیبہ کی دکان میں غدر سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے بکنا شروع ہوا تھا مگر بعد اس کے وہ دکان بھی غارت ہو گئی، مولوی رشید الدین خاں کا، مفتی صدر الدین خاں کا، نواب محمد منیر خاں کا اور نواب ضیاء الدین احمد خاں کا کتب خانہ لٹ گیا۔ حکیم احسان اللہ خاں کا کتب خانہ جل گیا۔ نواب ضیاء الدین خان نے اپنے مردہ کتب خانے کو زندہ کر دیا تھا۔

ہاں ایک حکیم شریف خان کا کتب خانہ پہلے سے اچھی حالت میں ہے، اب ان کتب خانوں کی جگہ کتاب فروشوں کی دکانیں ہیں جن میں بہت سی کتابیں ایسی ملتی ہیں کہ پہلے زمانے میں نایاب تھیں یا انگریزی کتب خانے میں سینٹ سٹیفن کالج کا، کیمبرج مشن کا، بورڈ اسکول کا انگریزی کلب کا، ان کتب خانوں میں ہندوستان کے علم ادب کی بہت کم کتابیں ہیں، سنسکرت

کا کتب خانہ پہلے کوئی تھا نہ اب ہے۔ اب ہندوستان میں عربی فارسی کتب خانہ جو مشہور ہیں،
(۱) والی رام پور کا کتب خانہ رام پور (۲) خدا بخش خان کا کتب خانہ پٹنہ عظیم آباد میں (۳) مجتہد لکھنؤ کا کتب خانہ لکھنؤ میں (۴) محمدن کالج علی گڈھ کا کتب خانہ علی گڈھ میں، ان کتب خانوں میں بہت نایاب کتب علم ادب کی ملتی ہیں مگر ان کتابوں کے عالم اگر پہلے سو تھے تو اب ایک ہے، اس کا حال بھی ایسا ہے جیسا سو اندھوں میں ایک کانا۔

ذکاء اللہ ۶ جنوری سنہ ۱۸۹۸ء

(چودھویں صدی بابت ۱ فروری سنہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۴-۵)

ٹیپو سلطان کے عہد میں فن طبابت و حکمت

رحمت النساء بیگم بنت کمال شریف انٹرمیڈیٹ

محکمۂ طبابت اور اس کے اہتمام اور اس کی ترقیوں پر تحقیق و تشخیص پر ان فرامین سلطانی سے کچھ روشنی پڑتی ہے:-

سید رضا از سرا نوشتہ بود کہ قصور در فوتیان ہر روز لیکن بیماری بسیار و طبیب معلوم است معلوم شد عامل آنجا پروانہ در باب دادن دو حکیم مرقوم و ملفوف است رسانیدہ و حکیم گرفتہ از دست آنہا معالجہ کنانند۔

ترجمہ، بنام سید رضا، سرا سے عریضہ لکھا گیا تھا کہ روزانہ اموات میں کمی اور بیماری زیادہ اور طبیب ندارد، معلوم ہوا، وہاں کے عملدار کو دو حکیم دینے کے متعلق فرمان ملفوف و مرقوم ہے پہنچا کر حکیموں کو لے کے ان کے ہاتھ سے معالجہ کرائیں۔ ۱۴ ثمری۔ سال سارا (سنہ ۸-۱۷۸۷ء)

حکیم محمد واصل۔ آن چہ از کسلمندی سید محمد خان مع اہلیہ و وابستگان وزبان زد مردم این کہ باعث ناسازواری خانۂ بود و باش نوشتہ بودند، معلوم شد، باید کہ بمعالجۂ شان پرداز ند و براے دہانیدن

یک خانہ دیگر جہت سکونت خان مشارٌالیہ مع وابستگان بنام سید محمد قلعہ دار نوشتہ شدہ وہم اجازت رفتن درخانہ دیگر بہ خان موصی الیہ تاکید بقلم آمدہ، آنچہ تکسّل مزاج میر محمد علی باعث مرض استرخا معروض بود، ظاہر گشت باید بداوائے نام بردہ پردازند و اختلاف آب وہوائے آن جاکہ شدہ است ہر کہ مریض شدہ نزد شما بیاید علاج آن نمایند۔"

ترجمہ:- بنام حکیم محمد واصل۔ سید محمد اور ان کی اہلیہ و متعلقین کی بیماری اور اس کی وجہ زبان زد خلائق کہ خانۂ بود و باش کی ناسازداری ہے جو کچھ لکھا گیا تھا معلوم ہوا۔ تمہیں چاہیئے کہ ان کے معالجے کی طرف متوجہ ہوں۔ مذکور خان صاحب اور ان کے متعلقین کی سکونت کے لیٔے دوسرا گھر کرنے کے بارے میں قلعدار سید محمد کو فرمان دیا گیا ہے اور مذکور خان صاحب کو دوسرا گھر بدلنے کے لیٔے اجازت کے ساتھ تاکید بھی کی گئی ہے اور جو کہ میر محمد علی کو مرض استرخا لاحق ہونے کے بارے میں معروض کیا گیا تھا، ظاہر ہوا، چاہیٔے کہ مذکور صاحب کے معالجے میں مصروف اور وہاں جو اختلاف آب وہوا ہوا ہے جو بیمار کہ آپ کے پاس آئے اس کا معالجہ کریں۔

۲۶ر بہاری شا۔

ارشد بیگ خان۔ یک شیشۂ روح گوگرد و یک شیشۂ جنتر گوگرد کہ از تلاش بہم رسانیدہ ارسال داشتہ بودند بحضور رسید چنانچہ در یک شیشی عرق گوگرد برائے نمونہ از حضور فرستادہ شد باید کہ مطابق نمونۂ مذکور تلاش کردہ بہم رسانیدہ ارسال حضور نمایند

ترجمہ:- بنام ارشد بیگ خان۔ ایک شیشی گندھک کی روح اور ایک شیشی گندھک کا جنتر جو تلاش سے فراہم کر کے روانہ کیا گیا تھا حضور میں پہنچا درین ولا ایک شیشی گندھک کا عرق نمونے کے لیے حضور سے بھیجا گیا تھا۔ چاہئے کہ مذکور نمونے کے مطابق تلاش کر کے حضور میں روانہ کریں۔

۱۲ر تقی سال سارا

ترجمہ:- حکیم محمد واصل۔ منجن سعد کوفی جو روانہ کیا گیا تھا حضور میں پہنچا۔ حکمت فرنگ کی کتابیں آپ کو دینے کے لیٔے توشک خانہ جنس کے داروغہ کو فرمان لکھا گیا ہے کتابیں لے کر ان کا ترجمہ کرائیں۔

حکیم محمد واصل منجن سعد کوفی کہ ارسال داشتہ بودند بحضور رسید برائے دادن کتب حکمت فرنگ بایشان بداروغہ ہائے جنسی توشک خانہ زیب تحریر یافتہ است گرفتہ ترجمۂ آن باید کنانید۔

۶ر رحمانی سال شا (سنہ ۱۸۷۸ء)

میر معین الدین مومیائی از نزد پادشاہ ایران کہ آمدہ بود مرسل است۔ آں را بحفاظت داشتہ بخرج آرند۔ فادزہر گوزن کہ خوردنش سہ روز حافظ روح وتمامی عمر سم مار وغیرہ جانور وسم کانی ونباتی اثر نمی کند این احوال در طب مومن نوشتہ است چنانچہ دریں جا چند حکما وغیرہ خورانیدہ اثر دیدہ شد، وہم تمامی باز وخوب بدن را بری آرد۔ حال سائیدہ فرستادہ شد۔ باید کہ آں مہربان از امروز بخورند وفردا وپس فردا ہم از حضور فرستادہ خواہد شد بخورند۔ وہیچ دوا بر روے زمین کم است۔

ترجمہ:- بنام میر معین الدین پادشاہ ایران کے پاس سے جو مومیائی کہ آئی تھی روانہ کی گئی ہے، اس کو حفاظت سے رکھ کر استعمال کریں، بارہ سنگھا کی تریاق جس کا تین روز کا استعمال حافظ روح ہے اور عمر بھر سانپ وغیرہ جانوروں کا زہر نباتی ومعدنی زہر اثر نہیں کرتا ہے، یہ حالات طب مومن میں بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی چند حکیموں وغیرہ کو کھلا کر اس کا اثر دیکھا گیا اور نیز تمام بدن کو چو طرفہ خوب بالیدہ کرتی ہے، اب گھس کے روانہ کی گئی ہے، مناسب ہے کہ بزرگ مہربان آج ہی سے کھائیں، کل اور پرسوں بھی حضور سے بھیجی جائے گی۔ استعمال کریں، یہ ایسی دوا ہے کہ روے زمین پر اس کی نظیر نہیں ہے"۔

ان فرامین سے محکمۂ طبابت کا ملک میں قیام اور اس پر سلطان کی خاص نظر تحقیقات اور اس کے عروج وکمال کے متعلق جد وجہد ظاہر ہے، مجرب مشہور دوائیں دور دور سے منگائی جاتی تھیں غیر ممالک کے حاذق اطبا کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں آپ کے مطالعہ میں ہمیشہ مختلف فنون ومضامین کی کتابیں رہا کرتی تھیں۔ خصوصاً فن طب میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی۔ آپ کے تجربات ومعلومات بہت وسیع تھے۔ طب مومن کے حوالے سے اس پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹری علاجات (پیتھالوجی) کے ساتھ بھی آپ کو دلچسپی ہی نہ تھی بلکہ ملک میں اس کو رواج بھی دیا تھا، اس کی ترقی کے لیے حکمت فرنگ کی کئی کتابوں کے ترجمے کرائے گئے ہیں۔ ملک میسور میں آج جو مفرح اعظم اور لولوی خاص شہرت رکھتے ہیں اور یہ خاص خاندانی نسخے سینہ بہ سینہ جو چلے آرہے ہیں، عہد سلطان کی باقی یادگاریں ہیں لیکن اب تبرک بن کر رہ گئی ہیں، حکیم نجم منشی غلام حسین، مہاراجہ ممڈی کرشنا راج وڈیر بہادر کے خاص حکیم تھے، آپ کے بعد حکیم باقر صاحب مقرر کئے گئے۔

(ماخوذ از "تاریخ آثار قدیمۂ اہل میسور" (مصنفۂ مولوی آر۔ عبدالقادر مرحوم) قلمی۔ اس کے بعض اقتباس ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ کے کتب خانے میں محفوظ ہیں)

عورتوں کا حسن اور زیور و سنگار

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب کا مضمون

از رفیعہ بیگم سیکنڈ ایر - بی، اے

دنیا میں ہندوستان کی عورتوں کا زیور پہننا ضرب المثل ہے کہ جتنے اعضا ہیں وہ زیور پہنتے ہیں ایسی کہیں اور کسی ملک میں عورتیں نہیں پہنتیں، سر، ماتھا، کان، ناک، گلا، سینہ، کمر، بازو ہاتھ، پہنچا، ہاتھ کی انگلیاں، پشت دست، پاؤں کی انگلیاں، ٹخنہ، ساق، یہاں تک کہ دانت بھی جن پر سونے کے پتر ے لگائے جاتے ہیں، یا سوراخ کر کے سونے کی کیلیں جڑی جاتی ہیں۔ ان زیورات کے نام اگر لکھوں تو معلوم نہیں کتنے صفحوں کو زیب و زینت دینی پڑے، ہر زیور کے ساتھ اس کے پہننے کے کچھ فائدے بھی بیان کئے جاتے ہیں، ہسلی سے بچے کی ہنسلی نہیں جاتی، ناگری سے قد خم نہیں ہوتا۔ پاؤں کے زیور عورتوں کو دور تک بھاگنے نہیں دیتے، ہندوستان کے سنگاروں کو مہذب قومیں وحشیانہ بتاتی ہیں کہ موتی سے دانتوں میں مستی کی کالک لگائی جائے اور ہونٹوں کا رنگ پان کے لاکھے سے اور ہاتھوں کو مہندی سے خراب کیا جائے اور ماتھا صندل کے قشقوں سے بگاڑا جائے، مگر ہر قوم کا مذاق حسن و زیب و زینت کے لئے جدا جدا ہوتا ہے، ہندوؤں کے مذاق کے موافق پیشانی پر صندل و سیندور کے قشقے اور ان میں روپہلے سنہری ستارے پیشانی کو زیب و زینت دیتے ہیں، مہذب قوموں کے نزدیک وہ وحشیانہ زمانے کو یاد دلاتے ہیں جس میں بدن کی آرائش وحشی قومیں بدن کے رنگنے سے کرتی تھیں، علیٰ ہذا القیاس، یہاں دانتوں کی سفیدی میں مستی کی سیاہی اور ہونٹوں پر لال لاکھا اور ہاتھوں میں مہندی بڑا بناؤ سمجھا جاتا ہے مہندی کی رنگت کے سوا اس کی بو مستانہ ہوتی ہے، اس لئے بھی وہ پسند کیجاتی ہے اور بہت طرح کے بناؤ سنگار ہیں، اگر ساری دنیا کی عورتوں کے حسن و جمال اور بناؤ سنگار و زیب و زینت پر نظر کیجئے تو صدہا طرح کے جلوے نظر آویں گے۔ اور ان کے اختلافات عجیب تماشا دکھائیں گے، جاپان میں عورتیں دانتوں پر ملمع کراتی ہیں۔ گرین لینڈ میں عورتیں اپنے چہروں کو نیلا پیلا رنگتی ہیں، مسکو میں عورت کا رنگ خواہ کیسا ہی شگفتہ ہو وہ جب تک اس کو رنگے گی نہیں اپنے تئیں بدصورت جانے گی، خوبصورتی کے لئے چین میں عورتوں کے پاؤں بچپنے سے چھوٹے ہونے کے لئے شکنجے میں آتے ہیں، انگلستان میں عورتوں کی کمر پتلی ہونے کے لئے تکلفات کئے

جاتے ہیں، ایران میں قدیم زمانے میں نکیلی ناک بعض دفعہ سر پر تاج پہنا دیتی تھی یعنے اگر سب طرح سے دو شہزادے تخت کے مستحق برابر ہوتے تو ان میں اس کو تخت مل جاتا جس کی ناک نوکدار ہوتی بعض ملکوں میں عورتیں اپنے بچوں کی ناکوں کو مروڑ دیتی ہیں، بعض اپنے بچوں کی ناکوں کو تختہ بند اس طرح کرتی ہیں کہ وہ چپٹی ہو کر مربع کی شکل ہو جائے۔ ایرانیوں کو سرخ بالوں سے جیسی نفرت ہے ایسی ہی ترکوں کو رغبت، ایسے بالوں پر وہ فریفتہ ہوتے ہیں۔ چین میں چھوٹی چھوٹی گول آنکھیں پسند ہیں، لڑکیاں ہمیشہ اپنے بھووں کو اکھیڑتی رہتی ہیں کہ وہ لمبی اور پتلی ہو جائیں، ترکی عورتیں سونے کے برش کو سیاہ عرق میں بھگو کر بھووں کو سیاہ کرتی ہیں۔ اس سے وہ رات کو خوب چمکتی دکھائی دیتی ہیں اور اپنے ناخنوں کو گلابی بناتی ہیں، افریقہ کا کمال حسن یہ ہے کہ چھوٹی آنکھیں موٹے ہونٹ، چپٹی ناک کھال خوش رنگ سیاہ۔

شہنشاہ مونو موٹاپا اپنی کالی کلوٹی بیگم حبشن کو نہایت حسین فرنگن سے مبادلہ نہیں کریگا۔ زنگستان میں ناک کے لئے زیور کو بے ضرورت سمجھتے ہیں، اہل پیرو اور اہل ہند اس کے برخلاف ناک میں زیور پہننے کو بڑی ناک سمجھتے ہیں، جو روجس قدر بھاری بیش بہا نت پہنے ہوئے ہو اسی قدر اس کا خاوند صاحب مقدور سمجھا جاتا ہے، اس نتھ میں موتی اور چھلے ڈال کر وزنی کرتے ہیں، ناک چھدوانے کی رسم ہندوستان میں ایسی ہے جیسی فرنگستان میں کان چھدوانے کی، ہندوستان میں کان چھیدنے کی شادیاں بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہیں، امرا ہزارہا روپیہ اس میں خرچ کر دیتے ہیں، اس نتھ کی گرانی ناک کو ہمیشہ رینٹھ سے گراں رکھتی ہے ناک سنکنے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، کانوں میں صدہا طرح کے زیور پہنے جاتے ہیں، کان لوٹے جاتے ہیں اکثر عورتوں کے کانوں کی صورت بگڑ جاتی ہے۔ یہاں عورتیں اس قدر زیور پہنتی ہیں کہ وہ سونے سے پیلی نظر آتی ہیں، مختلف قوموں میں سر کی زیبائش و آرائش میں بڑے تکلفات ہوتے ہیں، چین کی حسین عورتیں سر پر ایک جانور کی شکل میں زیور پہنتی ہیں۔ اگر خاوند آسودہ حال ہو تو وہ سونے کا ہوتا ہے ورنہ تانبے کا، اس کے بازو پھیلے ہوتے ہیں، اور سر کے لباس کے اوپر ہوتے ہیں اور پیشانی ڈھانک لیتے ہیں۔ اس کی دم لمبی اور کشادہ نہایت خوبصورت پروں کے طرہ کی بنی ہوئی ہوتی ہے، اس کی چونچ ناک کی نوک کو ڈھانکتی ہے اور گردن سے اس مصنوعی پرند کو ایک کمانی سی ایسا باندھ دیتے ہیں کہ وہ آسانی سے ذرا حرکت دینے سے متحرک ہوتا ہے اور گر پڑتا ہے

محمد ذکاء اللہ ("چودھویں صدی" ۱ جون سنہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۳-۴)

محمد تحسین تحصیل کا ایک خط

بنام

محمد باقر برق شاگرد رشید حضرت داغ دہلوی

زبیدہ بیگم بی اے سکینڈ ایر۔

نواب عزیز جنگ بہادر تاریخ النوایط میں لکھتے ہیں (سنہ تالیف ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء)

محمد باقر، مولوی لقب، برق تخلص، مشاہیر قوم سے ہیں، آپ ریاست میسور کے نواح ہاسن میں کافی پلانٹر (بون کی کاشتکاری) کا کاروبار زمیندارانہ حیثیت سے فرماتے ہیں آپ کے باغات کے خالص محاصل کا سالانہ انداز تقریباً بارہ ہزار روپے کہا جاتا ہے، عربی اور فارسی زبان میں ذی استعداد ہونے کے علاوہ فن سخن سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ دیوان برق آپ کے کلام کا مجموعہ ہے، مولف کے بعض احباب نے کہا کہ آپ خلق مجسم اور بڑے ملنسار شخص ہیں"۔

"محمد علوی الدہلوی، ریاست میسور کے مشاہیر قوم سے ہیں جن کے مکارم اخلاق اور فضائل علوم کا احوال مولف نے بزرگان قوم سے سنا ہے، آپ کے اجداد سلطانی عملداری میں مراتب نمایان سے سرفراز تھے، فی زماننا آپ مرفہ الحالی میں بسر فرماتے ہیں"

محمد باقر برق اور محمد علوی علوی کے والد کا نام محمد جعفر دہلوی تھا، دیوان برق کے لیے تحصیل نے جو قطعہ تاریخی لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ برق سنہ ۱۳۲۰ھ میں زندہ تھے، تاریخ النوایط کی تالیف سنہ ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ میں ختم ہوئی اور نواب عزیز جنگ بہادر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکور تاریخ کی ترتیب کے وقت برق زندہ تھے۔ غالباً مولف نے تاریخ کی ترتیب کے ابتدائی زمانہ میں برق کا حال قلمبند کر دیا تھا۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ برق کا انتقال تقریباً ساٹھ سال پہلے ہوا تھا اور وفات کے وقت عمر چھتیس ۳۶ سال کی تھی، بہر حال ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۴ء کے بعد بہت عرصے تک برق زندہ نہیں رہے ورنہ وہ اپنا دیوان ضرور چھپواتے، یہ قلمی دیوان موجود ہے اور ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

میرا خاندانی تعلق برق سے حسب ذیل ہے:-

زبیدہ بیگم بنت بتولہ بیگم بنت صدیقہ بیگم بنت برقؔ ابن محمد جعفر دہلوی -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کرم فرمائے تحصیل جناب برقؔ صاحب سلمہ اللہ الجمیل

تسلیم و نیاز و بندگی ہے

الطاف نامہ گرامی ڈاک سے ابھی ہاتھ آیا، لگے ہاتھ ابھی جواب لکھ رہا ہوں، جناب من دیوان کا نام تبدیل کرنے کی کوئی اشد ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہ دونوں جملے حقیقت میں ایک ہی ہیں، ضیائے برق نہ سہی جلوۂ طور ہی سہی، خدا کے فضل سے اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے فقط آپ کے تخلص کے لحاظ سے یہ التماس کی گئی تھی، خدا مبارک و سازوار کرے، اور طور ہی کی سی شہرت جلوۂ طور کو عطا فرماوے آمین.

التماس عجز اساس

جناب افتخار مآب نے ایک مدت کے بعد میری تصنیف کو ملاحظہ کرنے کا شوق ظاہر فرمایا حضرت کو بھولے سے اس امر کا خیال آیا ہے، بندہ اس یادآوری کا تہ دل سے مشکور ہے مگر افسوس ہے میرا دیوان آپ کے دروازے پر پہونچکر بھی میری بدنصیبی سے درجہ قبولیت کو نہ پہونچا، آپ اوس کو واپس کرنے سے میرے پاس واپس آگیا، اس میں میرا قصور بھی تھا وہ یہ کہ ایک روپیہ قیمت لگا کر وی پی ارسال کر دیا تھا، چونکہ یہ تعلیم میرے اوستاد مدظلہ سے میں نے پائی تھی اوستاد نے اپنا دیوان مہتاب داغ ۵ روپیہ میں بذریعہ وی پی میرے نام بھیج دیا تھا میر محمد علی خان صاحب رنجؔ شاگرد حضرت داغ نے بھی دو روپیہ قیمت میں اپنا دیوان مجھے بھیجدیا تھا انھیں حضرات کا طریقہ میں نے بھی اختیار کیا اس طریقے سے آپ ناراض ہو کر کتاب پھیر دیں گے کر کے مجھے کیا خبر تھی، یہ بھی اس لئے کہ میرا گذر توکل پر ہے نہ کوئی ملک ہے نہ مال اس پر میری آمدنی کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں ؎ حاجت مشاطہ نیست روے دل آرام را.

پانچ سو نسخے آگرہ میں چھپے دو سو روپیہ سے زاید روپیہ لاگت کا ہوا، یہ خرچہ میری مقدور سے بڑ (ھ)، کر تھا پر بھی ہمت کر کے میں نے مطبع کو دو سو روپیہ ادا کر دیا آگرہ سے ترکیرہ کو کتابیں آئیں تو ۱۲، روپیہ ریل کا کرایہ دیا اس کے بعد خدا کا فضل ایسا ہوا کہ احباب ترکیرہ کل اک اک

کتاب کو دو دو روپیہ دیا اور کافی پلانٹروں نے اک اک کتاب کو ۵۔ ۵ روپیہ دیا بنگلور کو دو کتابیں اک جناب سید امیر حسن صاحب سوپرنٹنٹ[1] سنٹرل جیل دوسری کتاب اک جناب عبدالکریم صاحب فارس اسسٹنٹ[2] کی خدمت میں ان دونوں بزرگوں نے دس دس روپیہ بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمایا اس صورت سے کوئی پچاس نسخے خرچ ہوئے اس کا مبلغ ایک سو تیس روپیہ وصول ہوا اتنے ہی نسخے یعنے پچاس کتابیں میں نے غربا کو مفت دیدئے

کوئی دیتا ہے تو لے لے تحصیل　　کوئی لیتا ہے تو دیدے تحصیل

جلدی میں تاریخ اچھی تو نہ ہوئی جو ہوئی وہ حاضر ہے۔

چھپ گیا آج برق کا دیوان،　　کہ ٹھکانے لگی ہے کوشش برق
کیوں نہ اس کے سخن پہ دل تڑپے　　تاب کس کو ہے تا بپے تابش برق
دل حاسد میں کیوں نہ آگ لگے　　شعلہ احمق ہے آتشِ برق
وقف اس نے کیا ہے گنج سخن　　لائق وصف ہے یہ بخشش برق
حضرت داغ سے جو لی اصلاح　　واہ کیا کہنا اور دانش برق
کمر ایرؔ توڑ کر تحصیل.　　کرادا سال ـ خق خواہش برق

۱۳۲۰ھ
۱۹۰۲ء

مختصر اک توصیفی قطعہ بھی یوں ہی سہی

ولہٗ

قطعۂ توصیفی

شہرت تھی جس کی ایک زمانے سے آجکل　　چمکا ہے طبع ہو کے وہ دیوان برق کا
ہر اک غزل ہے قابل انعام آفریں　　ہر ایک شعر کا ہے صلہ اس کے مرحبا
تحصیل جبکہ سنتے ہیں ہم برقؔ کا کلام　　بے ساختہ زباں سے نکلتی ہے واہ وا

کل کے پوسٹ میں دیوان ارسال خدمت کیا جائے گا۔

العاصی محمد کبیر تحصیل

منمقام سنتے ویری　محررہ ۱۴ ار مئی

---

[1] Superintendent Central Jail
[2] Forest Assistant

بندہ نے آگرہ کی کتابت کا شیفتہ ہو کر دیوان آگرہ میں چھپوایا اس کا سبب لاگت زاید ہوئی اس دیوان کے چھپنے کے بعد اور چند غزل جو کہی ہیں ان کو اسی مطبع شوکت الاسلام میں چھپوا کر بطور ضمیمہ اسی دیوان کے اخیر لگادونگا دو ماہ ہوے کہ شعر کہنے سے میں نے توبہ کی ہے۔ جس غزل پر میری شاعری ختم ہوئی ہے وہی آخری غزل ہے، وہ غزل اگرا ایڈورڈ گزٹ میں درج ہوئی تو آپ دیکھ لیں" (نقل مطابق اصل)

تاریخ

دیوان طبع ہو کے ہوا یادگار برق ؎ زندہ ہمیشہ نام سخنور سخن سے ہے
اب تا ابد جہاں میں رہا یادگار برق ؎ تحصیل ہے یہ مصرعہ سن برزبان وصف

۱۳۲۰ھ

اُردو زبان کا ایک نکتہ

زیب النساء سکینڈ ایر بی، اے

ایک اردو کی جماعت میں یہ بحث چھڑی کہ غیر زبانوں کے اکثر لفظ جو اردو کا جزو بن کر رہ گئے ہیں ان کے تلفظ کے کیا اصول ہیں یعنے جذبات کشی، خودکشی، نفس کشی، رسہ کشی، ان لفظوں کے دوسرے جُزو کا تلفظ معین کرنے کا کیا قاعدہ ہے۔ اس بحث کا نتیجہ حسب ذیل ہے:-

یہ صحیح نہیں کہ اردو میں غیر زبانوں کے جتنے الفاظ آتے ہیں ان کے تلفظ اصل سے بدل کر ہی مستعمل ہوتے ہیں، یوں تو بیشتر الفاظ اردو کے مزاج میں گھل مل جانے کے لئے اپنی اصل کھو دیتے ہیں زبان کے ابتدائی درجوں میں ضرور افراتفری ہوتی ہے۔ لیکن جب زبان کافی ترقی کرجاتی ہے تو صحت برقرار رکھنے کے لئے حدیں مقرر ہوتی ہیں کسی زبان کے معتبر اور مستند فصحا کی تقریروں اور تحریروں میں الفاظ کا تلفظ مانا جاتا ہے اور انھیں کی سند پر تلفظ لغت میں جگہ پاتے ہیں۔

کش، کشیدن کا امر مرکبات میں کھینچنے والا، برداشت کرنے والا جیسے محنت کش، مرکب رسہ کشی (آخر میں یائے مصدری کا اضافہ ہوا ہے)

کُش، کشتن کا امر مفعول بہ کے ساتھ اس کے معنی مار ڈالنے والا جیسے محسن کُش۔ جذبات کشی، نفس کشی، خودکشی (یائے مصدری کے ساتھ)

یہ صحیح ہے کہ اردو میں تلفظ ہمیشہ اصل کے مطابق نہیں ہوتے، اُس سے تجاوز بھی ہوتا ہے، چنانچہ مولانا نظم طباطبائی "ادب الکاتب والشاعر" میں لکھتے ہیں :۔

"فارسی و عربی کے بعض الفاظ اردو میں غلط بولے جاتے ہیں۔ ان کو غلط ہی بولنا چاہئے ان کا صحیح کر کے بولنا ہندیوں کی زبان پر ثقیل ہے۔ جیسے عبادت، عیاں، عیال، بہ کسر عین ہیں مگر بولتے بالفتح ہیں۔ رفو میں فا کو ساکن پڑھنا چاہئے، لیکن فارسی و ہندی کے لہجے میں اس کا تلفظ مشکل تھا، رفو بہ ضم فا مستعمل ہوگیا، اسی طرح ناگوار میں گاف مضموم ہے لیکن اردو میں بہ فتح گاف ہی مستعمل ہے لفظ رعشہ اور لفظ عیار کو اکثر اہل لغت بہ کسر اول صحیح سمجھتے ہیں لیکن اردو میں فتح اول بولنا چاہئے۔ لفظ موقع اور مطلع بہ کسر قاف صحیح ہے لیکن اردو میں اس کی تصحیح ممکن نہیں۔

اردوئے معلیٰ بابت فروری و مارچ سنہ ۱۹۱۲ء

خواجہ حالی کا خط

بنام

محمد علی مہمان (ولادت ۱۸۲۸ء وفات ۱۸۹۹ء)

طاہرہ بیگم سینیر بی اے

جوہر مجلس محمد علی تخلص مہمان بنگلور میں پیدا ہوے، سلسلہ منسب حضرت ایوب انصاریؓ تک پہنچتا ہے ۲۹ مارچ سنہ ۱۸۸۸ء میں ڈپٹی کمشنری کے عہدے سے سبکدوش ہو کر وظیفہ یاب ہوے مہاراجہ چامراج وڈیر بہادر نے ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۸۹۳ء میں خلعت اور جواہر کی مالا کے ساتھ جوہر مجلس کا خطاب عطا کیا، مہارانی صاحبہ (ریجنٹ) نے ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۹۷ء میں اجازت دی کہ آئندہ سے "جوہر مجلس" کمر باندھے بغیر دربار میں حاضر ہوسکتے ہیں۔ یہ اعزاز بہت ہی ممتاز ہستیوں کو میسر

ہوتا ہے، مہاراجہ چامراج وڈیر بہادر نے کل ہندوستان کا سفر کیا تھا یہ سفر ۱۷ر دسمبر سنہ ۱۸۸۷ء کو ختم ہوا تھا، اس سفر میں جوہر مجلس بھی ساتھ تھے، اپنا روزنامچہ لکھا ہے مثلاً:-

۱۸ر جنوری سنہ ۱۸۸۷ء، آج علی گڑھ پہنچا، سر سید احمد خاں صاحب کا آدمی گاڑی دو گھوڑوں کی لئے اسٹیشن پر منتظر تھا کیوں کہ ایک روز آگے سید زین العابدین صاحب سب آرڈنیٹ جج مراد آباد، نے تار کی خبر دی تھی کہ میں وہاں آنے والا ہوں، ہم سب معہ زین العابدین صاحب، سید صاحب کے مکان کو پہنچے، سید صاحب موصوف بڑے اخلاق سے ہم کو اپنے خاص بنگلے میں جہاں جگہ بنائے تھے اتارے اور بڑی خاطر و تواضع سے مہمان داری کی۔

دہلی ۲۵ر جنوری، مولوی الطاف حسین حالی اور مولوی ذکاء اللہ صاحب سے ملاقات کیا۔

۳۰ر جنوری آگرہ یہاں کے لوگ آج شام کو پبلک ٹون ہال میں مہاراجہ صاحب بہادر کو، اردو میں اڈرس دئے اور دیوان صاحب (شیشادری ایئر) انگریزی میں جواب دئیے۔

خواجہ حالی نے مہمان کو جو خط لکھا تھا اس کو جناب محمد صالح صاحب وکیل بی اے، ایل ایل بی برادر زادۂ جوہر مجلس نے محفوظ رکھا ہے، وکیل صاحب اردو ادب کا صحیح مذاق رکھتے ہیں اور اردو ادب میں آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔

جناب سید صاحب مخدوم و مطاع و مکرم و محترم دام مجدکم

تسلیم بصد تحیت و تکریم، مشرف نامہ شرف صدور لایا، کلمات شفقت آیات بزرگانہ جو اس میں مندرجہ ہیں ان کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتا ہوں نہایت افسوس اور شرمندگی ہے کہ آپ یہاں ایسے وقت تشریف لائے جبکہ بارش ہو رہی تھی اور میں اس سے پہلے بہت بیمار رہ چکا تھا۔ کہیں آنے جانے کا موقع بالکل نہ تھا، اسی وجہ سے آپ کی خدمت میں جہاں مہاراجہ صاحب فروکش تھے حاضر نہ ہو سکا اور کسی قسم کی مدارات اور خدمت گذاری نہ کر سکا، آپ کے ساتھ سوار ہو کر ایک دو جگہ جانا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی نسبت آپ ممنونیت کا اظہار فرماتے ہیں، بلکہ ہم لوگوں کو حد سے زیادہ ممنون ہونا چاہئے کہ آپ نے باوجود محض ناواقفیت کے حالت سفر میں بارش اور کیچڑ وغیرہ کی دقتیں برداشت فرما کر ہم جیسے ناچیز اور بے مقدار لوگوں کے مکان پر قدم رنجہ فرمایا، افسوس ہے کہ آپ نے دلی کو اس وقت دیکھا جبکہ یہاں کوئی شخص ملنے کے قابل نہ رہا۔ علم و فضل اور ہنر و کمال کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ ورنہ بیس بائیس برس پہلے تک بھی یہاں کچھ لوگ ایسے موجود تھے جن کا نظیر تمام ہندوستان

نہ تھا اب یہاں مقبروں اور مزاروں کے سوا اور کوئی شے دیکھنے کے قابل نہ رہی۔

نیاز مند کا حال یہ ہے کہ سولہ سترہ برس سے کھانسی اور نزلہ کے مرض میں مبتلا ہے، ہمیشہ موسم سرما میں کھانسی وغیرہ کی شدت رہتی تھی اور اب کے سال بھی موسم مذکور میں بہت شدت ہوئی تھی مگر اس سال یہ نئی بات ہوئی کہ گرمی کے شروع ہوتے ہی پھر نزلے کی شدت ہوئی چنانچہ اب تک اسی میں مبتلا ہوں، دو مسہل لے چکا ہوں اور تیسرا مسہل کل ہونے والا ہے، اس کے بعد ایک مہینے کے لیے پانی پت جاؤں گا بلکہ شعبان اور رمضان سارا وہیں گذرے گا، آپ اگر کبھی اس عرصے میں عنایت نامہ ارسال فرمائیں تو بمقام پانی پت ضلع کرنال محلہ انصاریاں میں خاکسار کے نام ارسال فرمائیں اور رجب کے آخر تک امید ہے کہ دلی ہی میں رہنا ہوگا، امراض کی شکایت کے سبب کوئی نئی چیز لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اگر کبھی کوئی نئی شے خاکسار کی ناچیز تالیفات میں سے چھپے گی تو ضرور بالضرور بلا طلب خدمت عالی میں ارسال ہوگی، زیادہ حد نیاز

خاکسار الطاف حسین حالی غفرلہ از دہلی کوچۂ پنڈت

۳۱ مارچ سنہ ۱۸۸۸ء

ایک اخبار میں یہ دیکھا ہے کہ مہاراجہ صاحب بہادر میسور نے کئی ہزار روپیہ ماہوار کے وظیفہ اپنی ریاست کے مسلمان طالب علموں کی تعلیم و تقویت کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی ایسی حالت نہایت افسوس کے قابل ہے جس پر غیر قوم کے سرداروں کو بھی رحم آنے لگا ہے لیکن مہاراجہ صاحب کی کمال عالی ہمتی اور رعایا پروری اور بے تعصبی اس سے ثابت ہوتی ہے۔

"چودھویں صدی"

فخر یاسمین پریونیورسٹی

اخبار 'چودھویں صدی' نمبر ایک جلد ایک مورخہ یکم مارچ سنہ ۱۸۹۵ء یوم جمعہ مطبع چودھویں صدی شہر راولپنڈی متصل پرانا قلعہ میں منشی امیر علی مینیجر کے اہتمام سے چھپ کر شائع ہوا تھا۔

اداریے میں ضرورت اشاعت کے بارے میں لکھا ہے:-

"سر مور گزنٹ اور اس کے بعد محمڈن نیشنل میگزین کے بند ہو جانے سے جو عام افسوس اور رنج اس کے شائقین نے ظاہر کیا وہ بجائے اس کے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ کم ہو جاتا ایک قومی اخبار کے بند ہونے اور اس کے قایم مقام کوئی عمدہ شایستہ اخبار نہ جاری ہونے کا افسوس روز بروز اور بھی زیادہ ہوتا گیا سر مور گزٹ کے مالک و ایڈیٹر کے حالات نے اگر اجازت دی ہوتی تو وہ اس قدر عرصے تک اپنے بزرگوں اور دوستوں کو رنجیدہ نہ دیکھ سکتا، مگر پچھلے دنوں میں اس کے کرم فرما دوستوں نے اس سے اس قدر شدید تقاضا کیا، بلکہ بعض نے اس بات کے واسطے کہ ان کے تقاضوں کی نسبت ایسی بے پروائی کی ہے ملامت بھی کی ہے جس نے باوجود موجودگی ان حالات کے جو اس کو اخباری دنیا میں پھر قدم رکھنے سے مانع تھے اس امر کے واسطے کہ ایک اعلیٰ قسم کا قومی اخبار جاری کیا جاوے کوشش شروع کی اور یہ اسی کوشش کا نتیجہ ہے کہ "چودھویں صدی" بہت بڑی حوصلہ مندیوں اور ارادوں کے ساتھ شہر راولپنڈی سے جاری ہوتا ہے، ان تمام قومی ضروریات کے پورا کرنے کے واسطے جو ایک اخبار سے متعلق ہو سکتی ہیں اور ایک اعلیٰ اور بڑھے ہوئے مذاق کا قومی اخبار نہایت اہتمام سے چھاپنے کے واسطے جو تیاری کی گئی ہے وہ اخبار کے چند پرچوں کے دیکھنے سے منکشف ہو جاوے گی۔"

قواعد و ضوابط اخبار چودھویں صدی :۔

یہ اخبار ہر مہینے کی ۱-۸-۱۵-۲۳ تاریخ کو شائع ہوتا ہے، اس کی سالانہ قیمت پیشگی حسب ذیل ہے۔ گورنمنٹ عالیہ و والیان ملک سے ۳۰ روسائے عظام سے عـلـہ عام خریداران سے ۶ طلبا سے بشرط تصدیق للعہ۔ قیمت فی کاپی ۲ر بلا محصول ڈاک"

سائز $\frac{1}{4}$ ۱۲×۱۰ - صفحے ۱۲

اس اخبار کے ۱۸۹۸ء تک کے پرچے ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ کے کتب خانے میں موجود ہیں، اس میں سرسید اسکول کے ادیبوں اور شاعروں کے مضامین اور سرسید کی وفات کے تفصیلی حالات ملتے ہیں۔

مقابلہ

محمودہ خانم مکی تھرڈ ایر بی اے

مقابلہ بین الاقوامی تھا جس کے بارے میں ہر کالج میں اشتہار لگے تھے۔ ان میں جلی حرفوں میں مقابلے کی شرطیں درج تھیں، یہ مقابلہ انعامی مضمون نگاری کا تھا جامعات کے طلبہ اور طالبات دونوں اس میں حصہ

لے سکتے تھے، ان اشتہاروں کو لگے ہوئے پندرہ دن ہو چکے تھے، صرف عنوان کا انتظار تھا۔

رعنا اور سعیدہ فائنل بی اے کی طالبات تھیں، دونوں ہمیشہ کلاس میں اول رہنے کی کوشش کرتیں، اسپورٹس میں بڑی دلچسپی لیتیں خاص کر جب مقابلے کا موقعہ آتا تو دونوں پیش پیش رہتیں، جب ان کو اس مقابلہ کا علم ہوا تو دونوں کو شوق ہوا کہ وہ بھی حصہ لیں چنانچہ انہوں نے اپنے نام یونین کے سکریٹری کو دے دئے، سکریٹری نے بتایا کہ حصہ لینے والے طلبہ کا مقابلے میں جانے سے پہلے مقامی کالج میں ٹیسٹ لیا جائے گا پھر جو طلبہ چنے جائیں گے انھیں پانچ روپے داخلہ فیس دینی ہوگی، اب دونوں کچھ گھبرائیں، سعیدہ تو باسانی داخلہ فیس دے سکتی تھی، مگر بیچاری رعنا کا معاملہ کچھ ٹیڑھا تھا۔ اب یہ ارمان پورا ہو تو کیسے ہو۔ اسے دوسروں سے کہتے شرم آتی تھی، وہ مشکل میں تھی، اس کی طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے فائدے کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے، البتہ اس نے سعیدہ سے اپنی اس ذہنی کش مکش کا ضرور ذکر کیا، سعیدہ نے کہا ابھی سے خواہ مخواہ بیسوں کی فکر کیوں کرنے لگی ہو، پہلے ٹسٹ میں کامیاب ہو جاؤ، رعنا کو واقعی تسلی ہوگئی، سچ تو ہے کہاں میں اور کہاں بیسیوں مقابلہ کرنے والوں میں کامیابی، اس نے دل ہی دل میں خیال کیا۔

قابلیت کا ٹسٹ لیا گیا، بیسیوں طلبہ نے حصہ لیا پانچ طالب علم چنے گئے جن میں سعیدہ اول نمبر اور رعنا تیسرے نمبر میں کامیاب ہوئیں، سعیدہ مارے خوشی کے دیوانی ہوئی جا رہی تھی، مگر رعنا کے لئے پھر سوچنے کی بات تھی، انسان کو بعض اوقات عجیب حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، عجیب بلکہ عجیب تر جس میں نہ وہ کچھ کہہ سکتا ہے نہ کر سکتا ہے، رعنا کا معاملہ بھی بالکل اسی طرح کا تھا، نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن، چند ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں دو آنے خرچ کرنا بھی دشوار ہوتا ہے، رعنا نے بڑی سوچ کے بعد اپنی مہینے بھر کے نجی خرچ کی رقم دیدی، عنوان کا اعلان ہو گیا، عنوان تھا 'عورت قوی ہے یا کمزور'۔ وقت دو گھنٹے کا دیا گیا تھا، سعیدہ نے رعنا کو بتایا کہ وہ ایسے ایسے نکتے چن لائی ہے کہ خود عنوان دینے والے کے ذہن میں بھی نہ ہوں گے، ریاض بھائی نے رات گئے، بہت ہی اچھے اچھے نکتے سمجھائے، اللہ کامیابی دے رعنا کو رشک ہوا کہ اس نے بھی کیوں اکرم وغیرہ سے مدد نہ لی، خیر وقت تو اب گذر ہی چکا تھا، وہ سب بڑے انہماک سے مضمون لکھنے لگے رعنا کا آدھا گھنٹہ صرف سوچتے ہی سوچتے گذر گیا وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی کہ وہ کتنی بے حس ہے، یہ اس کے تجسس کی کمی کا نتیجہ ہے، کبھی سوچتی کہ یوں لکھوں کبھی سوچتی کہ نہیں ایسے ٹھیک رہے گا۔ سب لکھ رہے تھے اور وہ الفاظ اور خیالات کی موزونیت پر سر مار رہی تھی، پھر اس نے لکھنا شروع کیا، ایک گھنٹہ مسلسل لکھتی رہی، پھر

خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا، اب بھلا قلم کیسے چلتا وہ صرف تین صفحے ہی لکھنے پائی تھی، دیکھتے ہی دیکھتے وقت گذر گیا، وہ پسینے پسینے ہو گئی. جب وہ اٹھ کر جا رہی تھی تو اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی انعام نہ سہی مضمون ہی کچھ پاٹے کا ہوتا، حمیدہ اور سعیدہ نے تقریباً سولہ سولہ صفحے لکھے تھے، مس روزی تو اپنا مضمون بیس صفحے کا بتاتی ہے البتہ فیضی نے صرف دس صفحے لکھے تھے، فیضی نے رعنا کو چڑاتے ہوئے کہا کہ شکر ہے رب العالمین کا پہلی بار تم نے مات کھائی خیر فکر نہ کرو میرا آدھا انعام ازراہ ہمدردی تمہیں دے دوں گا، وہ جواب دینے کے موڈ میں نہ تھی منہ بنا کر چپ ہو رہی.

نتیجے کا انتظار سب کو تھا مگر رعنا کو ظاہر ہے کہ جب لکھا ہی کچھ نہ تھا تو انتظار کیا ہوتا.

نتیجے کا اعلان ہو گیا، جیتنے والوں کی لسٹ پر روزی کی نظر پڑی تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں، اس نے بار بار لسٹ پڑھی جیتنے والے کا نام، کالج، کلاس پھر اول نمبر سب ہی تو وہی ہے. وہ بھاگی بھاگی سعیدہ کے پاس آئی پھر سب ہی نوٹس بورڈ پر ٹوٹ پڑیں پہلا انعام رعنا کو، دوسرا انعام انڈونیشیا کے طالب علم مسٹر کرومان کو اور تیسرا انعام تھا مسٹر فیضی متعلم ام. اے کو، رعنا کو تو گویا سکتہ سا ہو گیا تھا. وہ آنکھیں پھاڑے بار بار اپنا نام پڑھتی رہی اسے یقین ہی نہ آیا کہ وہ نام اسی کا ہو سکتا ہے، اس کی آنکھوں میں صرف تین صفحے پھر رہے تھے، مقابلہ انٹرنیشنل، تین صفحے اور پہلا انعام، وہ دیر تک گویا آسمان پر اڑتی رہی، مبارکبادیں اور شیک ہینڈ کے شدید حملے ہوتے رہے اور نہ جانے اس عالم میں وہ کیسے اتنوں کا مقابلہ کرتی رہی.

سارا ہال تماشائیوں سے لبریز تھا، صاحبان اقتدار، منسٹر، پرنسپل اور لکچرر وغیرہ تو خیر سے اپنی اپنی کرسیوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے تھے البتہ طالب علم جگہ کی تنگی سے جہاں جگہ ملی وہاں سما گئے تھے، صدر نے ایک طویل لکچر دیا جیتنے والوں کو مبارکباد پیش کی، رعنا کے مضمون کی خوب تعریف کی اور اس کے مضمون سے یہ اقتباس پڑھ کر سنایا؛۔

"عورت کو صنف نازک کا نام دیا گیا ہے. اس نزاکت کا تصور اس لئے صحیح ہے کہ عورت فطرۃً ملائم وحساس ہوتی ہے، مگر جب کسی ارادے کی تکمیل کا قصد کرتی ہے تو ایک چٹان کی طرح اپنی جگہ پر مضبوط رہتی ہے. اگر وفا کرتی ہے تو پھر دنیا بھر کا تشدد بھی اسے اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا اگر "نہ" کہہ دے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے "ہاں" کہنے پر مجبور نہیں کر سکتی موقعہ پڑنے پر اس کے بازوؤں میں فولاد کی سختی آجاتی ہے، قابل تحسین ہے وہ کمزور اور نازک ہستی جو غضبناک کو بھی مات کرتی ہے اور

وقت پڑنے پر مردوں کی ہزار طاقتوں پر چھا جاتی ہے برعکس اس کے اگر مرد نزاکت کا مظاہرہ کریں تو مذاق بن کر رہ جاتے ہیں، عورت وہی مجسمۂ محبت ہے جس نے شاہجہاں کو تاج محل جیسی عمارت بنانے پر آمادہ کیا۔ اس ملکہ نے ایک ایسی فرمائش کی کہ شاہجہاں کو صاحب نظر بننا پڑا، عورت زندگی کے ہر پہلو میں ایک نمایاں حیثیت کی مالک ہے، جنگی میدان میں اگر وہ دیکھتیں کہ مرد شکست سے دوچار ہو رہے ہیں تو انہیں غیرت دلاتیں پھر وہ دشمنوں پر بھوکے شیروں کی طرح ٹوٹ پڑتے اور فتح پاتے، عورتیں اپنے الفاظ کے ذریعے ان کے جسموں میں طاقت کی ایک روح پھونک دیتی تھیں۔ دنیا کے بہترین دماغ ملک و ملت کے پاسبان، دینی پیشوا، رہنمائے قوم اور ایسی بڑی بڑی ہستیاں جن پر زمانہ ناز کرتا ہے۔ عورت ہی کی گود میں پل کر جوان ہوتے ہیں، ان کا پہلا اسکول تو ماں کی گود ہوتا ہے، ایسی ہستی جسے زندگی کے ہر پہلو میں برتری و دخل اندازی ہو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کمزور ہے "عورت ہر اعتبار سے قوی ہے۔"

صدر صاحب مسکراتے ہوئے بیٹھ گئے تمام ہال تالیوں سے گونج اٹھا، رعنا کو ایک سونے کا مڈل اور تین ہزار روپے انعام ملے۔ فیضی کو ایک ہزار کا چک ملا۔ دوستوں نے پھولوں سے ڈھانپ دیا، ڈراما اور موسیقی کے بعد جلسہ ختم ہوا۔ فیضی اور رعنا نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی، رعنا نے کہا کہ وہ اس اعزاز کی بالکل حقدار نہ تھی، بس اللہ کی مہربانی تھی جو اس نے مجھے یہ کچھ دیا۔ فیضی نے کہا چہ خوب، اپنے آپ کو نااہل کہہ رہی ہیں، جبکہ جناب تمام پر چھا گئیں، اور اگر "اہل" بن جائیں تو پھر اللہ حافظ، وہ دونوں ہنسنے لگے، ہاں بھئی دونوں نااہل ہو، سعیدہ نے آتے ہوئے کہا، خیر اب تو ڈبل چائے ہو جائے ڈبل وہ کیوں؟ رعنا نے کہا۔ بنوِمنٹ، سعیدہ نے کہا ایک چائے انعام کی اور دوسری منگنی کی، رعنا کچھ کہہ ہی رہی تھی کہ فیضی نے جلدی سے کہا ارے ضرور ضرور صرف چائے ہی کیوں، آج جو بھی مانگو مل جائے گا عابدہ ولت اور یہ —— شٹ اپ رعنا جلدی سے بول پڑی۔

حیدرآباد میں میر شاکر علی

نور افزا بیگم سکنڈ ایر بی۔اے

اب بھی اس راکھ میں تھوڑے سے شرر ہیں پنہاں   اب بھی اک فتنہ ہے یہ شاہد رعنا کیسا

الحال میں بھی مسلمانوں میں بعض باکمال اس قسم کے نکل آتے ہیں کہ دماغی قابلیتوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے قرار دئے جا سکتے ہیں اور اگر تمام یوروپ بھی ڈھونڈ ڈالو تو ان کا ہمسر نہیں مل سکتا مگر ان بدنصیبوں میں ایک بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ ان کا کوئی قدردان نہیں ہوتا۔

میر شاکر علی کو ہم نے سنہ ۱۸۹۲ء میں دیکھا، وہ چھ برس سے حیدر آباد میں تھے اور اگرچہ ان کے دماغ کے حیرت انگیز نتائج کو دیکھ لیا گیا تھا اور ایک دنیا حیران تھی کہ یہ شخص جادو کرتا ہے یا اعجاز مگر ان کی قدر کرنے والا اور ایسی قدر کہ جس کے وہ مستحق اور محتاج تھے کوئی نہ تھا، ان کا کام گو بظاہر کارآمد نہ معلوم ہو لیکن وہ انسانی دماغ کے کمالات کا ایک ایسا نمونہ ہے جو دنیا میں عام نہیں ہے، وہ عجیب و غریب شخص اپنی ان خصوصیات کے سبب سے خود اس قابل ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے عجائب خانے میں رکھا جاوے اور لاریب اگر وہ ہماری بدبخت قوم کا ممبر نہ ہوتا تو یورپ کی کوئی سی قوم اس کے واسطے روزینہ مقرر کرتی، یوروپ نے اپنے تمام بڑے صناعوں اور مصوروں کے اقوال جمع کئے ہیں اور ان اقوال کو بمنزلہ وحی کے سمجھتے ہیں ان کا اصول یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے دماغی فضائل میں اپنے آپ کو دنیا میں برتر ثابت کیا ہے اس کے اقوال و افعال سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، میر شاکر علی کے فن کو خط گلزار کہا جاوے یا خوشنویسی اس کا نام رکھا جاوے حیدر آباد نے اس کی اتنی قدر تو کی ہے کہ ان کی صنعت اور دستکاری کے نتیجے کو حضرت علیا قیصرہ ہند کی خدمت باعظمت میں بطور تحفہ کے بھیجا ہے اور ہر ایک ویسرائے ہند کی خدمت میں جب وہ حیدر آباد میں گئے ہیں یہ ہدیہ پیش کیا گیا ہے، وہ کامل درجے کی خوشنویسی کے ساتھ حروف کو ایک ناممکن چھٹائی کے ساتھ لکھتے ہیں اور ایسا صاف لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ننگی آنکھ سے بخوبی پڑھا جا سکتا ہے، لیکن اتنے کام کے کر لینے والے اور بھی بہت سے لوگ ملیں گے میر شاکر علی کا جو کمال ہے وہ اس سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے وہ ضخیم کتابوں کو کاغذ کے ایک صفحے پر لکھ دیتے ہیں ایک عجیب ان تھک محنت ہے اور اس پر کمال یہ ہے کہ اس تحریر میں انسان و حیوان اور پرندوں کی تصویریں اور بیل بوٹے بنتے چلے جاتے ہیں اور ان میں مختلف قسم کے رنگ بھر کر ایک ایسی چیز تیار کی ہے کہ فوٹو کی صنعت بھی اس کے مقابلے میں عاجز ہو جاتی ہے،

چاول کے دانوں پر آیات اور کلمات لکھنے کے علاوہ سب سے پہلا بڑا کام جو اس صنعت کا میر شاکر علی نے کیا وہ حیدر آباد کی سنہ ۱۲۹۸ھ کی رپورٹ تھی جو دو سو صفحے پر لکھی ہوئی تھی، اس قابل شخص نے اس کو ایک تین انچ لمبے اور بارہ انچ چوڑے کاغذ کے تختے پر ختم کر دیا۔ مگر لطف یہ ہے کہ ہر ایک لفظ نہایت واضح اور خوشنما اور ہر ایک دائرہ اور جوڑ کمال خوش اسلوبی اور صفائی کے ساتھ دکھلایا، کل عبارت مختلف رنگوں کی روشنائی سے لکھ کر اس طرح مرتب کی ہے کہ جس سے ایک خوش نما پھاٹک کی تصویر نمودار ہوتی ہے اور اس کی بلند محراب کے نیچے ایک راستہ نکالا ہے جہاں ایک درخت کے سائے میں حضور پر نور ایک خوبصورت سبزہ عرب پر

جلوہ افروز ہیں درخت پھل پتوں سے کچھ بھرا ہوا نہیں ہے اور اس کی شاخوں پر دو سنجیدہ طیور سکوت کی حالت میں بیٹھے ہیں گویا حضور کے ادب سے خاموش ہیں حضور پر نور نہایت تندرست حالت میں ہیں اور گھوڑا مجبور کئے پر بے صبری ظاہر کر رہا ہے، پھاٹک کی تمام دیواریں محرابیں غرض کہ کل عمارت حتیٰ کہ جگمگاتے ہوے دروازے اور کھڑکیاں بھی اس تحریر میں صاف عیاں ہیں تمام تصویر کے گرد ایک نفیس پھولوں کی بیل دوڑائی ہے اور سب کچھ اس تحریر میں ہی پیدا کر دیا ہے، محراب میں ایک شعر موٹے حروف میں لکھا ہے جو حروف کی سفیدی میں سے نکالا ہے تحریر کا ایسے مختصر پیمانے میں ہونا ایک صنعت خوشنویسی اور اس مصوری کا کام ہونا یہ دوسرا امر ہے، لکھنے والے کی دماغی فضیلت، ذہن کی رسائی، باریک بینی، تیز نظری اور قوت مصورہ کے کمال کے علاوہ اس سے اس کا حد درجہ کا استقلال اور محنت کش طبیعت معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت علیا قیصرہ ہند کی سوانح عمری جو ایک سو ستر صفحے پر چھپی ہوئی تھی ایسے ہی کمال اور صنعت کے ساتھ فلسکیپ کے ایک صفحے میں اس قابل ہنرمندی سے لکھ دی تھی اور تحریر میں اسی طرح تصویریں درخت پھول اور پتے بنائے تھے، اس کے سوا شیخ سعدی کی گلستاں کے اٹھائیس ۲۸ صفحے اسی صنعت کے ساتھ ایک وزیٹنگ کارڈ سے چھوٹے کارڈ پر لکھی تھی اور چاولوں پر بڑی بڑی عبارتیں تو اکثر لکھی ہیں مثلاً ایک چاول پر نصر من اللہ و فتح قریب، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نسخ میں لکھا ایک چاول پر مالک ملک دکن ظل اللہ میر محبوب علی خان بادشاہ نستعلیق میں لکھا، غرض کہ اس سے بھی لمبی لمبی عبارتیں ایک چاول پر لکھی ہیں، سابق ویسرائے ہند جب حیدرآباد میں گئے تو میر صاحب نے ایک چاول پر یہ عبارت لکھ کر ان کے پیش کیا God save the queen & Viceroy چاول کے ایک طرف اور اسی دانے کی دوسری طرف سے آمدنت باعث خوشنودی ما۔ اور پہلو میں یہ لکھا "کتبہ شاکر علی ۱۳۱۰ھ" اب کے جو لارڈ الجن حیدرآباد میں گئے تو میر صاحب نے اسی صنعت کی ایک تحریر جس میں گلستان کا پورا آٹھواں باب لکھا ہوا تھا اور طول و عرض میں آٹھ انچ اور چار انچ سے زیادہ نہ تھی حضور ویسرائے کے سامنے پیش کی وہ دیکھنے کیا ہیں کہ ایک درخت ہے جس پر چند طیور بیٹھے ہیں اور لارڈ اور لیڈی الجن کی تصویر پر سایہ کئے ہوے ہیں اور ایک چاول کا دانہ بھی ان کے سامنے پیش کیا جس میں انگریزی میں ایک طرف وہی God save the queen اور دوسری طرف اردو میں لکھا تھا کہ "ویسرائے اور لیڈی الجن نے ۱۲ نومبر ۱۸۹۵ء کو حیدرآباد کو تشریف لا کر افتخار بخشا" اور پہلو میں کاتب کا نام اور سنہ وغیرہ بھی لکھا ہوا تھا۔ لارڈ الجن اس صنعت کی کرامت کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور بذات خاص اس شخص کو مبارکباد دینے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ ہز ایکسیلنسی نواب وقار الامراء بہادر نے میر صاحب کو حضور ویسرائے کے سامنے پیش کیا اور انہوں نے اس کی بہت تعریف کی لیکن سب سے قیمتی خراج جو اس

قابل صانع کا ادا کیا گیا ہے وہ حضرت علیا قیصرہ ہند کی چٹھی ہے جو حضور ممدوحہ نے اپنے دست خاص سے حضور نظام کو لکھی جس میں اس صنعت کی تعریف کی گئی ہے، ہم کو نواب وقار الامرا کی مشہور فیاضی اور قدر دانی علوم و فنون سے کامل توقع ہے کہ میر شاکر علی اپنے حق سے زیادہ عرصے تک محروم نہیں رہیں گے آخر میں ہم سر سید احمد خاں بہادر کی وہ تحریر چھاپتے ہیں جو انہوں نے میر شاکر علی کا کام دیکھ کر لکھی تھی ۔ وہو ہذا ۔

"میر شاکر علی صاحب چیف نویس سرکار عالی حضور نظام کی تحریرات کو میں نے دیکھا اور متحیر ہو گیا کہ کس درجے کا کمال انھوں نے خوش نویسی میں پیدا کیا ہے، ایک چاول پر قرآن مجید کی چھوٹی سورتوں کو لکھتے ہیں جن کے حروف صاف اور باقاعدہ خوش خط ہوتے ہیں اور بے تکلف پڑھے جاتے ہیں بڑی بڑی عبارتوں کو بصورت گل و بلبل فرس و اسد انسان و حیوان لکھتے ہیں غرضکہ تمام مخلوق خدا کا نقشہ الفاظ ہی کے ہیر پھیر توڑ جوڑ سے کھینچ دیتے ہیں، اور پھر خوش خطی نہیں جاتی اور بخوبی پڑھنے میں آتی ہے حق تو یہ ہے کہ اس باب میں مانی و بہزاد کو بھی مات کیا ہے، اور جب وہ معمولی طریق پر لکھتے ہیں ان کے حرف دلکش اور صفحہ قرطاس رشک گلزار ہوتا ہے ۔ غرضکہ ان کو فن خوشنویسی میں درجہ کمال حاصل ہے میں نے بمقام حیدر آباد ان کی تحریرات کو دیکھا، اور اس فن میں ان کے کمال کو تسلیم کیا ۔ فقط سید احمد، مقام الہ آباد ۲۹ نومبر سنہ ۱۸۹۱ء

("چودھویں صدی" بابت ۸ جنوری سنہ ۱۸۹۶ء صفحہ ۷-۸)